یا اللہ جل جلالہ　　فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)　　یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیۃ
فی
الفتاویٰ النقشبندیۃ

المجلد الثالث

تصنیف
فخر المتاخرین العالم العارف باللّٰہ
مفسر کلام اللّٰہ تعالیٰ و خادم حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
الشیخ السید احمد علی شاہ
الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی
النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب:	العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، المجلد الثالث
تصنیف و تالیف:	پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ
تعلیق و ترتیب:	پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ صاحبزادہ سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ
طباعت اول:	مارچ ۲۰۲۴ء بمطابق شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ
طباعت ثانی:	
کمپوزر:	صوفی سید فرحان الحسن سیفی
ناشر:	جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(۱) باب نمبر ایک: اولیاء اللہ کا انکار کرنے کے بیان میں

کسی بھی شعبہ سے متعلق بات کرنے کے لئے اہلیت کا لزوم اور اس کی اہمیت

بعض علماء و عوام اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ ہر آدمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس شعبہ سے متعلق بات کرنا چاہتا ہے تو اسے اس شعبہ کے بنیادی اصول وضوابط و قواعد کو جاننا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ ہر علم کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الیواقیت والجواہر میں امام ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ما من طائفة تحمل علما من المنطقين والنحاة واهل الهندسة والحساب والمتكلمين والفلاسفة الاولهم اصطلاح لايعلمه الدخيل فيهم الا بتوقيف منهم۔

علماء منطق، نحو، ہندسہ، حساب، عقائد اور فلسفہ کی اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو ان علماء کے بتانے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔[1]

الشیخ عبد القادر عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ حقائق عن التصوف میں لکھتے ہیں:

فان لكل فن من الفنون او علم من العلوم كالفقه والحديث والمنطق والنحو والهندسة والجبر والفلسفة اصطلاحات خاصة به لايعلمها الا ارباب ذالک العلم۔

تمام علوم وفنون مثلاً فقہ، حدیث، منطق، نحو، ہندسہ، الجبرا اور فلسفہ وغیرہ کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں جو ان علوم کے ماہرین جانتے ہیں۔[2]

الشیخ القاضی العلامۃ محمد اعلی بن علی الفاروقی لکھتے ہیں:

الشطح من مصطلحات الصوفية۔

شطح صوفیائے کرام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔[3]

تو ہم واضح یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر علم کی الگ الگ اصطلاحات ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں جو علماء اور مشائخ کے درمیان نزاع کی نوبت آجاتی ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ علماء، صوفیاء کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اور مشائخ، علماء و محدثین کی

---

1 (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۰)

2 (حقائق عن التصوف ص ۲۵۸۔از دیوان پریس برطانیہ)

3 (کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۲ ص ۹۴ سہیل اکیڈمی لاہور)

اصطلاحات سے ان جان ہوتے ہیں۔ ہم متقدمین مشائخ و علماء کی بات نہیں کر رہے کیونکہ تقریباً دو اڑھائی سو سال قبل تک علم ظاہر اور علم باطن کا مرکز ایک ہی ہوتا تھا جو بھی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوتا وہ بیک وقت صوفی بھی ہوتا اور عالم بھی ہوتا۔ اگر صاحب رتبہ صوفی نہ بھی ہوتا تو فکری و نظری طور پر تصوف و اہل تصوف سے ضرور واقف و مانوس ہوتا اور بقدر ظرف طلب ان سے فیض یاب بھی ہوتا تھا۔ لیکن زوال امت اور مغربی غلامی کے آغاز سے یعنی تقریباً دو اڑھائی سو سال سے علماء و صوفیاء کو الگ الگ کر دیا گیا ہے نہ وہ ان سے واقف رہے نہ یہ ان سے واقف رہے۔

صوفیاء کرام کے اقوال پر رد کرنے کے لئے چند ضروری شرائط

صوفیاء کرام کے اقوال پر رد کرنے سے پہلے کتابوں کے مطالعہ کی جو شرطیں سمجھنا ضروری ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

کتابہائے کہ علماء وفقہاء در رد وانکار بظواہر اقوال قوم نوشتہ اند، اگرچہ در منع وتحذیر واحتراس از ورود مواقع غلط واشتباہ نفع دارد ولیکن متضمن بضرر نیز ہست وحصول حقیقت وانتفاع واستفادہ ازان موقوف ست بر عایت چند۔ شرط اول آنکہ نظر بر احوالِ خود مقتصر گرداند و مجلس آرائی نگرداند و با غیر سالک راہ کہ بذکائے طبیعت وجودت فطنت وسلامت قریحت ودریافتِ وقتِ کلام ونزاکتِ مرام وثباتِ قدم در مقامِ صدق وتحقیق وسلوک طریق ورع واحتیاط موصوف بود، بیان نکند و با مریدان سادہ لوح وخالی الذہن کہ بصفاے عقیدت بحضراتِ مشائخ موصوف اند، وقوتِ تمیزِ سخن ندارند درمیان نیارد، ودر اعتقاد وارتباطیکہ با مشائخ دارند تشویش وتفرقہ نیندازد، واگر فرضاً در مقامِ وعظ ونصیحت احتیاج باعلام وتنبیہ شود، دخل واعتراض در مجرد قول کند بے تعین قائل ودر ضمن بیان تعرض بعظمتِ حال وجلالتِ شان این طائفہ علیہ قدس اللہ سرہم نماید۔ زیراکہ ستر زلات ائمہ وپوشیدن خطائے بزرگانِ دین از واجباتِ وقت واسبابِ سعادت وسرمایۂ برخورداری ست، وصیانتِ دین وحفظ حوزۂ اسلام ومراعاتِ شریعت اوجب والزم است وقائم بدینِ خدا ماجور ومنتصر وے منصور وانصاف در حق لازم واتباع نفس وہوا ممنوع ودیانتے کہ مصحوب ہوا باشد فاسد ونصیحتے کہ مشوب بغرض نفسانی بود باطل است۔

شرط دوم رسوخ اعتقاد و تحسینِ ظن بمشائخ و تنزیہہ ساحت عز و کمال ایشان از غبار طعن و تنقیص تارۃً بنفی نسبت و منع صدور آن از ایشان واخری بتاویل و تطبیق آن بظاہر واعتذار بوقوع آن بسکر حال و غلبۂ وجد۔

شرط سوم اعتقاد آنکہ باعث رد وانکار و مآل آن حسم مادہ و سد ذریعہ است تا عامۂ خلق و مدعیان راہ این چنین نکنند و بے تحقیق بمقام صدق و تمکن حقیقت براہ تقلید و متابعتِ ایشان نروند کہ تقلید واتباع در احکام ظواہر شرع رود نہ در احوال و مواجید و اذواق۔ واز فقہاء کسے کہ بر طائفہ صوفیہ علیہ قدس سرہم براہ رد وانکار رفتہ و تشدید و تغلظ نمودہ۔

ابن جوزی ست کہ از اکابر علمائے فقہ و حدیث است و گفتہ اند کہ مقصود وے نیز سدّ ذرائع است بدلیل تطریز و توشیح وے کتب خود را بذکر حکایات و کلمات مشائخ و استشہاد بافعال واقوال ایشان باوجود رد وانکار وے بر ایشان در بعضے مواضع و در چند موضع از کتاب تلبیس ابلیس کہ از تصانیف مشہورۂ اوست گفتہ است و مبالغت نمودہ و قسم یاد کردہ است کہ مقصودِ من اظہارِ علم و تحقیقِ سنت و تنبیہ و تحذیر از مواضع بدعت است نہ طعنِ رجال و تنقیص اہلِ کمال۔ ولیک از شدت و غلظت و خشونت کلامِ وے معنوی ست و در نظر انصاف آن کتاب در معرفت مداخل شیطان و حسم مادۂ بدعت و جہالت بے نظیر است۔ غیر آنکہ خشونت الفاظ و تشدید انکار و تغلیظ طعن و تشنیع وے موحش و مشوش است۔ ولہٰذا محققان از اربابِ نصیحت از خواندن این کتاب وامثال آن منع و تحذیر کردہ و بعدم خوض و وقوع در آن وصیت فرمودہ اند تا بسوئِ ظن و تنقیص مشائخ و ارباب احوال گرفتار نگردد و ہمچنانکہ ازین کتاب وامثال آن منع کردہ اند از خوض در بعضے کتب این قوم مثل فصوص الحکم و اشباہِ آن کہ اسرار و حقائق و مواجید را صریحاً بے توقف و تحاشی نوشتہ اند نیز نہی فرمودہ اند۔

شرطِ چہارم کہ خلاصۂ کلام و حاصل مرام است آنست کہ اعتراف بقصورِ علم و ضعفِ فہم خود کند، خداداند کہ ایشان چہ گفتہ اند و چہ ازارت کردہ سخنان ایشان را بایشان گذارد و خود را و تصرف خود را از میان بردارد۔ والنصاف آنست کہ توقف وانکار بر آنست کہ در فہم این کس می درآید، یا باحتمال آنکہ چیزے ارادہ کردہ باشند کہ منکر نباشد پس در حقیقت انکار بر نفسِ خود است نہ بر ایشان۔ و بالجملہ دین و شریعت واضح ست خود موافق آن رو و بدان کر کن۔ واگر از تو مسئلہ شرعی بپرسند

موافق حکمِ شریعت جواب گو واگر در خصوص حال یکے از صادقان راہ سخن افتد تغافل ورز واغماض کن۔ وبدانکہ جحود وانکار سببِ بُعد وحرمان ست وتصدیق واعتقاد موجب فتح باب واللہ الھادی ومنہ التوفیق لنیل الصواب۔

تمام شد نقلِ قواعد از کتاب قواعد الطریقت فی الجمع بین الشریعت والحقیقت وچون عبارات این کتاب در غایتِ دقّت وایجاز بود اگر بجہت بسط وایضاح زیادت کلمہ یا فقرہ شدہ باشد دور نیست ولیکن نقل سخنے وحکایتے زائد بر اصلِ مقصود وکلام شیخ کردہ نشد الا ما شاء اللہ۔ واگر توفیق رفیق خواہد شد این معانی را در رسائل دیگر بتقریب اقتضائے وقت باضم معانی دیگر نیز تفصیل دادہ آید انشاء اللہ تعالیٰ۔

جو کتابیں علماء اور فقہاء نے صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کے ظاہری مفہوم کے ردو انکار میں لکھی ہیں اگرچہ ان کے غلط مواقع پر استعمال سے ڈرانے، روکنے اور حفاظت کرنے کی غرض سے ہیں اور اگرچہ ان میں نفع کا شائبہ ہے لیکن ساتھ ہی نقصان کا بھی احتمال ہے ان سے حقیقت کا حصول اور نفع اور فائدہ حاصل کرنا چند شرطوں کی رعایت پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ نظر کو اپنے احوال پر منحصر کردے (زیادہ نہ جائے) اور اس کو اپنے نفس پر انکار و مواخذہ کا سبب بنائے۔ فصاحت اور طلاقت لسانی اور مجلس آرائی کا اظہار نہ کرے اور سالک راہ کے علاوہ (کہ جو طبیعت کی ذہانت، عقل کی تیزی اور مزاج کی سلامتی رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کس وقت بات کی جائے۔ مقصد کی کیا نزاکت ہے۔ صدق، تحقیق اور سلوک کے مقام میں ثابت قدم رہے اور ورع اور احتیاط کے طریقوں سے موصوف ہو) کسی سے بیان نہ کرے۔ اور سادہ لوح اور خالی الذہن مریدوں کے (جو گہری عقیدت کی بناپر کہ وہ حضرات مشائخ سے رکھتے ہیں اور بات کو سمجھنے کی قوت نہیں رکھتے) درمیان نہ لائے اور جو اعتقاد اور ارتباط ان کو مشائخ سے ہے اس میں انہیں پریشانی اور الجھن (پراگندگی) میں نہ ڈالے اگر بفرض محال وعظ و نصیحت کے موقع پر کسی بات کو جتانے یا تنبیہ کرنے کی ضرورت ہو تو ایک عام بات کے انداز میں دخل دے یا اعتراض کرے۔ قائل کا نام نہ لے اور بیان کے سلسلہ میں اس گروہ کی عظمتِ حال اور جلالتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے اعتراض کرے۔ اس لئے کہ اماموں کی لغزشوں کو چھپانا، بزرگوں کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھنا واجباتِ وقت اور اسبابِ سعادت سے ہے۔ اور دین کی نگہبانی مملکتِ اسلام کی حفاظت اور شریعت کی مراعات اس سے زیادہ واجب اور لازم ہیں۔ خدا کے دین پر قائم رہنے والا ماجور اور اس کی مدد کرنے والا منصور ہے۔ حق بات کے سلسلے میں انصاف لازم اور نفس اور خواہش کی پیروی ممنوع ہے۔ وہ دیانت جو خواہش اور ہوا کی ساتھی ہو فاسد ہے۔ اور وہ نصیحت جس میں نفسانی غرض کی آمیزش ہو باطل ہے۔

دوسری شرط: مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ مضبوط اعتقاد اور حسنِ ظن اور ان کے دامنِ عزت و کمال کی طعن اور تنقیص کے غبار سے پاکی و صفائی اور حسنِ ظن کا اظہار اس طریقہ پر کہ جس بات کی تنقیص کی جارہی ہے اس کی نسبت ان سے ممکن نہیں یا یہ کہ ان سے یہ فعل صادر نہیں ہو سکتا اور دوسرے ان کے افعال کی اس طرح تاویل کہ یہ کام جس کا ظاہر مخالف ہے در حقیقت مخالف نہیں۔ یا اگر مخالف بھی ہے تو ان سے سکر و حال اور غلبۂ وجد کی وجہ سے صادر ہو گیا۔

تیسری شرط: اس بات کا اعتقاد کہ ردو انکار کا باعث دراصل مادہ فاسد اور غلط تصورات کی روک تھام ہے تاکہ عام خلقت اور اس راہ پر چلنے والے گمراہ نہ ہوں اور صدق و تمکن حقیقت کے مقام کی تحقیق کے بغیر ان کی تقلید اور پیروی کی راہ پر نہ چلیں کیونکہ تقلید و اتباع شریعت کے ظاہری احکام میں چلتی ہے۔ احوال و مواجید اور اذواق میں نہیں۔ اور فقہاء میں سے جو لوگ صوفیہ کے گروہ کے ردو انکار کی راہ پر چلتے ہیں اور جنہوں نے اس معاملہ میں سختی اور شدت سے کام لیا ہے وہ ابن جوزی ہیں جو فقہ اور حدیث کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”اس کا بھی مقصد ذرائع کی روک تھام ہے۔ اس کی آرائش و زیبائش کے خیال سے اپنی کتابوں کو مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حکایتوں اور کلمات اور ان کے افعال و اقوال سے استشہاد کے ذکر میں ردو انکار کے باوجود انہوں نے ان کے بارے میں بعض موقعوں پر اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں جو ان کی مشہور تصنیف ہے چند جگہوں پر کیا ہے۔ انہوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ میرا مقصد علم کا اظہار اور سنت کی تحقیق اور بدعت کے مواضع پر تنبیہ اور تحذیر (ڈرانا) ہے۔ رجال پر طعن کرنا اور اہلِ کمال کی تنقیص کرنا نہیں۔ لیکن ان کے کلام کی شدت، سختی اور لہجہ کی تیزی سے جو انہوں نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا انکار قوی اور ان کی نزاع معنوی ہے اور انصاف کی نظر میں یہ کتاب شیطان کے داخل ہونے اور بدعت و جہالت کے مادہ کو کاٹ ڈالنے کی معرفت میں بے نظیر ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے الفاظ کی سختی، انکار کی شدت اور طعن و تشنیع میں گہرائی وحشت میں مبتلا کرنے اور تشویش میں ڈالنے والا ہے، اس لیے اربابِ نصیحت میں سے محققین نے اس کتاب کے پڑھنے اور اس کی مثالیں دینے سے منع کیا اور روکا ہے، اور وصیت کی ہے کہ اس پر غور و خوض نہ کیا جائے۔ تاکہ مشائخ اور اربابِ احوال سوء ظن اور ان کی تنقیص میں مبتلا نہ ہوں جیسا کہ اس کتاب اور اس میں مذکور مثالوں سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اربابِ طریقت کی بعض کتابوں مثلاً فصوص اور اس کے مثل اور کتابوں پر غور کرنے سے بھی روکا ہے کہ ان میں اسرار، حقائق اور مواجید کو صریحاً بغیر توقف اور یکسوئی کے لکھ ڈالا ہے۔

چوتھی شرط: جو خلاصہ کلام اور حاصلِ مقصد ہے یہ ہے کہ اپنے علم کی کمی اور عقل کی کمزوری کا اعتراف کرے۔ خدا جانتا ہے کہ انہوں نے (مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے) کیا کہا ہے اور کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی باتوں کو انہیں کے

ساتھ چھوڑے اور خود کو اپنے تصرف کو درمیان سے ہٹالے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ توقف اور انکار اس بات پر کیا جاتا ہے جو اس کی سمجھ میں آرہی ہے یا احتمال اس امر کا ہو کہ انہوں نے اس چیز کا قصد کیا ہے جو فی نفسہ بری نہیں ہے۔ پس حقیقت میں انکار خود اپنے نفس پر ہوتا ہے ان پر نہیں۔

حاصل کلام کہ شریعت ایک واضح چیز ہے، خود اس کے موافق چل اور اسی کے مطابق کام کر۔ اور اگر تجھ سے مسئلہ شرعی پوچھا جائے تو شریعت کے حکم کے مطابق جواب دے۔ اور اگر صادقانِ راہ کے بارے میں کوئی بات آجائے تو تغافل سے کام لے اور چشم پوشی اختیار کر۔ واضح رہے کہ انکار دوری اور حرمان کا سبب ہوتا ہے اور تصدیق و اعتقاد کامیابی کا موجب ہے: واللہ الھادی ومنہ التوفیق لنیل الصواب (یعنی: اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کرنے والا ہے۔ وہی توفیق دیتا ہے اور وہی صحیح بات تک پہنچاتا ہے)۔

کتاب قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعت والحقیقۃ سے قواعد کی نقل پوری ہوئی۔ چونکہ اس کتاب کی عبارتیں وقت کی مناسبت سے بے حد مختصر تھیں۔ اس لئے اگر شرح اور وضاحت کی وجہ سے کسی کلمہ یا فقرہ کی زیادتی ہوگئی ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن کسی بات یا حکایت کی نقل میں اس اصل سے زیادتی نہیں کی گئی جو شیخ کا مقصود یا ان کا اپنا کلام ہے سوائے بعض جگہوں کے۔ اور توفیق ملی تو اس مفہوم کو دوسرے رسالوں میں بھی وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ اور مضمون شامل کرکے تفصیلاً بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔[1]

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اجتنب صحبۃ ثلاثۃ اصناف من الناس العلماء الغافلین و الفقراء المداھنین و المتصوفۃ الجاھلین۔

ترجمہ: تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے علماء سے جو عمل سے غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔[2]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

وما کان المتقدمون فی التصوف الارؤوسافی القرآن والفقہ والحدیث واالتفسیر۔

متقدمین صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے۔[3]

---

1 (مرج البحرین، ص، ۸۵، تا، ۸۸، محمداعلی، ناظم آباد، کراچی) (مرج الجرین، ص: ۱۱۰، ۱۱۴)

2 (تلبیس إبلیس ص ۳۹۶ دار ابن حزم)

3 (تلبیس إبلیس ص ۳۴۹ دار ابن حزم)

علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی، علامہ محمد بن یحیٰ التاذفی الحلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

اخبرنا الشیخ الاصیل محیی الدین ابو محمد یوسف ابن الامام ابی الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی۔ قال: قال لی الحافظ ابو العباس احمد بن احمد البغدادی البندلجی: حضرت انا و والدک علیہ الرحمۃ یوما مجلس الشیخ محیی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ، فقرء القاری آیۃ فذکر الشیخ فی تفسیرھا وجھا فقلت لوالدک: اتعلم ھذا الوجہ؟ قال: نعم، ثم ذکر وجھا آخر، فقلت لہ، اتعلم ھذا الوجہ؟ قال: نعم، فذکر الشیخ فیھا احد عشر وجھا، انا اقول لوالدک: اتعلم ھذا الوجہ؟ وھو یقول نعم، ثم ذکر الشیخ وجھا آخر، فقلت لوالدک: اتعلم ھذا الوجہ؟ قال: لا، حتی ذکر فیھا کمال اربعین وجھا یعزو کل وجہ الی قائلہ، و والدک یقول: لا اعرف ھذا الوجہ، و اشتد تعجبہ من سعۃ علم الشیخ، ثم قال: نترک القال، و نرجع الی الحال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، فاضطرب الناس، اضطرابا شدیدا، و مزق والدک ثیابہ۔

حافظ ابو العباس احمد بن احمد البندلجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت کا ذکر ہے کہ میں اور ابن الجوزی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترجمہ پڑھا رہے تھے۔ قاری نے ایک آیت پڑھی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے وجوہات بیان فرمانے شروع کیے۔ میں نے پہلی وجہ پر ابن جوزی سے پوچھا: کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ وجہ معلوم ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک وجہ بیان فرمائی، میں نے شیخ موصوف سے پوچھا: کہ یہ وجہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہے انہوں نے کہا: ہاں! یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کریمہ کے متعلق گیارہ وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ پر میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے پوچھتا گیا کہ آپ کو یہ وجہ معلوم ہے تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف ہر ایک وجہ کی نسبت کہتے گئے کہ ہاں یہ وجہ مجھے معلوم ہے اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور وجہ بیان کی جس کی نسبت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا: کہ یہ وجہ مجھ کو معلوم نہیں۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری چالیس وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ کو اس کے قائل کی طرف بھی منسوب کرتے گئے اور اخیر تک ہر وجہ پر شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف نے کہا: کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی وسعت علم پر نہایت متعجب ہوئے پھر شیخ نے فرمایا کہ ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ان کا یہ کہنا کہ مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ کے والد موصوف نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔[1]

---

[1] (بھجۃ الاسرار و معدن الانوار، ص، ۲۲۵، ۲۲۴، مؤسسۃ الشرف بلاھور، باکستان) ص، ۲۵۱ (غوثِ جیلانی۔ ص: ۱۶۵)

شیخ المشائخ ابو نصر عبد اللہ بن علی بن سراج طوسی، قدس سرہ، متوفی،۳۷۸ھ لکھتے ہیں:

قال بعض الحکماء، اذا ألف القلب الاعراض عن اللہ تعالی، اورثہ الوقیعۃ فی اولیاء اللہ تعالی۔

ایک دانا بزرگ نے فرمایا: جب دل اللہ تعالیٰ سے جدا ہونے اور منہ موڑنے کا خوگر ہو جاتا ہے۔ تو اس کے نتیجے میں وہ اولیاء اللہ پر اعتراض و تنقید کرنے کے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔[1]

شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر، مکی، ہیثمی، شافعی، متوفی، ۹۷۴ھ، لکھتے ہیں:

وَمَنْ حَارَبَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى لَا يُفْلِحُ أَبَدًا، بَلْ قَالَ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ: إنَّ ذٰلِكَ سَبَبٌ لِسُوءِ الْخَاتِمَةِ وَالْعِيَاذُ بِاَللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى. هٰذَا فِيمَنْ عَادَى وَلِيًّا فَكَيْفَ بِمَنْ عَادَى أَوْلِيَاءً كَثِيرِينَ۔

اور جس شخص سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جنگ کی وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گا، بلکہ بعض ائمہ کرام فرماتے ہیں: بے شک یہ برے خاتمے کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ۔ یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو ایک ولی سے عداوت رکھے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو بہت سارے اولیاء سے عداوت رکھتا ہے۔[2]

ومن حارب اللہ وأولیاءہ فلینتظر العاقبۃ عاجلاً أو آجلاً۔

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کرام سے جنگ کی تو اسے جلدی یا دیر سے انجام کا انتظار کرنا چاہیے۔[3]

تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن محمد ابن تیمیہ حنبلی، دمشقی، لکھتے ہیں:

فإن من حارب اللہ ورسولہ وعبادہ المؤمنین کان من أعداء اللہ لا من أولیاء اللہ۔

پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کے مومنین بندوں سے جنگ کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہے اولیاء اللہ میں سے نہیں ہے۔[4]

من حارب اللہ ورسولہ من رؤوس الکفر۔

جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی تو یہ کفر کے سروں میں ہے۔[5]

ویقولون: لعنۃ اللہ علی من ینکر علی أولیائہ۔۔ویقولون: من أنکر علی الأولیاء یسلب منہ الإیمان والقرآن والعلم، ویخشی علیہ سوء الخاتمۃ۔

---

1 (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب، تفسیر الشطحیات، ص، ۳۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

2 (الفتاوی الفقہیۃ الکبری، ج، ۴، ص، ۱۸۲، المکتبۃ الاسلامیہ، بیروت)

3 (ارشیف ملتقی اہل التفسیر، ۲۳۱۴۲)

4 (جامع المسائل لابن تیمیۃ، عزیز شمسی، ج، ۲، ص، ۹۶، دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع)

5 (ارشیف منتدی الفصیح، ۲۴۴۲۹۱، ۲، ملتقی اہل اللغۃ، ج، ۱۰، ص، ۱۸۴۸)

اور فرماتے ہیں کہ جس شخص اولیاء اللہ کا انکار کرنا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔۔۔اور فرماتے ہیں کہ جو شخص اولیاء اللہ کا انکار کرتا ہے اس ایمان، قرآن اور علم چھین لیا جاتا ہے، اور اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خوف ہے۔[1]

محمد بن عبد اللہ خرشی، مالکی، متوفی، ۱۱۰۱،ھ لکھتے ہیں:

وَمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ تَعَالَی فَقَدْ کَفَرَ۔

اور جس نے شخص اللہ تعالیٰ سے جنگ کی تو اس نے کفر کیا۔[2]

محمد بن محمد ابن شرف الدین خلیلی شافعی قادری، متوفی، ۱۱۴۷،ھ لکھتے ہیں:

وقال الشیخ أبو نصر السراج رحمه الله تعالى: إن هؤلاء الذين يطعنون على هذه العصابة لا يكون فيهم أحد يرجع إلى دين، وكلهم منسلخون من الدين أعاذنا الله تعالى.۔

اور شیخ ابو نصر السراج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بے شک وہ لوگ جو اس جماعت (اولیاء اللہ) پر طعنہ زنی کرتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی دین کی طرف واپس نہیں آیا، اور وہ تمام کے تمام دین سے نکل گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔[3]

دوہیبہ بن مصطفیٰ زحیلی، لکھتے ہیں:

ومن حارب الله ورسوله استحقّ القتال، لتجاوز شرع الله وأحكامه.۔

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی تو وہ لڑائی کا مستحق ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام سے تجاوز کرنے کی وجہ سے۔[4]

محمد بن احمد بن مصطفیٰ بن احمد المعروف ابی زہرہ، متوفی، ۱۳۹۴،ھ لکھتے ہیں:

ومن حارب الله فإن الله غالبه، وهو مهزوم لَا محالة، وإن الله سيعاقبه على عظيم ما ارتكب.

اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر غالت آئے گا، اور وہ لازمی طور پر شکست کھائے گا ، اور بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کے بہت بڑے کرتوت پر سزا دے۔[5]

ابو العباس احمد بن محمد المہدی بن عجیبہ حسنی انجری فاسی، صوفی، متوفی، ۱۲۲۴،ھ لکھتے ہیں:

الإشارة: ما قيل في منكري خصوصية النبوة، يُقال في منكري خصوصية الولاية إذا اشتغل بأذاهم، يعني: أنَّ مَن أنكر على الأولياء المتقدمين قد أصابهم ما أصابهم، إما ذُل في الظاهر، أو طرد في الباطن، وأنتم أيها المنكرون على

---

[1] (جهود علماء الحنفية، ج، ۲، ص، ۱۰۲۰)

[2] (شرح مختصر خليل للخرشى، ج، ۸، ص، ۶۵، دار الفكر، بيروت)

[3] (فتاوى الخليلى على المذهب الشافعى، ج، ۲، ص، ۲۶۷، مصريه قديميه)

[4] (التفسير المنير الزحيلى فى العقيدة والشريعة والمنهج، ج، ۳، ص، ۸۹، دار الفكر المعاصر، دمشق)

[5] (زهرة التفاسير، ج، ۲، ص، ۱۰۵۸، دار الفكر العربى)

أهل زمانكم مثلُهم. أمنتقد كم خير مِن أولئكم أم لكم براءة مِن العذاب في كتب الله تعالى؟ أم يقولون: نحن جميع، أي: مجتمعون على الدين، لا يُصيبنا ما أصاب الكفار، فيُقال لهم: سيُهزم جمعكم، ويتفرّق شملكم، وتُفضوا إلى ما أسلفتم، نادمين على ما فعلتم، ولن ينفع الندم حين تزل القدم، فتبقون في حسرة البُعد على الدوام، فالكفار حُرموا من جنة الزخارف، وأنتم تُحرمون من جنة المعارف، مع غم الحجاب وذُل البُعد عن الحضرة القدسية۔

اس میں اشارہ ہے کہ جو نبوت کی خصوصیت کے منکرین کے بارے میں کہا گیا، ولایت کی خصوصیت کے منکرین کے بارے میں کہا گیا ہے، جب ان کو تکلیف دینے میں مشغول ہوتے ہیں، یعنی بے شک جس شخص نے متقدمین اولیاء اللہ کا انکار کیا تو ان کو وہ مصیبت پہنچی جو ان کو مصیبت پہنچی، یا ظاہری طور پر ذلیل کیے گئے یا باطنی طور پر مردو کیے گئے، اور اے اپنے اہلِ زمانہ کے منکرو! تم اُن کی مثل ہو؟ کیا عیب نکالنے والو تم ان سے بہتر ہو یا تمہارے لیے عذاب سے نجات پانا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے؟ یا وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین پر اجتماع ہے، جو مصیبت کفار کو پہنچی وہ ہمیں نہیں پہنچے گی، تو ان سے کہا جائے گا عنقریب وہ تمہاری جماعت کو شکست دے گا، اور تمہاری جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، اور تم متفرق ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے والے لوگ ہوئے، اپنے کیے پر ندامت کرو گے، اور جس وقت تمہارے قدم پھسل گئے تو ندامت ہر گز نفع نہ دے گی، تو تم ہمیشہ طور پر دوری حسرت میں باقی رہوں گے، پس کفار پر رونق باغ سے محروم کیے گئے، اور تم معارف کے باغ سے محروم کیے جاؤ گے، حجاب کا غم تمہارے ساتھ ہو گا اور حضرت قدسیہ سے دوری کی ذلت میں رہو گے۔[1]

فالإنكار على الأولياء شؤمه سوء الخاتمة۔

پس اولیاء اللہ کے انکار کی نحوست برا خاتمہ ہے۔[2]

ومن اشتغل بإذاية الأولياء، ولم يتب، مات على سوء الخاتمة، وذلك جزاء من حارب الله- والعياذ بالله۔

اور جو شخص اولیاء اللہ کو تکلیف دینے میں مشغول ہوا، اور توبہ نہ کی، اس کی برے خاتمہ پر موت آئے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کا بدلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ۔[3]

علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی، حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

(إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنا لا يَخْفَوْنَ عَلَيْنا)، (سورة فصلت، ۴۰) فيه إشارة إلى سوء المنكرين على الأولياء فإنهم من آيات الله تعالى والإنكار من الإلحاد نسأل الله تعالى العفو والعافية۔

(إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنا لا يَخْفَوْنَ عَلَيْنا)

---

[1] (البحر المديد فی تفسیر القرآن المجید، ج، ۵، ص، ۵۳۴، الدکتور حسن عباس زکی، القاهره)

[2] (البحر المديد فی تفسیر القرآن المجید، ج، ۱، ص، ۵۰۶)

[3] (البحر المديد فی رفسیر القرآن المجید، ج، ۲، ص، ۴۱۱، الدکتور حسن عباس زکی، القاهره)

بیشک وہ جو ہماری آیتوں میں ٹیڑھے چلتے ہیں۔

اس میں اولیاء اللہ کے منکرین کی برائی کی طرف اشارہ ہے، پس بے شک اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں اور ان (اولیاء اللہ) کا انکار کرنا الحاد (بے دینی) ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ [1]

محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم حلاق قاسمی، متوفی، ۱۳۳۲ھ، اور محمد علی صابونی، لکھتے ہیں:

ومن حاربه الله ورسوله لا يفلح أبدا. وفيه إيماء إلى سوء الخاتمة.

اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جنگ کی وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گا اور اس میں برے خاتمہ کی طرف اشارہ ہے۔ [2]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی، بروسی، حنفی، قدس سرہ، متوفی، ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

واشارة الى ان اهل الأهواء ينكرون على الأولياء ويستدعون منهم اظهار الكرامات وعرض الفتوحات ولكن إذا فتح الله على قلوب أوليائه لا ينفع الايمان بفتوحهم زمرة أعدائه إذ لم يقتدوا بهم ولم يهتدوا بهدايتهم فما لهم الا الحسرات والزفرات فانتظار المقر المقبل لفتوحات الألطاف وانتظار المنكر المدبر لهواجم المقت وخفايا المكر والقهر نعوذ بالله تعالى۔

اور اس میں ان اہلِ ہوا کی طرف اشارہ ہے جو اولیاء کرام پر انکار کرتے ہیں اور اولیاء کرام سے کرامات کے اظہار کی درخواست کرتے ہیں اور فتوحات، کامیابیوں کے ظاہر ہونے کی درخواست کرتے ہیں اور لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے تو ان کے دشمنوں کے گروہ کو ان فتوحات پر ایمان لانا نفع نہ دے گا جبکہ انہوں نہ تو اولیاء کرام کی اقتدا کی اور نہ ہی ان کی سیرت سے ہدایت حاصل کی، پھر ان لوگوں کو حسرتوں اور پریشانیوں، مصیبتوں کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور جو اولیاء کرام کو ماننے والے ہیں، اور ان کے کمالات کا اقرار کرنے والے ہیں انہیں عنایات، مہربانیوں کی فتوحات، کامیابیوں کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور جو منکر، بدبخت، بدنصیب ہیں انہیں اچانک غضبِ الٰہی اور خفیہ تدبیر اور قہر کا انتظار کرنا چاہیے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ [3]

---

[1] (تفسیر روح المعانی، سورۃ فصلت، تحت الآیۃ: ۵۴، ج، ۲۵، ص، ۱۵، دار التراث العربی، بیروت)

[2] (تفسیر القاسمی، محاسن التاویل، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۷۹، ج، ۲، ص، ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، روائع البیان تفسیر آیات الاحکام، ج، ۱، ص، ۳۸۸، مکتبۃ الغزالی، دمشق، مؤسسۃ مناہل العرفان، بیروت)

[3] (تفسیر روح البیان، سورۃ السجدۃ، تحت الآیۃ، ۳۰، ج، ۷، ص، ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پ، ۲۱، ص، ۴۱۶)

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی، بروسی، حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

فينبغي للمرء ان يعتزل عن الباطل أيا كان لا عن الحق وربما رأينا بعض اهل الإنكار في الغالب يعتزل عن صحبة الرجال ثم لا يكتفي باعتزاله حتى يؤذيهم باللسان فيكون باهانة الأولياء عدو الله تعالى ومحروما من فوائد الصحبة وعوائد المجلس فلزم على أهل الحق أن يتعوذوا بالله من شرور الظلمة والجبابرة وأهل الإنكار والمكابرة كما تعوذ الأنبياء عليهم السلام۔

پس انسان پر لازم ہے کہ وہ باطل سے دور رہے اور نہ کہ حق سے دور رہے، (بلکہ حق کا دامن مضبوط تھامے) اور ہم نے بہت دیکھا ہے کہ منکرین اکثر اوقات اولیاء اللہ کی صحبت سے دور رہتے ہیں پھر ان سے صرف دور ہی نہیں رہتے بلکہ ان کو زبان تکلیف دیتے ہیں تو اولیاء اللہ کی توہین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمن ہو جاتے ہیں، اور ان کی مجلس میں آنے اور ان کی صحبت کے فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں، پس اہلِ حق پر لازم ہے کہ وہ ظالموں اور جابروں، سرکشوں کے شروں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور منکرین اور متکبرین سے پناہ مانگیں، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے پناہ مانگی۔[1]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی، بروسی، حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

قال الشيوخ قدس الله أسرارهم اقل عقوبة المنكر على الصالحين ان يحرم بركتهم وقالوا ويخشى عليه سوء الخاتمة نعوذ بالله من سوء القضاء قال الأستاذ ابو القاسم الجنيد قدس سره التصديق بعلمنا هذا ولاية يعني الولاية الصغرى دون الكبرى۔

مشائخ عظام قدس اللہ اسرارھم فرماتے ہیں: اولیاء کرام کے منکر کی کم از کم سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات سے محروم رہتا ہے اور مشائخ عظام قدس اللہ اسرارھم فرماتے ہیں: (بلکہ) منکر ولی کے خاتمہ خراب ہونے کا خطرہ ہے۔ ہم سوء قضاء سے پناہ مانگتے ہیں۔ حضرت استاذ ابو القاسم سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے اس علم (اولیاء کے علوم) کی تصدیق کرنا ولایت صغریٰ ہے ولایت کبریٰ کے علاوہ۔[2]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی، بروسی، حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

فالايمان بالله وبالأنبياء والأولياء أصل الأصول كما ان الإنكار والاستكبار سبب الحرمان والخذلان فان أقل عقوبة المنكر على الصالحين ان يحرم بركتهم قال ابو تراب النخشبي قدس سره إذا ألف القلب الاعراض عن الله صحبته الوقيعة:

چون خدا خواهد که پرده کس درد — میلش اندر طعنه پاکان برد

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ الدخان، تحت الآیۃ ۲۲، ج ۸، ص ۴۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پ ۲۵، ص ۳۱۰)

[2] (تفسیر روح البیان، سورۃ الاحقاف، تحت الآیۃ ۷، ج ۸، ص ۵۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پ ۲۶، ص ۱۹)

وقال الشیخ العارف شاہ شجاع الکرمانی قدس سرہ ما تعبد متعبد بأکبر من التحبب الی أولیاء اللہ تعالی لان محبۃ اولیاء اللہ دلیل علی محبۃ اللہ و اللہ یھدی من یشاء الی مقام المحبۃ و الرضی و لا یھدی الظالمین المعاندین لانھم من اھل سوء القضاء۔

پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور انبیاء عظام پر ایمان لانا اور اولیاء اکرام ایمان لانا اصل الاصول ہے، جیسا کہ بے شک انکار کرنا اور تکبر کرنا، محرومی اور رسوائی کا سبب ہے پس بے شک صالحین (اولیاء کرام) کے منکر کی کم از کم سزا یہ ہے کہ وہ ان کے برکات سے محروم رہتا ہے، حضرت ابو تراب نخشی قدس اللہ سرہ نے فرمایا: جب دل اللہ تعالیٰ سے اعراض، روگردانی کرنے سے مانوس ہو جاتا ہے۔ تو وہ اولیاء اللہ کی برائی کرنے کے فتنہ میں پڑھ جاتا ہے۔

چون خدا خواھد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکان برد

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان اولیاء اللہ پر طعنہ زنی کر دیتا ہے۔

حضرت شیخ عارف شاہ شجاع کرمانی قدس اللہ سرہ نے فرمایا: اولیاء اللہ کی محبت سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے، کیونکہ اولیاء اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت پر دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مقام محبت اور رضا کی اسے ہدایت بخشا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور ظالمین اور معاندین کو ہدایت نہیں دیتا کیونکہ وہ بری تقدیر والے ہیں (یعنی ان کے ازل سے تالے بند ہیں)۔[1]

حضرت علامہ، بیہقی وقت، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی، قدس سرہ، متوفی، ۱۸۱۰ھ، لکھتے ہیں:

وَاعۡتَرَضَ بِذٰلِکَ الدَّعۡوٰی عَلَیہ السَّلَامُ بَعۡضُ النَّاسِ اِمَّا جَھلًا اَوۡ عِنَادًا فَوَیلُ لِّمَنۡ عَانَدَ اَوۡلِیاءِ اللّٰہ تَعَالٰی لَمۡ یذۡھَبۡ عَلٰی حُسۡنِ الظَّنِّ فِی شَأۡنِھِمۡ۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔

بعض آدمیوں نے مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ (میں محمد رسول اللہ ﷺ کی مٹی سے ہوں) پر یا بوجہ جہالت کے یا بوجہ ضد وعناد کے اعتراض کیا۔ پس خرابی ہے اس شخص کے لئے جو اولیاء اللہ سے دشمنی اختیار کرتا ہے اور ان سے حسنِ ظن نہیں رکھتا۔[2]

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، لکھتے ہیں:

عَنۡ عَائشَۃَ مَرۡفُوۡعًا فَقَالَ لَا تَذۡھَبُ الۡاُمَّۃُ حَتّٰی یَلۡعَنَ آخِرُھَا اَوَّلَھَا۔۔۔۔ وَاَدۡخَلَ بَعۡضُھُمۡ فِی ھٰذَا مَنۡ سَبَّ بَعۡضَ الۡاَوۡلِیَاءِ وَعُلَمَاءَ السَّلَفِ، وَذَکَرَھُمۡ بِالسُّوۡءِ، وَافۡتَرٰی عَلَیۡھِمۡ مَالَمۡ یَقُوۡلُوۡہُ کَمَا شَاھَدۡنَاہُ۔۔۔ وَیَخۡشٰی عَلَی الۡمُتَصَدِّی لِذَالِکَ مِنۡ سُوۡءِ الۡخَاتِمَۃِ نَفَعَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِبَرَکَاتِھِمۡ وَحَشَرَنَا فِیۡ زُمۡرَتِھِمۡ۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ الاحقاف، تحت الآیۃ ۱۱، ج ۸، ص ۵۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پ ۲۶، ص ۲۹)

[2] (التفسیر المظھری، سورۃ طہ، تحت الآیۃ: ۵۵، ج ۴، ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت دنیا سے نہ جائے گی یہاں تک کہ ان میں سے بعد میں آنے والے اپنے پیش روؤں پر لعنت کریں گے۔۔۔اور علماء نے اس میں اس شخص کو بھی داخل کیا ہے جو اولیاء اللہ کو برا بھلا کہے گا اور علماء سلف صالحین کو برائی سے یاد کرے گا اور ان پر افترا اور جھوٹ گھڑے گا۔ انہوں نے کہا تھا، جیسا ہم نے دیکھا ہے۔۔۔۔ایسے لوگوں کے لئے سوئے خاتمہ کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اولیاء اللہ کے وجود سے اور ان کی برکات سے ہمیں نفع عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان کی جماعت میں اٹھائے۔[1]

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، متوفی، ۹۷۳ھ، لکھتے ہیں:

أَنَّ الْوَلِي لَا يَعْرِفُ صِفَاتَهٗ إِلَّا الْأَوْلِيَاءُ فَمِنْ أَيْنَ لِغَيرِ الْوَلِي نَفْى الْوِلَايةعَنْ إِنْسَانٍ؟مَا ذَاكَ إِلَّا مَحْضُ تَعَصُّبٍ, كَمَا نَرىٰ فِي زَمَانِنَا هٰذَا مِنْ إِنْكَارِ ابْنِ تَيمِية عَلَينَا وَعَلٰى إِخْوَانِنَا مِنَ الْعَارِفِينَ فَاحْذَرْ يا أَخِي مِمَّنْ كَانَ هٰذَا وَصَفُه وَفِرَّ مِنْ مُجَالَسَتِهٖفِرَارَكَ مِنَ السَّبُعِ الضَّارِى۔

محقق بات ہے کہ ولی اللہ کی صفات کو اور ذات کو ولی اللہ ہی پہچان سکتا ہے اور جب غیر ولی اللہ، ولی اللہ کی نفی کرتا ہے یا طعن کرتا ہے، یہ نفی یا طعن تعصب محض کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا تو دیکھتا ہے، اس ہمارے زمانہ میں ابن تیمیہ کا انکار کرنا ہم پر اور دوسرے ہمارے بھائی عارفین پر۔ پس اے بھائی! ڈر اس شخص سے اور اس کی مجلس سے اور وعظ سے دور بھاگ جس کی یہ حالت ہو کہ اولیاء اللہ پر طعن کرتا ہو اور اس طرح بھاگ جس طرح انسان درندہ پھاڑنے والے سے بھاگتا ہے۔[2]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

جماعت بی دولتان کہ طعن در اہل اللہ می نمایند جو ونکوہش آن جماعت مجوز است بلکہ مستحسن۔

بے نصیبوں کی ایک جماعت جو اہل اللہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کی ہجو اور مذمت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔[3]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

((شیخ الاسلام ہروی)) می فرماید: الہی چیست اینکہ دوستان خود را کردی کہ ہر کہ ایشان را شناخت، تورا یافت وتا تورا نیافت، ایشان را نشناخت، بعض این طائفہ، سم قاتل است وطعن ایشان موجب حرمان

---

[1] (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض،القسم الاول فی تعظیم العلی الاعظم القدر النبی ﷺ،فصل ومن ذلک ماطلع علیہ من الغیوب،ج،۴،ص،۱۸۵،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

[2] (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار المعروف بالطبقات الکبریٰ،ص،۱۳،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

[3] (مکتوبات امام ربانی،دفتر،اول،مکتوب،۱۳۹،ج،۱،ص،۳۰۸،مرکز پخش:زاھدان،خیابان خیام،صدیقی،تہران)

ابدی است، نجانا اللہ سبحانہ و ایا کم عن ھذا الابتلاء ((شیخ الاسلام)) فرمود: الٰہی! ہر کہ را خواہی بر اندازی، او را ما با در اندازی۔

بی عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد، سیاہ ہستش ورق

این رجوع و انابت کہ حق۔ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالیٰ۔ بہ تجرید شما را کرامت فرمودہ است، نعمت عظمیٰ تصور فرمایند۔ واز حضرت حق سبحانہ، استقامت بر آن طلبند۔

و السلام علی من اتبع الھدیٰ و التزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات۔

شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں۔ الٰہی تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا ہے۔ کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا تجھے پالیا، اور جب تک تجھے شناخت نہ کر سکا انہیں بھی نہ پا سکا۔ اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد زہر قاتل ہے، اور ان پر اعتراض اور نکتہ چینی ابدی محرومی کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس ابتلاو آزمائش سے نجات دے۔ شیخ الاسلام مذکور نے فرمایا ہے۔ الٰہی تو جسے مردود بارگاہ کرنا چاہتا ہے اسے ہم سے الجھا دیتا ہے۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

حق تعالیٰ اور خاصان حق تعالیٰ کی عنایات اور مہربانیوں کے بغیر کوئی فرشتہ صفت بھی ہو تو اس کا نامہ اعمال سیاہ ہی رہے گا۔

یہ رجوع اور انابت جو حق سبحانہ و تعالیٰ نے از سر نو تمہیں عطا فرمائی ہے اسے نعمتِ عظمیٰ تصور کریں اور حق سبحانہ سے اس پر استقامت طلب کریں۔ ہر متبع ہدایت اور مصطفی علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔[1]

حضرتِ عالی امام ربانی مجددالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

بہ ((ملا قاسم علی بدخشی)) در بیان خسارت جماعہ ای کہ بر اہل اللہ اعتراض کنند۔

کتابتی کہ محبّت آثاری، ((مولانا قاسم علی)) فرستادہ بودند رسید، مضمون بہ وضوح پیوست۔ قال اللہ تعالیٰ (من عمل صالحا فلنفسہ و من اساء فعلیھا) (فصلت/۴۴)

((خواجہ عبد اللہ انصاری)) رحمۃ اللہ علیہ می فرمایند: الٰہی! ہر کہ را خواہی بر اندازی، با ما در اندازی۔

ترسم آن قوم کہ بر دُرد کشان می خندند

بر سر کار خرابات کنند ایمان را

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اوّل، مکتوب ۱۰۶، ج، ۱، ص، ۲۷۲، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)

حق سُبحانَہٗ وَتعَالیٰ کافۂ اہل اسلام را از انکار فقرا و طعن در ایشان نگاہ دارد بحرمۃ سید البشر علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات۔ وَالسَّلام۔

ملا قاسم علی چشتی کی طرف صادر فرمایا۔ اس جماعت کی نامرادی اور خسارے کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتی ہے۔ محبت کے نشانات والے مولانا قاسم علی جو خط ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ اس کے مضمون سے بھی واقفیت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا، جو شخص نیک کام کرے گا اپنے ہی نفع کے لیے کرے گا اور جو برائی کرے تو اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر آکر رہے گا۔(فصلت:۴۶)خواجہ عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں الٰہی وجسے برباد کرنا چاہتا ہے اسے ہمارے طعن و تشنیع میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ترسم آن قوم کہ بردُردکشان می خندند

برسرکار خرابات کنند ایمان را

مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ جو مے نوشوں پر ہنستے ہیں، شراب خانہ میں کہیں اپنا ایمان ہی نہ ضائع کر بیٹھیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ تمام اہل اسلام کو فقراء (اولیاء اللہ) کے انکار اور ان پر اعتراض سے بچائے بحرمۃ سیدا لبشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔ والسلام۔[1]

مولوی نصر اللہ خان ولد حاجی محمد شاہ خان ابن محمد حیدر خان ھوتکی، لکھتے ہیں:

یعنی فقراء نائبان آن حضرتند پس دشمن ایشان منجر بہ دشمنی آن حضرت علیہ السلام می گرددا ین عمل بر علاوہ ضرر دینی واخروی، سبب ذلت دنیوی نیز می گردد۔

یعنی فقراء، اولیاء اکرام حضور نبی کریم ﷺ کے نائب ہوتے ہیں پس ان کی دشمنی آنحضرت ﷺ کی دشمنی کی طرف کھینچتی ہے۔ یہ عمل دینی اور اخروی نقصان کے علاوہ، ذلتِ دنیوی کا سبب بھی بنتا ہے۔[2]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

وہیچ اعتراض را در حرکات وسکنات او مجال ندھد، اگرچہ آن اعتراض، مقدار حبۂ خردلہ باشد، زیراکہ اعتراض را غیر از حرمان نتیجہ نیست وبی سعادت ترین جمیع خلایق عیب بین این طایفۂ علیہ است۔ نجانا اللہ سبحانہ عن ھذا البلاء العظیم۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۱۸، ج۱، ص۲۸۷، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)

[2] (شرح مکتوبات قدسی آیات، دفتر اول، مکتوب ۱۱۸، ج۱، ص۲۲۱، خانقاہ مجددی، کابل، افغانستان)

اوران کی حرکات وسکنات میں اعتراض کو قطعاً گنجائش نہ دے چاہے رائی کے برابر اعتراض ہو۔ کیوں کہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیاء اللہ میں عیب نکالے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلائے عظیم سے نجات دے۔[1]

حضرتِ عالی امام ربانی مجددالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

اما شخصی کہ منکر آن بزرگ است، یا آن بزرگ از او دربار است، ہر چند بہ ذکر الہی۔ تعالیٰ وتقدس۔ مشغول است، اما از حقیقت رشد وہدایت محروم است۔ ہمان انکار وآزار سد راہ فیض او می گردد بی آنکہ آن عزیز متوجہ عدم افادہ او شود وقصد ضرر او نماید، حقیقت ہدایت از وی مفقود است۔ (البتہ) صورتِ رشد است، صورت بی معنی، قلیل النفع است۔

لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے آزردہ ہے۔ اگرچہ وہ ذکر الہٰی میں مشغول ہے۔ لیکن وہ رشد وہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہی انکار وآزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ بغیر اس امر کے وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر پہنچانے کا قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس کے حق میں مفقود ہے۔ وہ صرف رشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی سے بہت کم نفع پہنچتا ہے۔[2]

حضرتِ عالی امام ربانی مجددالفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی ۱۰۳۴ھ، لکھتے ہیں:

اس وقت اس عارف کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت تک لے جاتی ہے اور اس کا بغض خدا تعالیٰ کے بغض تک پہنچا دیتا ہے اور اسی طرح اس کی تعظیم وتوقیر اللہ تعالیٰ تعظیم وتوقیر ہے اور توہین اور بے ادبی خدا تعالیٰ کی توہین اور بے ادبی تک پہنچا دیتی ہے۔[3]

حبِ درویشاں کلیدِ جنت است　　　دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

اللہ والوں کی محبت جنت کی کنجی ہے اور اہل اللہ کا دشمن لعنت کا مستحق ہے۔

وَ اَدْخَلَ بَعْضُهُمْ فِي هٰذَا مَنْ سَبِّ بَعْضَ الْاَوْلِيَاءِ وَ عُلَمَاءَ السَّلَفِ وَ ذَكَرَهُمْ بِالسُّوْءِ وَ افْتَرٰى عَلَيْهِمْ مَالَمْ يَقُوْلُوْهُ كَمَا شَاهَدْنَاهُ مِنْ مبَعْضِ السُّفَهَاءِ يَسُبُّوْنَ الْعَارِفَ بِاللهِ سَيِّدِيْ مُحْيِ الدِّيْنَ بْنَ عَرَبِيٍّ وَ سَيِّدِيْ عُمَرَ بْنَ الْفَارِضِ وَ نَحْوِهِمَا مِنْ اَوْلِيَاءِ اللهِ تَعَالٰى حَتّٰى صَنَّفَ بَعْضُهُمْ تَصَانِيْفَ فِي الرَّدِّ عَلَيْهِمْ وَ مَقَامُهُمْ اَعْلٰى مِنْ ذَالِكَ وَ الْاِشْتِغَالُ بِمِثْلِ هٰذَا تَضِيْعُ

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اول، مکتوب، ۲۹۲، ج، ۱، ص، ۱۰۷، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)
[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اول، مکتوب، ۲۶۰، ج، ۱، ص، ۵۴۳، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)
[3] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، سوم، مکتوب، ۱۱۰، ج، ۲، ص، ۶۴۸، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)

لِلزَّمَانِ وَتَسْوِيْدُ لِوُجُوْهِ الْأَوْرَاقِ وَيَخْشٰى عَلَى الْمُتَصَدِّی لِذَالِکَ مِنْ سُوْءِ الْخَاتِمَةِ نَفَعَنَا اللهُ تَعَالٰی بِبَرْكَاتِهِمْ وَحَشَرَنَا فِیْ زُمْرَتِهِمْ۔

مرفوع حدیث: اماں عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، میری امت دنیا سے نہ جائے گی یہاں تک کہ ان میں سے بعد میں آنے والے اپنے پیش روؤں پر لعنت کریں گے۔

اور علماء نے اس میں داخل کیا ہے اس شخص کو بھی جو اولیاء اللہ کو برا بھلا کہے گا اور علماء سلف صالحین کو برائی سے یاد کرے گا اور ان پر افترا اور جھوٹ گھڑے گا۔ انہوں نے کہا تھا، جیسا ہم نے دیکھا ہے کہ بعض بے دین، بے وقوف (مولوی) ولی اللہ محی الدین ابن عربیؒ اور عارف کامل سید عمر بن فارضؒ اور ان کے امثال کو گالیاں دیتے ہیں یعنی بعض دوسرے اولیاء اللہ کو بھی۔ حتیٰ کہ بعض بے دین علماء نے ان کے رد میں کتابیں بھی لکھ دی ہیں حالانکہ ان اولیاء اللہ کی شان بہت بلند ہے ان کی گستاخیوں سے۔ ان بے وقوف علماء کے رد میں مشغول ہونا تضیع اوقات کرنا ہے اور کاغذ سیاہ کرنے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے سوئے خاتمہ کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اولیاء اللہ کے وجود سے اور ان کی برکات سے ہمیں نفع عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان کی جماعت میں اٹھائے۔

نوٹ: جس طرح صحابہ کرام پر سب و شتم کرنے والے اس حدیث سے ثابت ہے کہ ملعون ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کرنے والے بھی ملعون ہوئے۔

وجوہِ مخالفت اولیاء کرام

اولیاء اللہ کے خلاف فتویٰ دینا یا ان کی مخالفت کرنا یا ان کو برا کہنا یا ان پر اعتراض کرنا یا ان کی ہستی یا ان کے کمال کا یا ان کے وجود کی برکات کا یا ان کے باذنِ اللہ تصرفاتِ امورِ تکوینیہ کا انکار کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے:

بوجہ جہالت

یا تو بوجہ جہالت کے کرتے ہیں کہ علومِ صوفیا سے بے علم ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خلافِ شرع ہے خواہ وہ حقیقت میں عین ثواب و مطابق شریعت ہی ہو۔

حضرت خضر نے جو کچھ کیا تھا، عین ثواب تھا اور حق تھا، بامر اللہ تھا مگر حضرت موسیٰ کو وہ علم نہیں دیا گیا تھا تو حضرت خضر پر انکار کرنا جائز فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جب اکابر انبیاء میں سے بعض کو یہ علم نہ دیا گیا تھا تو دوسرے عوام کا کیا حال ہو گا؟

دیوبندیوں کے مولوی عبد الحی لکھنوی نے "الرفع و تکمیل" کے صفحہ ۳۱۰ پر اس تعصب کی کیا خوب وضاحت فرمائی ہے:

وَمِنْ ذٰلِکَ جَرْحُ الذَّهبِی فِی "مِیزَانِهٖ" وَسِیرِ النُّبَلَاءِ وَغَیرِهمَا مِنْ تَالِیفَاتِهٖ فِی کَثِیرٍ مِنَ الصُّوْفِیةِ وَاَوْلِیاءِ الْاُمَّةِ فَلَا تَعْتَبِرْ بِهٖ مَالَمْ تَجِدْ غَیْرَهٗ مِنْ مُّتَوَسِّطِی الْاَجِلَّةِ وَمُنْصِفِی الْاَئِمَّةِ مُوَافِقًا لَهٗ، وَذٰلِکَ لِمَا عُلِمَ مِنْ عَادَةِ الذَّهبِی بِسَبَبِ تَقَشُّفِه وَغَایة وَرْعِهٖ وَاِحْتِیاطِهٖ وَتَجَرُّدِهٖ عَنْ اَشِعَّةِ اَنْوَارِ التَّصَوُّفِ وَالْعِلْمِ الْوَهبِی الطَّعْنُ عَلٰی اَکَابِرِ الصُّوْفِیةِ الصَّافِیةِ وَضِیْقُ الْعَطَنِ فِیْ مَدْحِ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ النَّاجِیَةِ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ طَالَعَ کُتُبَهٗ۔

امام ذہبی نے میزان وسیر النبلاء میں اور اُن کے علاوہ دوسری تصنیفات میں اکثر صوفیاء اور اولیاء اللہ پر جرح کی ہے۔

پھر فرمایا، یہ جرح اس وجہ سے کی کہ امام ذہبی کا دل خالی ہے انوارِ تصوف اور علم وہبی لدنی سے۔ اس لئے ایسا کرنا امام ذہبی کی عادت ہوگئی ہے، طعن کرتا ہے اکابر صوفیاء پر یعنی اولیاء اللہ پر طعن کرنا اس کی عادت ہو چکی ہے۔

پھر اسی کتاب میں صفحہ ۳۱۸ پر فرماتے ہیں:

مَعَ اَنَّ الْحَافِظَ الذَّهبِی کَانَ مِنْ اَشَدِّ الْمُنْکِرِینَ عَلَی الشَّیخِ أَی مُحْیِی الدِّینَ بْنَ الْعَرَبِی وَعَلٰی طَائِفَةِ الصُّوفِیةِ هوَ وَابْنُ تَیمِیة۔

بے شک الحافظ الذہبی شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور جماعت صوفیاء کا انکار کرنے والوں میں متشدد تھا اور یہی حال ابن تیمیہ کا بھی ہے۔

پھر صفحہ نمبر ۱۳۱ پر فرماتے ہیں:

وَقَوْلُ التَّاجِ السُّبْکِی فِی طَبَقَاتِ الشَّافِعِیَّةِ هٰذَا شَیْخُنَا الذَّهبِی لَهٗ عِلْمٌ وَدِیَانَةٌ وَعِنْدَهٗ عَلٰی اَهْلِ السُّنَّةِ تَحَامُلٌ مُفْرِطٌ فَلَا یَجُوْزُ اَنْ یُّعْتَمَدَ عَلَیْهِ وَهُوَ شَیْخُنَا وَمُعَلِّمُنَا غَیْرَ اَنَّ الْحَقَّ اَحَقُّ بِالْاِتِّبَاعِ۔

وَقَدْ وَصَلَ مِنَ التَّعَصُّبِ الْمُفْرِطِ اِلٰی حَدٍّ یسْتَحْیِی مِنْه، وَأَنَا اَخْشٰی عَلَیه مِنْ غَالِبِ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِینَ وَاَئِمَّتِهِم الَّذِینَ حَمَلُوْا الشَّرِیعَةَ النَّبَوِیة، فَاِنْ غَالِبَهمْ أَشَاعِرَة وَهوَ اِذَا وَقَعَ بِأَشْعَرِی لَا یبْقی وَلَا یذر وَالَّذِی أَعْتَقِدُه أَنَّهمْ خُصَمَاؤُه یوْمَ الْقِیامَة۔

علامہ تاج سبکی کا قول طبقات شافعیہ میں موجود ہے۔ وہ علامہ ذہبی کے متعلق فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ علامہ ذہبی عالم دین اور دیانت دار شخص ہونے کے باوجود اہل سنت کے نزدیک حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں لہٰذا ان پر کامل بھروسہ نہیں کیا جاسکتا حالانکہ وہ ہمارے شیخ اور استاد ہیں لیکن حق بات ہی باعث اتباع ہے۔

تحقیق صوفیاء کے حق میں تعصب، عناد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ حیاء کیا جاتا ہے اس کے بیان سے اور میں خوف کرتا ہوں علماء مسلمین اور ائمہ دین سے، وہ ائمہ دین جنہوں نے شریعت محمدیہ ﷺ کا بوجھ اٹھایا۔ غالب ان میں سے اشاعرہ ہیں اور

امام ذہبی نے جب امام اشعریؒ کو نہیں چھوڑا تو پھر یہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا اور نہ ہی چھوڑے گا اور وہ چیز کہ جس کا میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ تحقیق یہ علمائے دین اور ائمہ دین میدانِ قیامت میں ذہبی کے دشمن ہوں گے۔

امام ذہبی کے اس تعصب میں عناد، ضد اور لاعلمی دونوں ظاہر ہیں۔ جو شخص اس نور سے منور القلب نہ ہو تو دوسرے صاحب بصیرت حضرات پر اعتراض کرتا ہے اور بوجہ عدم بصیرت کے اس کا حق یہ تھا کہ کہتا کہ بھائی میں اس علم سے اندھا ہوں اور نہ کہ بوجہ اندھاپن کے انکار کرتا، چہ جائیکہ بوجہ ناسمجھی کے اعتراض کرتا۔

بوجہ ضد، عناد و حسد

دوسری وجہ انکار کی محض عناد و ضد ہے اور صلحاءِ امت پر حسد ہے جس کا علاج ہی محال ہے۔ اس کا کیا علاج کیا جائے کہ جو یہ کہے کہ فلاں شخص کو خدا نے یہ علم دیا ہے اور ہمیں کیوں نہیں دیا، لہٰذا علم کا بھی انکار کر بیٹھے اور لوگوں کی زبان سے محفوظ رہنا محال ہے۔ حسد کی آگ ان کے دل میں ہمیشہ جلتی رہے گی۔

"فتح الملهم" جلد اول، صفحہ ۲۰۲ (تحت ترجمة الامام الاعظم ابو حنيفة علیہ الرحمۃ) پر ہے:

وَ قَدْ رُوِی أَنَّ مُوْسٰی عَلَیهِ السَّلَام: "قَالَ یَارَبِّ اِقْطَعْ عَنِّیْ أَلْسِنَ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ" فَأَوْحٰی اللہ تَعَالٰی إِلَیْهِ: یا مُوْسٰی لَمْ أَقْطَعْهَا عَنْ نَفْسِیْ فَکَیْفَ اَقْطَعُهَا عَنْکَ۔

حضرت موسیٰ نے دعا مانگی کہ بارِ خدایا مجھ سے بنی اسرائیل کی زبان بند کردے کہ میں ان کی زبان سے محفوظ رہوں۔ وحی آئی کہ جب میں نے ان کی زبانیں اپنی مخالفت میں بند نہیں کیں تو تیرے لئے کیسے بند کر دوں؟

اشعار:

وَلَسْتُ بِنَاجٍ مِّنْ مَّقَالَةِ طَاعِنٍ — وَلَوْ کُنْتُ فِیْ غَارٍ عَلٰی جَبَلٍ وَعر

میں طعن کرنے والوں کے طعن سے نہ بچ سکا — اگرچہ میں کسی سخت پہاڑ کی غار میں ہوں

وَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْجُوْ مِنَ النَّاسِ سَالِمًا — وَلَوْ غَابَ عَنْهُمْ بَیْنَ خَافِیتی نسر

اَلَا قُلْ لِمَنْ ظَلَّ لِیْ حَاسِدًا — اَتَدْرِیْ عَلٰی مَنْ اَسَأْتَ الْاَدَبَ

خبردار ہو وہ شخص جو میرا حاسد ہے! — کیا تو نہیں جانتا ہے کہ کس کی بے ادبی کر رہا ہے!

اَسَأْتَ عَلَی اللہِ فِیْ فِعْلِهٖ — کَاَنْ لَّمْ تَرْضَ لِیْ مَا وَهَبَ

یہ حسد بے ادبی شانِ خداوندی کی نہیں ہے!

گویا اللہ سے، جو اس نے ہم کو یہ انعام دیا ہے، تو راضی نہیں ہے!

مشہور بات ہے کہ کوئی جاہل عالم کے علم کی انتہاء کو نہیں سمجھ سکتا۔ عالم کے علم کو عالم ہی سمجھ سکتا ہے۔ اِسی طرح ہر فن والے کو اُسی فن کا ماہر ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہی حالت ہے ولی کی کہ اس کو کامل ولی ہی سمجھ سکتا ہے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أَنَّ الْوَلِی لَا یَعْرِفُ صِفَاتَهٗ إِلَّا الْأَوْلِیَاءُ فَمِنْ أَیْنَ لِغَیْرِ الْوَلِی نَفْی الْوِلَایَةِ عَنْ إِنْسَانٍ؟ مَا ذَاکَ إِلَّا مَحْضُ تَعَصُّبٍ، کَمَا نَریٰ فِی زَمَانِنَا هٰذَا مِنْ إِنْکَارِ ابْنِ تَیمِیة عَلَینَا وَعَلٰی إِخْوَانِنَا مِنَ الْعَارِفِینَ فَاحْذَرْ یا أَخِی مِمَّنْ کَانَ هٰذَا وَصفُه وَفِرَّ مِنْ مُجَالَسَتِهٖ فِرَارَکَ مِنَ السَّبُعِ الضَّارِی۔

محقق بات ہے کہ ولی اللہ کی صفات کو اور ذات کو ولی اللہ ہی پہچان سکتا ہے اور جب غیر ولی اللہ، ولی اللہ کی نفی کرتا ہے یا طعن کرتا ہے، یہ نفی یا طعن تعصب محض کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا تو دیکھتا ہے، اس ہمارے زمانہ میں ابن تیمیہ کا انکار کرنا ہم پر اور دوسرے ہمارے بھائی عارفین پر۔ پس اے بھائی! ڈر اس شخص سے اور اس کی مجلس سے اور وعظ سے دور بھاگ جس کی یہ حالت ہو کہ اولیاء اللہ پر طعن کرتا ہو اور اس طرح بھاگ جس طرح انسان درندہ پھاڑنے والے سے بھاگتا ہے۔[1]

گویا ایسے لوگ جو صلحائے امت پر طعن کریں، جیسا آج صحابہ کرام پر یا سابقہ علماء پر اور اولیاء اللہ پر کر رہے ہیں، یہ بھی درندوں سے کم نہیں۔

اسی تعصب عناد کی بناء پر علمائے سوء اور مفقودُ البصیرت صاحبان نے اولیاء اللہ کو قسم قسم کی ایذائیں پہنچائیں۔

شرح الاسرار

لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک شخص کو اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے تو شاید ہمیں اسے اپنے سے بڑا ماننا پڑے گا۔ اس ضد میں انکار کرتے رہتے ہیں۔ جب ایسے لوگ چلے جاتے ہیں تو پھر انہیں احساس ہوتا ہے۔ صدیوں تک ان صوفیاء کی کہی ہوئی باتوں کے حوالے دیتے رہتے ہیں کہ فلاں نے یہ فرمایا تھا۔ عجیب بات ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ یا ابوالحسن خرقانیؒ کو شہروں سے نکال دیا گیا، کفر کے فتوے لگائے گئے کہ یہ زندیق ہیں، یہ بے دین ہیں، مسلمان ہی نہیں۔ ان کا وصال آبادیوں سے باہر جنگلوں میں ہوا۔ جب وہ دنیا میں نہ رہے اور صدیاں بیت گئیں، لوگ ان کی قبروں پر بیٹھے ہیں۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بہت کم نام ایسے ملتے ہیں، جن کی زندگی میں کسی نے حقیقی طور پر ان سے استفادہ کیا ہو۔

محی الدین ابن عربیؒ کو شیخ اکبر کہتے ہیں لیکن زندگی میں کیا، ابھی تک ایک طبقہ ہے جو ان پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔ اللہ نے اس شخص کو اتنی وسیع نظر دی تھی کہ اس نے اس دور میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا تھا۔ مالابد قبل القیامہ جن میں ان عجائبات کا

---

[1] (''لواقح الانوار فی طبقات الاخیار المعروف بالطبقات الکبریٰ'' جلد اول، صفحہ ۱۳)

ذکر ہے جو قیامت سے پہلے ضرور ظاہر ہوں گے۔اس بندے نے آج کی باتیں کشفاً اس رسالے میں لکھی تھیں۔وہ لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے سورج سوا نیزے پر آئے گا یہ تو لوگوں کو قیامت سے پہلے زمین پر روشنی سوا نیزے پر ٹنگی ہوئی نظر آئے گی گویا آج کی سٹریٹ لائٹس صدیوں قبل وہ شخص دیکھ کر لکھتا ہے۔ آج کے ہوائی جہاز اور راکٹ کی سواری کے متعلق وہ رسالے میں لکھتے ہیں کہ ایسی سواریاں ہوں گی جو مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کریں گی اور وہ کھانے پینے والی یعنی ذی روح نہیں ہوں گی۔ آپ نے فتوحات مکیہ جب لکھی اس وقت پریس تو نہیں تھا۔ قلم سے لکھی اور لکھنے کے بعد اسے بیت اللہ کی چھت پر پھینک دیا۔ برسوں پڑی رہی، بارشیں ہوئیں، طوفان آئے، برس ہا برس بعد کوئی مرمت کے لئے یا کسی اور غرض سے جب اوپر گیا تو یہ کتاب چھت پر پڑی تھی لیکن اس کا کوئی حرف تک میلا نہ ہوا، اسکے باوجود اس کتاب سمیت آج بھی کئی لوگ انہیں ماننے کو تیار نہیں۔صوفیاء انہیں شیخ اکبر یا بزرگ صوفی کہتے ہیں۔

بہر حال یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا کیونکہ انسان اپنی انا میں گرفتار ہو کر یہ کرتا رہتا ہے اور جب یہ لوگ گزر جاتے ہیں اور یہ باتیں بتانے والا موجود کوئی نہیں ہوتا تو پھر اس بندے کی صورت تلاش کرنے کے لئے ان کی تصنیفات، ان کی کتابوں اور ان کے اقوال کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

نسیم الریاض میں ہے:

وَقَدْ اَنکَرَ بَعْضُ الْجَهَلَةِ فِی زَمَانِنَا۔

انکار کیا بعض جہلا نے ہمارے زمانے میں۔

عرفان و تصوف

انکار اولیاء

برادر و خواہر مسلمان، ہمانطور کہ تو دوستانی داری کہ اگر کسی در مورد آنہا حرف ناشایستی بزند، ناراحت می شوی و با او برخورد می کنی، خداوند نیز دوستانی دارد کہ اگر کسی نسبت بہ آنہا حرف ناشایستی بزند، ناراحت می شود. دوستان خدا انبیاء الٰہی و اولیاء می باشند ایشان از یک طرف و از نظر مادی مانند دیگر انسانہا احتیاجات و کارهاي عادي دارند اما از طرف دیگر و از نظر معنوی، دوست خدا و ولی خدا ہستند۔

کار پاکان را قیاس از خود مگیر | گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر
جملہ عالم زین سبب گمراہ شد | کم کسی ز ابدال حق آگاہ شد
ہم سری با انبیاء برداشتند | اولیاء را ہم چو خود پنداشتند

گفت اینک ما بشر ایشان بشر ماوایشان بستہ ی خوابیم وخور

این ندانستند ایشان از عمی ہست فرقی در میان بی منتہا

ہر دو گون زنبور خوردند از محل لیک شد زان نیش وزین دیگر عسل

ھر دو گون آھو گیا خوردند وآب زین یکی سرگین شد وزان مشک ناب

ہر دونی خوردند از یک آب خور این یکی خالی وآن پر از شکر

صد ہزاران این چنین اشباہ بین فرقشان ہفتاد سالہ راہ بین

این خورد گردد پلیدی زوجدا آن خورد گردد ہمہ نور خدا

این خوردزاید ہمہ بخل وحسد وآن خوردزاید ہمہ نور احد

این زمین پاک وان شورہ ست وبد این فرشتہ پاک وآن دیواست ودد

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست آب تلخ وآب شیرین راصفاست

جز کہ صاحب ذوق کی شناسد بیاب

او شناسد آب خوش از شورہ آب

مثنوي معنوي مولوی

ومن حارب اللہ فھو مھزوم مخذول لا تقوم لہ قائمۃ۔[1]

حالانکہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

ویکفی فی عقوبۃ المنکر علی الاولیاء قولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی الحدیث من اذی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب ای اعلمتہ انی محارب لہ ومن حارب اللہ تعالیٰ لا یفلح ابداً وقد قال العلماء لم یحارب اللہ عاصیاً الا المنکر علی الاولیاء واکل الرباء وکل منھما یخشی علیہ خشیۃ قریبۃ جدا من سوء الخاتمۃ اذ لا یحارب اللہ تعالیٰ الا کافر۔ انتھیٰ۔

”اولیاء اللہ کے منکر کے لئے یہ سزا کافی ہے جو حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ جس نے میرے ولی کو اذیت دی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں یعنی اس کو یہ بتادیتا ہوں کہ میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جس سے اللہ تعالیٰ جنگ کرے گا وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور گناہ کرنے والے سے نہیں لڑتا سوائے اولیاء اللہ کے منکر اور سود کھانے والے سے اور ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ برا ہونے کا خطرہ ہو گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف کافر ہی لڑتا ہے۔“

---

[1] (شرح ریاض الصالحین، ج، ۲، ص، ۶۱)

علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقۃ الندیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک ولی سے بھی انکار کرنا ہے اگرچہ دیگر تمام اولیاء پر اعتقاد رکھتا ہو جیسا کہ تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ایک نبی سے انکار کرنا کفر ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو:

والحاصل ان الانکار بالقلب او باللسان علیٰ احد من اولیاءاللہ تعالیٰ الذین ھم العلماء العاملون وسواء کانو احیاء او کانو اموتیٰ۔ وکلھم احیاء عند من یعرفھم بحیاۃاللہ تعالیٰ لا بانفسھم وکلھم موتی عن حیاتھم بانفسم سوآء عرفھم من ینکر علیھم او لم یعرفھم وانکر مالم یعرف من احوالھم الصحیحۃ وافعالھم المستقیمۃ عنداللہ فھو کفر صریح والمنکر کافر باجماع المسلمین علی مقتضی جمیع مذاھب اھل الاسلام لانہ انکر دین الاسلام والشریعۃ المحمدیۃ ﷺ۔

ترجمہ: ”خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک ولی اللہ سے قلباً یا لساناً انکار کرنا کہ وہ ولی اللہ علماء عاملین سے ہو خواہ وہ ولی اللہ زندہ ہو یا وفات پاچکا ہو۔ اور تمام اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی حیات سے زندہ ہیں ان کے نزدیک جو ان کے احوال سے واقف ہیں اور نفس کے اعتبار سے زندہ نہیں ہیں خواہ منکرین اس ولی اللہ کے احوال صحیحہ اور افعال مستقیمہ عند اللہ سے واقف ہوں یا نہ ہوں، پس یہ انکار اولیاء کفر صریح ہے اور منکر اولیاء مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اور تمام مذاہب اہل اسلام کی رو سے کافر ہے کیونکہ اس منکر نے دین اسلام اور شریعت محمدی ﷺ سے انکار کیا۔“[1]

شیخ محی الدین عربی کا اولیاء اللہ کی عداوت کے بارے میں فیصلہ

وذکر الشیخ الاکبر محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان معاداۃ الاولیاء والعلماء العالمین کفر عند الجمھور وقال من عادی احداًمن الاولیاءو العلماءالعاملین و الشرفاء فقدعادی ایمانہ۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ تحقیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور علماءِ عاملین کے ساتھ عداوت اور دشمنی (یعنی جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں) کرنا جمہور علماء کے نزدیک کفر ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں اگر کسی نے اولیاء کرام یا علماء عاملین یا نیک لوگوں کے ساتھ دشمنی اختیار کی پس اُس شخص نے اپنے ایمان کے ساتھ دشمنی کرلی (یعنی اس نے اپنے آپ کو ایمان سے خلاص کردیا)۔[2]

---

[1] (حدیقۃ الندیہ صفحہ ۲۴۱، ج ۱۰)

[2] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۱، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

علامہ شیخ سید علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اولیاء اللہ کی عداوت کے بارے میں فیصلہ

وقال سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ من عادی احداً من الاولیاء او العلماء خالفه ضرورةً وفی مخالفة الولی والعالم الضلال والهلاک وقد اطلنا الکلام فی هذا المقام فی کتابنا الوفیة بما یعنی بالمرام انتهی کلامه الشریف۔

سید علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام میں سے کسی ایک ولی کے ساتھ یا علماء عاملین میں سے کسی ایک عالم کے ساتھ دشمنی اختیار کرلے تو اس کی مخالفت ضروری ہے، اور ولی اور عالم کی مخالفت میں گمراہی اور ہلاکت ہے۔ اور اس مسئلہ کے حوالے سے ہم نے اپنی کتاب میں جس کا نام ''الوفیۃ'' ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[1]

منکرین کے بیانات فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں

قال العلامة عبدالغنی النابلسی قدس سرہٗ: والحاصل ان الانکار بالقلب او اللسان علی احد من اولیاء اللہ تعالیٰ الذین هم العلماء العاملون سواء کانوا احیاء او کانو موتیٰ وکلهم احیاء عند من یعرفهم بحیوٰة اللہ تعالیٰ لا بانفسهم وکلهم موتی من حیاتهم بانفسهم سواء عرفهم من ینکر علیهم او لم یعرفهم وانکر مالم یعرف من احوالهم الصحیحة وافعالهم المستقیمة عند اللہ تعالیٰ فهو کفر صریح والمنکر کافر باجماع المسلمین علی مقتضی جمیع مذاهب الاسلام۔

علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تحقیق کے ساتھ حاصل اور خلاصۂ کلام یہ ہے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام میں سے کسی ایک ولی کا دل اور زبان سے انکار کرنا اور مراد ان سے وہ علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور چاہے وہ اولیاء اور علماء زندہ ہوں یا وفات پاچکے ہوں برابر بات ہے کہ تمام ان کے نزدیک جو اولیاء کرام کو پہچانتے ہیں اولیاء حیات ہیں اس حیات سے جو اللہ جل وعلا شانہٗ نے انہیں عطا فرمائی ہے جو کہ حیاتِ روحی ہے نہ باعتبار نفس کے، اور تمام کی تمام باعتبار نفوس وفات شدہ ہیں۔ اور برابر بات ہے کہ یہ انکار کرنے والا اولیاء کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔ اس لئے کہ اس نے انکار کیا ہے اس چیز سے جس کے متعلق اسے علم نہیں تھا، ان کے افعالِ صحیحہ اور احوالِ مستقیمہ پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اور یقیناً یہ انکار کفرِ صریح ہے، اور انکار کرنے والا کافر ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بمقتضائے جمیع مذاہب اسلام۔[2]

---

[1] (الحدیقۃالندیۃشرح الطریقۃالمحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۱، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

[2] (الحدیقۃالندیۃشرح الطریقۃالمحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا منکر کیوں اور کس دلیل سے کافر ہے

علامہ عبدالغنی نابلسی فرمائی: لانہ انکر دین الاسلام و شریعت المحمدیۃ وھو لا یعرف انہ انکر ذلک لجھلہ وغباوتہ بل یظن انہ انما انکر امراً باطلاً وفعلاً قبیحاً تصورہ فی نفسہ وحکم بانہ فعل ذلک الولی او قولہ فحکم بسببہ علی ذلک الولی بانہ لیس بولی وانہ فاسق او کافر او ملحد او زندیق۔

علامہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام کا منکر اس لئے کافر ہے کہ اس نے دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے انکار کیا، اور انکار کرنے والے کو جہل اور غباوت کی وجہ سے یہ علم نہیں کہ اُس نے دینِ اسلام سے انکار کیا۔ لیکن منکر کا یہ گمان ہے کہ اس نے یہ جو انکار کیا ہے ایک قبیح اور باطل فعل کی وجہ سے ہے اور اسی تصور کی بناء پر اُس نے یہ حکم لگایا، اور اسی تصور کی بناء پر اُس نے اس ولی سے بھی انکار کیا اور حکم لگایا کہ یہ ولی نہیں بلکہ فاسق ہے، کافر ہے، ملحد ہے یا زندیق ہے۔ **(العیاذ باللہ)**[1]

پھر اس کے بعد شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ولی کی ولایت کی وضاحت فرمائی اور حقیقت الامر واضح فرمایا جو کہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہو جائے گی۔

حقیقت الامر کی وضاحت اور واضح فیصلہ کرنا

والولی فی حقیقۃ امرہ من حیث ما یعلمہ اللہ تعالیٰ منہ بریئ من جمیع ما اعتقدہ فیہ ذلک المنکر وعملہ ذلک الذی انکرہ علیہ وقولہ الذی انکر علیہ ایضاً لیس شیءمنہ باطلاً فی الشریعت ولا کفراً ولا الحاداً ولا زندقۃً بل ذلک الفعل طاعۃ وقربۃً الی اللہ تعالیٰ وذلک القول قول حق وصواب وھو محض ایمانٍ وحقیقۃ معرفۃ وایقان ولکن سمّاہ ذلک المنکر کفراً والحاداً وزندقۃً لمحض جھلہ وعنادہ وعدم اعترافہ بالقصور عن علوم الاولیاء ومعارف الصدیقین وعدم احساسہ بطمس بصیرتہ وعمی قلبہ عن ادراک مدارکھم والکشف عن حقائق اسرارھم ولمحات انوارھم۔

اور حال یہ ہے کہ اللہ جل وعلا شانہٗ کا ولی حقیقت الامر میں اس حیثیت کے ساتھ کہ اللہ جل وعلا شانہٗ اس پر علم رکھتا ہے (کہ یہ میرے خاص بندوں میں سے ہے) ان تمام چیزوں سے بیزار ہے جس پر منکر عقیدہ رکھتا ہے۔ اور اس عمل سے اور اس قول سے جس سے منکر انکار کرتا ہے ایک چیز بھی نہ ہی شریعت میں باطل ہے، نہ کفر ہے، نہ الحاد ہے اور نہ ہی زندیقیت ہے۔ لیکن ولی کا وہ فعل جس سے وہ انکار کرتا ہے (جس کے سبب کی بناء پر وہ ان پر الحاد و زندیقیت کا حکم لگاتے ہیں) در حقیقت ولی کا وہ فعل اور قول اطاعت اور اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے، اور اس ولی کا وہ قول حق قول ہوتا ہے اور ایمان محض اور حقیقتِ معرفت و

[1] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

یقین ہوتا ہے، لیکن اس منکر نے اُس ولی کے اُن افعال کو محض جہالت اور عناد کی وجہ مسمّی کیا ہے کفر، الحاد اور زندیقیت کے ساتھ۔ تو یہ سب کے سب محض جہالت اور عناد پر مبنی ہیں، اور اپنے قصور پر اقرار نہ کرنا اولیاء کرام کے علوم سے، صدیقین کی معرفت سے اور عدم احساس کی وجہ سے جس نے اس کی بصیرت کو تاریک کر دیا اور اُن کے مدارک کے ادراک سے اس کے دل کو اندھا کر دیا ان کے رموز و حقائق اور اسرار و انوار کی معرفت سے۔[1]

منکرین کے حالات حقیقت الامر میں

فالمنکر یتقلب فی اودیة الکفر والضلال والالحاد والزندقة ومعتقد انه یتقلب فی اودیة الایمان والطاعة وارشاد الناس الی الاحتراز عن الخطاء والضلال والنصیحة والھدیٰ ولا یشعر فکفره عندالله تعالیٰ ظھر له ولا مثاله ممن یوافقه علی الانکار المذکور یوم القیامة یوم یقوم الناس لرب العالمین فانه تعالیٰ الحاکم العادل الذی یعلم المظلوم من الظالم ویعلم المحق من المبطل۔

پس اب منکر خود ہی کُفر اور ضلالت، گمراہی اور الحاد و زندیقیت کے کنویں میں گر جاتا ہے، لیکن مُنکر (اپنے متعلق) یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ ایمان، طاعت اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ارشاد کرنے میں مصروف عمل ہے۔ تاکہ مخلوقِ خدا کو گمراہی اور خطا سے بچا سکے اور ان کو نصیحت اور ہدایت کر سکے اور حال یہ ہے کہ اس مُنکر کو اپنے کُفر کی بھی خبر نہیں اور اس منکر کو اُس کا کُفر جلد از جلد ظاہر ہو جائے گا بارگاہِ الٰہی کے حضور میں۔ اور اس کی مثل اور لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے ہوں اور ان لوگوں کو بھی جلد از جلد ظاہر ہو جائے گا جو اس منکر کے انکار میں موافقت کرتے رہے بروزِ قیامت کہ یہ تمام کے تمام بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل وعلا شانہٗ حاکم وعادل ذات ہے، جو ظالم مظلوم سے پہچانتا ہے اور محق مبطل سے۔[2]

منکر کو اپنا کُفر دکھائی نہیں دیتا

ولکن الاٰن فی الدنیا لا یحکم المنکر ھو بنفسه علیٰ نفسه بالکفر ولا امثاله یحکمون علیه بذالک لاصرار المنکرین کلھم علی عقیدة واحدة ھی الانکار فالحکم علیھم بالاسلام مبنی علی مجرد زعمھم ذلک کما ان الحکم علیھم بالکفر مبنی علیٰ اعتقاد اھل الاسلام العارفین بکلام الاولیاء المطلعین علی احوالھم الصحیحة المستقیمة۔

لیکن ابھی اس دنیا میں مُنکر اپنے آپ پر کُفر کا حکم نہیں لگاتا اور نہ ہی اس کی مثل، کیونکہ یہ سب مُنکرین عقیدہ میں ایک ہیں۔ پس ان پر اسلام کا حکم کرنا اُن کے خیال اور گمان پر مبنی ہے جیسا کہ ان پر اسلام کا اعتقاد ہونے کی وجہ سے کفر کا حکم مبنی ہے

---

1 (الحدیقةالندیةشرح الطریقةالمحمدیة، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

2 (الحدیقةالندیةشرح الطریقةالمحمدیة، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

اور ان علمائے عارفین کی وجہ سے جو اللہ جل وعلاشانہٗ کے کلام سے باخبر رہتے ہیں اور اسی اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام کے احوالِ صحیحہ، مستقیمہ انہیں معلوم ہوتا ہے۔[1]

بروزِ قیامت منکرین کا عذر کسی بھی صورت میں قبول نہ ہو گا

ولا یعذرون المنکرین بالجھل لان لھم مندوحۃً عن الانکار بایکال الامر الی اللہ تعالیٰ والتسلیم فیما لا یعرفہ والاعتراف بان اللہ تعالیٰ یعلم من احوال الناس ما لا یعلم ھو والجھل فی الشریعۃ لیس بعذر فی مثل ھذا اذھو مثل جھل الیھود والنصاریٰ والمجوس وعباد الاصنام بما جاء بہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم من الحق والدین الصحیح فانہ لیس بعذر عند اھل التصدیق بذلک کما انہ لیس بعذر عند اللہ تعالیٰ ایضاً۔

منکرین اب اپنے عدمِ علم یا جہل کی وجہ سے معذور نہیں سمجھے جائیں گے جو کہ اولیاء اللہ کے علوم اور حال سے بے خبر تھے۔ کیونکہ اس کے لئے ایک نیک صفت بھی موجود تھا انکار سے اور وہ یہ ہے کہ یہ اس معاملہ کو اللہ جل وعلاشانہٗ کے سپرد کر دیتے اور اپنے آپ کو تسلیم کرنا تھا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں اس چیز کے بارے میں جس پر ان کو علم نہیں تھا۔ اور اقرار کرنا اس بات پر کہ اللہ جل وعلاشانہٗ تو ان کے احوال پر علم رکھتا ہے۔ اور تمام مخلوق کے علم پر جس پر منکرین آگاہ نہیں۔ (یعنی اس انکار کرنے والے کے عذر کو اس کی جہالت کی وجہ سے عذر نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ یہ ان تمام چیزوں کو بارگاہِ الٰہی کے سپرد کر دیتا) اور جہل شریعت میں عذر نہیں ہے بمثل اس انکار کے، کیونکہ یہ جہل بمثلِ جہل یہود و نصاریٰ اور مجوسوں اور بت پرستوں کی مانند ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو جاہل بنا دیتے اُن چیزوں کے ساتھ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لے کر آئے ہیں جو کہ حق اور صحیح دین ہے۔ پس اہل تصدیق کے نزدیک اس حق اور صحیح دین سے انکار کرنا یہود و نصاریٰ وغیرہ کے لئے کوئی عذر نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ یہ بارگاہِ الٰہی میں عذر نہیں سمجھا جائے گا۔[2]

منکرین اپنے آپ کو معذور نہیں جانتے

وان ما کان عذراً عند اھل ھذہ الملل الباطلۃ بل فی زعمھم انما انکروہ ھو الباطل وما انکروبہ ھو الحق۔

لیکن ان کے نزدیک یہ بھی عذر نہیں ہے اور نہ ہی عذر سمجھتے ہیں بلکہ منکرین کا خیال یہ ہے جو انکار میں نے کیا ہے وہ ایک امرِ باطل سے ہے اور جس کی وجہ سے میں انکار کرتا ہوں یہ حق ہے۔[3]

---

[1] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)
[2] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)
[3] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

اولیاء اللہ کا دنیاوی حکم شریعت کی رو سے

وحیث کان حکم المنکر علی اولیاء اللہ تعالیٰ ھو الکفر فیترتب علی ذلک ما یترتب علی الکفر من احکام الشریعت کفسخ النکاح والاستتابۃ واحراق الدم ان اصرو وکذلک بقیۃ احکام المرتد۔

اب جب آپ کے سامنے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام سے انکار کرنا کفر ہے تو منکرین پر احکام شریعت کی رو سے وہی احکام مرتب ہوں گے جو کافر پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نکاح کا ٹوٹنا اور توبہ کی دعوت دینا اور اس کا خون بہانا اگر یہ اس پر اصرار کرے، اسی طریقہ سے باقی احکام مرتد کے اس پر لاگو ہوں گے۔[1]

فتاویٰ حدیثیہ میں علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فیصلہ

(وَسُئِلَ) رَضِيِ الله عَنهُ عَن قوم من الْفُقَهَاء يُنكرُونَ على الصُّوفِيَّة إجْمَالا أَو تَفْصِيلًا فَهَل هم معذورون أم لَا (فَأجَاب) بقوله يَنْبَغِي لكل ذِي عقل وَدين أَن لَا يَقع فِي ورطة الْإِنْكَار على هَؤُلَاءِ الْقَوْم فَإِنَّهُ السم الْقَاتِل كَمَا شوهد ذَلِك قَدِيما وحديثا وَقد قدمنَا صِحَة قصَّة ابْن السقاء الْمُنكر على ولي الله فَأَشَارَ لَهُ أَنه يَمُوت كَافِرًا فشوهد عِنْد مَوته بعد تنصره لفتنته بنصرانية أَبَت مِنْهُ إِلَّا أَن يتنصر مُسْتَقْبل الشرق وَكلما حول للْقبْلَة يتَحَوَّل إِلَى الشرق حَتَّى طلعت روحه وَهُوَ كَذَلِك وَإنَّهُ كَانَ أوجه أهل زَمَانه علما وذكاء وشهرة وتقدما عِنْد الْخَلِيفَة فَحلت عَلَيْهِ الْكَلِمَة بِوَاسِطَة إِنْكَاره وَقَوله عَن ذَلِك الْوَلِيّ لأسألنه مسئلة لَا يقدر على جوابها۔[2]

اور آپ سے سوال کیا گیا فقہاء کی ایک قوم کے بارے میں جو اجمالاً یا تفصیلاً انکار کرتے ہوں، آیا یہ لوگ اپنے اس انکار میں معذور ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ ہر ذی عقل اور صاحبِ دین کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اپنے آپ کو صوفیاء کرام کا انکار کرنے کے گڑھے میں پھینکے۔ کیونکہ اس قوم کا انکار کرنا زہرِ قاتل ہے جیسا کہ پہلے بھی مشاہدہ کیا گیا ہے اور اب بھی دیکھا گیا ہے، اور تحقیق کے ساتھ جیسا کہ ہم نے پہلے ابن السقاء کے قصے میں ذکر کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کرام کا منکر تھا، پس جس کے لئے ہم نے اشارہ کیا کہ وہ بعد میں کافر مرا اور یہ بات مشاہدہ کی گئی کہ وہ موت کے وقت نصرانی بن چکا تھا۔ اور حال یہ تھا کہ اس کا منہ مشرق کی طرف تھا جب ہم قبلہ کی طرف اس کا منہ پھیرتے تھے تو وہ دوبارہ مشرق کی طرف ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ اُس کی روح نکل گئی۔ اور حال یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا مختار اور مشہور عالم تھا۔ اور سبب اس ولی کا انکار تھا جو اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس ولی سے ایسا سوال کروں گا جس کے جواب دینے پر وہ قادر نہیں ہوگا۔[3]

---

[1] (الحدیقۃالندیۃشرح الطریقۃالمحمدیۃ، ج ۱، ص ۲۴۲، مکتبہ فاروقیہ، محلہ جنگی، پشاور)

[2] (فتاویٰ حدیثیہ، ج ۲، ص ۴۳۵)

[3] (الفتاویٰ الحدیثیۃ، ج ۲، ص ۴۳۵، الفتاویٰ الحدیثیۃ، ج ۱، ص ۲۳۷، الناشر: دار الفکر - لایوجد)

(جیسا کہ اس بات کی طرف علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ اپنی زبان اور دل کو بھی اولیاء کرام کے انکار سے بچا کر رکھنا ہے)۔

منکرین کے متعلق فتاویٰ حدیثیہ کا دوسرا فیصلہ

وَجَاءَعَنِ الْمَشَايِخِ العارفين وَالْأَئِمَّةِ الْوَارِثين أَنهم قَالُوا أقل عُقُوبَةِ الْمُنكر على الصَّالِحين أَن يحرم بركتهم قَالُوا ويخشى عَلَيْهِ سوء الخاتمة نَعُوذ بِاللهِ من سوء الْقَضَاء وَقَالَ بعض العارفين من رَأَيْتُمُوهُ يُؤْذِي الْأَوْلِيَاء وينكر مواهب الأصفياء فاعلموا أَنه محَارب لله مبعد مطرود عَن حَقِيقَة قرب الله۔

مشائخ عارفین اور ائمہ وارثین سے یہ بات نقل ہے کہ سب سے پہلے اولیاء کرام کے منکرین کو جو عذاب ملتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اولیاء کرام کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس منکر پر خوف یہ ہوتا ہے کہ اُس کا خاتمہ نعوذ باللہ سوءِ قضاء پر ہو گا۔ اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ جب آپ ایسے شخص کو دیکھ لو جو اللہ جل وعلا شانہٗ کے اولیاء کرام کو اذیت دیتا ہو اور ان کے علوم اور عطایا سے انکار کرتا ہو تو باخبر ہو جاؤ کہ یہ انکار کرنے والا اللہ جل وعلا شانہٗ سے جنگ کر رہا ہے، اور یہ بندہ اللہ جل وعلا شانہٗ کے قرب سے دور ہوا۔[1]

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اولیاء کرام سے اور ان کی ولایت سے انکار کرنا دنیا اور آخرت کی تباہی اور رسوائی کا باعث ہے، نیز ان کا یہ انکار ان کے اپنے ایمان کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو اپنے اولیاء کرام کی بے ادبی سے محفوظ فرمائے، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

[1] (الفتاوی الحدیثیۃ، ج ۲، ص ۴۳۵، الفتاویٰ الحدیثیۃ، ج ۱، ص ۲۳۷، الناشر: دار الفکر - لا یوجد)

(۲) باب نمبر دو: ثبوتِ تقلید آیاتِ قرآن سے

بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنے آبا واجداد کی اتباع کرنا شرک اور حرام ہے۔ حالانکہ مؤمن آبا واجداد کی اتباع دین میں رفع (یعنی بلندی) درجات کا سبب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ" (الطور ۲۱)

مؤمن آبا واجداد کی اتباع کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کی ہے:

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرة ۱۳۳)

جو کوئی اپنے مؤمن آباء واجداد کی اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کے درجات بلند کرتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

(کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا) "اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۳۷) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف ۳۸)

کانہ قال: انما فزتُ بما فزتُ بسبب انی لم أتبع ملة قوم کفروا بالمبدأ والمعاد واتبعت ملة أبائی الکرام المؤمنین بذلک۔[1]

مؤمن آبا واجداد کا وہ طریقہ جس کی ممانعت قرآن پاک اور احادیث میں نہ ہو، اس کو غلط کہنا اور اس کا مذاق اڑانا یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا طریقہ ہے، نہ کہ مسلمانوں کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ الخ" (الإنعام ۷۰)

رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یعنی الیهود والنصاریٰ ومشرک العرب اتخذوا دین آبائهم المؤمنین (لعباً) ضحکة (ولهواً) استهزاءً"۔[2]

کافر، مشرک، اور جاہل آباء واجداد کی اتباع ان کے کفر و شرک وغیرہ میں ممنوع اور حرام ہے اور مؤمنوں کی اتباع جائز اور لازم۔

---

[1] (روح المعانی ج۴، پ ۱۲، ص ۲۴۲)

[2] (تفسیر ابن عباس ص ۸۹)

قرآن حکیم میں ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـئًا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ (بقرة ۱۷۰)

اور سورہ مائدہ آیت ۱۰۴ میں ہے:

لَا يَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ۔

دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے: "اس میں دلالت ہے اس پر کہ جس شخص کے والد کا باعقل و بااھتداء ہونا اجمالاً بھی ثابت ہو جاوے اس کی اتباع مطلقاً جائز ہے۔ اور یہ اصل ہے بلا تردد مشائخ کی اتباع کرنے کا اھ۔[1]

سنن الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن و مسلمان آباواجداد کی مخالفت کرنے والوں پر عذابِ اخروی سے قبل عذاب دنیوی بھی نازل فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

"**اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ**" تا اخیر رکوع[2]

قرآن حکیم میں مؤمن مسلمان آباواجداد کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وعید شدیدہ آئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَ يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا (النساء ۱۱۵)

تفسیر کبیر میں ہے:

تقریر الاستدلال، ان اتباع غیر سبیل المؤمنین حرام۔ فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجباً۔[3]

نیز ارشاد ہے:

اَلَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا، الخ (الاعراف ۵۱)

---

[1] (بیان القرآن، ج ۱، ص ۹۵، پ ۲، مسائل السلوک، میر کتب خانہ، کراچی) (روح المعانی ج ۲ ص ۴۱ امدادیہ ملتان)

[2] (پارہ ۲۹، سورہ قلم، آیت ۱۷ تا ۳۳)

[3] (جلد ۱۲، صفحہ ۴۳)

فقط برے خلیفہ کے بارے میں ہے:

فخلف من بعدھم خلف (اعراف ۶۹)

خَلف بسکون اللام اکثر برے خلیفہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے بڑوں کے طرز کے خلاف برائیوں میں مبتلا ہو۔[1]

ان لوگوں پر یہ حدیث مبارک بھی دال ہے:

عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔

یعنی ”اخیر زمانہ میں جھوٹے اور دجال قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کرینگے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جن کو نہ آپ نے اور نہ آپ کے آباؤاجداد نے سنا ہو گا۔ خبردار ان سے بچے رہنا، کہ یہ تم لوگوں کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنوں میں نہ ڈال دیں۔“[2]

---

[1] (معارف ج۴ ص ۱۰۳)

[2] (مسلم، مشکوۃ شریف ص ۲۸، باب الاعتصام)

(۳) باب نمبر تین: تقلید کے بیان میں

بعض علماء تقلید اور مذاہب سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن پاک، احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

"مذہب" اصطلاحاً کہتے ہیں احکام شرعیہ کو متفقہ ہوں یا راجحہ اجتہادیہ جو ایک خاص امام نے ادلہ ظنیہ سے مستفاد کیا ہو۔ احکام متفقہ کو جزء مذہب کرنے کے واسطے کسی قول یا عبارت کو نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا علماء اسلام نے مذہب تعریفی عبارات میں ان کی طرف توجہ نہیں کی ہے کیونکہ اگر ان (احکام متفقہ) کو مذہب کا جزء قرار نہ دیا گیا تو مذہب کا اہم جزء گر اکر ناقص سمجھا جائیگا۔

اس لئے علماء امناء الشریعۃ نے فرمایا:

"المذهب لغةً موضع الذهاب فحاصله الطريق۔ ثم نقل منه الى الاحكام الشرعية الاجتهادية التى هى طرائق المجتهدين يمرون عليها باقدام عقولهم الراجحة لتحصيل الظن بها۔ و اما معناه فى العرف فهو ما اختص به المجتهد من الاحكام الشرعية الفرعية الاجتهادية المستفادة من الادلة الظنية وهٰذا اشتمل مذاهب جميع المجتهدين۔ و التعريف الخاص لمذهب امامنا هو ما اختص به من تلك الاحكام اه"۔

یعنی مذہب لغۃ میں جانے کی جگہ یعنی اس سے مراد راستہ ہے۔ پھر یہ احکام شرعیہ اجتہادیہ کی طرف منقول ہوا جن پر مجتہدوں کی عقلیں چلتی ہیں ایسے احکام جو راجحہ ہوں جن کو مجتہدوں کی ظن نے حاصل کیا ہو۔ اور عرفِ شرع میں مذہب کا معنی وہی احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ ہیں جن کو آئمہ اربعہ نے دلائل ظنیہ سے حاصل کیا ہو یہ تمام مذاہب کو شامل ہے اور ہمارے امام اعظم کے مذہب کی خاص تعریف وہی احکام (مذکورہ) ہیں جو امام مذکور کے ساتھ خاص ہوں۔[1]

المذهب الصحيح المفتى به الذى مشت عليه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحيح من المذهب اه۔

یعنی مفتٰی بہ صحیح مذہب وہ ہے کہ جس پر متون کے مصنفین گئے ہیں جو مذہب سے صحیح قول نقل کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔[2]

"المذهب ما فى المتون لانه ظاهر الرواية"۔

مذہب وہ مسائل ہیں جو متون میں مذکور ہیں اس لئے کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے۔[3]

"و لانها صارت متواترةً۔ اه"۔

---

[1] (حموی الاشباء: ص: ۱۲)

[2] (رسالہ رسم المفتی ابن عابدین: ص: ۳۶، ص: ۴۰)

[3] (بحر ج ۱ ص ۲۸۴ ثم شامی ص ۲۷۲، ۲۷۱، ص ۳۷)

متون کے علماء نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ مذہب میں سے جو صحیح قول ہو۔ ذکر کرینگے[1]

حاصل: اقوال راجحہ مذہب کے جزء باتفاق المذاہب واجب الاتباع ہیں۔

تنبیہ: ایسا ہی اصول عقائد میں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب صرف وہی عقائد شرعیہ اصلیہ ہیں جو تمام فِرق اسلامیہ کی متفقہ ہو یا عقائد اختلافیہ میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے متقررہ مسائل ہوں۔ ان عقائدِ مذہب کا مخالف یا تو کافر ہے (مشرک ہو یا نہ ہو) اور یا مبتدع وضال ہے۔ جن سے احتراز ضروری ہے تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ کو جو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ میں منحصر ہیں گمراہ نہ کریں جیسا کہ وہابیہ کی عادۃ شنیعہ ہے۔

مذہب کی تقلید فرض ہے

مذہب کی تقلید کے فرض ہونے پر دلائل قرآن وحدیث اور اجماعِ امۃ محمدیہ سے ہیں۔

(۱) کقولہ تعالیٰ: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿النساء ۸۳﴾

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا ذی اختیار لوگوں کی طرف جو ان میں سے ہیں لوٹاتے تو ضرور جان لیتے اس کی حقیقت اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا اور رحمت تم پر تو ضرور متبع شیطان کے ہو جاتے مگر تھوڑے۔

وجہ الاستدلال: امر اللہ تعالی الجاھلین باطاعۃ العلماء وامر العلماء باطاعۃ المجتھدین رحمھم اللہ تعالی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے علم لوگوں کو امر کیا ہے کہ علما کی تابعداری کریں۔ اور علماء کو امر فرمایا کہ مجتہدوں کی تقلید کریں۔[2]

حضرات: افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف کے لفظی معنیٰ جاننے والے آج کل اجتہاد کے مرتبہ پر ڈاکہ ڈال کر غصب کرتے ہوئے حدیث "یلعن آخر ھذہ الامۃ اولھا" کا مصداق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۲) وقولہ تعالی: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿توبۃ ۱۲۲﴾

اور نہیں مؤمنین پر یہ کہ نکلیں سب کے سب تو کیوں نہ ہوا یہ کہ نکلتا ہر ایک سے ایک فرقہ تاکہ سمجھ اور تفقہ حاصل کرتا دین میں اور ڈراتا اپنی قوم کو جب لوٹ کر واپس آتا تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے۔"

[1] (شامی ج ۱ ص ۴۹، رسم المفتی)

[2] (تفسیر احمدی، مدارک، خازن، معالم التنزیل وغیرھا)

وجہ الاستدلال: انھم ذکروا فی الآیۃ توجیھین وعلیھما فاللہ تعالی اوجب علی المنذَر (اسم مفعول) تقلیدا لمنذِر (اسم فاعل) اھ۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی دو توجیہ بیان فرمائی ہیں۔ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ڈرائے ہوئی قوم کو ڈرانے والی قوم کی تقلید کو ضروری فرمایا۔[1]

(۳) وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿لقمان ۱۵﴾

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان اور انکا ساتھ دے دنیا میں اچھی طرح اور اس کی راہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع لایا۔"

وجہ الاستدلال: ان اللہ تعالی امر باتباع العلماء والصلحاء۔ اھ۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ باری اقدس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے علماء مجتہدین اور صلحاء کی تابعداری پر امر فرمایا ہے۔[2]

حضرات! جو لوگ تقلید کو حرام اور بدعت اور شرک جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں وہ لوگ قرآن وحدیث کے صحیح مقصد سے ناواقف ہیں۔ اپنی خواہش نفسانی کے پیرو ہو کر قرآن وحدیث کو برائے نام وناموس مقتدیٰ بتاتے ہیں۔

(۴) وقولہ تعالیٰ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ۴۳﴾

اور نہیں بھیجے ہم نے تم سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو پوچھ لو اہلِ ذکر سے اگر تم خود نہیں جانتے۔"

وجہ الاستدلال: الاخذ بقول الفقیہ ھو المرجع الواجب علی من لم یعلم وھو التقلید اھ۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد مطلق کی علمی لیاقت نہ ہو تو ان پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنے کا فریضہ ضرور عائد ہو جاتا ہے۔ اور یہی تقلید ہے۔[3]

فان قیل: ھٰذہ الآیۃ نزلت فی علماء اھل الکتاب (فقط) فلا یصح الاستدلال بھا۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے رھبان اور احبار کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے علمائے اسلام کیلئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

قلنا: اولًا انھا نزلت فی علماء الاسلام اھ۔

---

[1] (ملخص تفسیر احمدی: ص: ۴۸۲)

[2] (تبصیر الرحمٰن: ج: ۲: ص: ۱۴۵، خازن: ج: ۳: ص: ۴۴۰ بالمعنی ملخصا)

[3] (عنایہ ثم چلپی فصل البیر: ص: ۱۵، اتحاف المرید وحاشیۃ الامر: ص: ۱۱۵، فتح المبین لابن حجر: ص: ۲۸۴، ۵۰۶)

ثانیاً انها نزلت فی اهل الشرف من علماء الامم اه۔
فشملت علماء الاسلام۔

ہم جواب دینگے کہ یہ آیت علمائے اسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (خازن) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت علماء میں سے مشرف (صاحب شرافت) لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تبصیر) تو یہ تمام علمائے اسلام کو شامل ہے۔[1]

وثالثاً ان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اه۔
فاوجب الله تعالى على كل واحد من المجتهد فی المذهب والمجتهد فی المسئلة وغيرهما تقليد المجتهد المطلق لعلمه بما لا يعلمونه اه۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لفظ کا عموم معتبر ہے۔ شانِ نزول کی کسی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔ (اسلئے قرآن عظیم کے جوامع الکلم ہونے کو تمام فِرقِ اسلامیہ مانتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسئلہ وغیرھا پر مجتہد مطلق کی تقلید فرض فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے اجتہاد مطلق کی وجہ سے ان معلومات کو کہ جن کو باقی لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔[2]

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اس پُر فتن دَور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ ان کی علمی لیاقت کچھ بھی نہیں۔ اور غلط دعویٰ کے لحاظ سے امام اعظم سے اپنے آپ کو بڑھ کر تصور کرتے ہوئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ **(العیاذ باللہ)**

۱۔ روی عن ابن عباس رضی الله عنه وجابر رضی الله عنه قالا خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه فی رأسه فاحتلم۔ فسأل اصحابه هل تجدون لی رخصة فی التيمم۔ قالوا ما نجدک رخصة وانت تقدر على الماء۔ فاغتسل فمات۔ فلما قدمنا على النبی ﷺ فاخبر بذلک فقال قتلوه قتلهم الله تعالى الا سألوا اذ لم يعلموا فانما شفاء العی السوال۔

حضرات ابن عباس وجابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک شخص کا سر زخمی ہوا اور احتلام بھی ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کو رخصت نہیں کیونکہ آپ پانی پر قدرت رکھتے ہیں۔ پس اس نے غسل کیا اور انتقال ہو گیا جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے۔ جب خود نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں؟ بیشک جہالت کا علاج سوال (پوچھنا) ہے۔[3]

---

1 (خازن: ج:۳:ص:۲۵۴، تبصیر الرحمٰن: ج:۲:ص:۲۸)
2 (مدارک: سورہ الفجر: ج:۴:ص:۳۷۹ و احمدی فاتحہ:ص:۲۶، بالمفهوم تحرير الاصول وشرحه وشرح عقود رسم المفتی:ص:۳۰، مسلم الثبوت وغیرھا)
3 (رواہ ابو داؤد ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب التیمم:ص:۴۷)

حضرات محترم: انصاف فرمایئے۔ آپ ﷺ کی حدیث میں چار جملے ہیں:

۱ - قتلوہ ۲ - قتلھم اللہ، ۳ - الا سألوا، ۴ - فانما شفاء العی السوال۔ کہ مجتہد مطلق مستقل کی تقلید کرنا اہم ضروری فرض ہے۔ جس کے بغیر گنہگار ہو کر اللہ تعالی اور حضور ﷺ کے مخالف ہو گیا۔ (وہابیہ حضرات اپنی جان کی فکر کریں!)۔

۲۔ وروی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ لما بعثہ الی الیمن قاضیا قال کیف تقضی قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فیہ قال فبسنۃ رسول اللہ ﷺ قال فان لم تجد فیہ قال اجتھد برائی ولا آلو۔ قال فضرب رسول اللہ ﷺ علی صدری وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ ﷺ لما یرضی بہ رسولہ ﷺ۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ تو فرمایا کہ آپ فیصلہ کیسے کرینگے تو میں نے کہا کہ (قرآن) اللہ تعالی کی کتاب پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں اگر فیصلہ (حکم) نہ پائے تو حضرت معاذ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں حکم موجود نہ ہو تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ حمد ثابت ہے اس ذات کیلئے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کے رسول (قاضی) کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔[1]

اس حدیث میں اجتہاد اور تقلید صریح موجود ہے۔ وہابیہ کا توجہ کرنا ضروری ہے:

۳۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی بعدی فاوحی الیَّ یا محمد ﷺ ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھم اقوی من بعض ولکل نور۔ فمن اخذ بشیٔ سماھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدًی۔ قال قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے صحابہ کے میرے بعد اختلاف کرنے کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ آپ ﷺ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور بعض بعض سے قوی ہیں۔ اور ہر ایک کیلئے نور ہے۔ پس جس نے بھی ان اصحاب کے اختلاف میں کوئی چیز (یعنی کسی بھی طریقے پر عمل کیا) تو وہ میرے نزدیک صاحب ہدایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس جس کی بھی تم اقتداء کروگے ہدایت پاؤ گے۔

عزیزانِ گرامی: مندرجہ بالا حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوئیں۔ (۱) اجتہاد شرع ہے۔ (۲) مقلد ہدایت یافتہ ہے۔ (۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے حسن اور اچھا فرمایا ہے۔ اور ہدایت بنایا ہے۔ اور حضور ﷺ نے اسی

---

[1] (رواہ الترمذی، ابوداؤد، الدارمی اھ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

اختلاف کو ہدایت قرار دیکر تقلید کا نجات فرمایا۔ آئمہ اربعہ کے اختلاف کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر یقیناً مبنی ہے صحیح اور رحمت ماننا ضروری ہے۔

صرف چار مذاہب کی تقلید کی فرضیت اجماعِ امت سے بخوبی ظاہر اور صریح ہے

۱-انه وقع الاجماع علی ان الاتباع ای التقلید انما یجوز للأئمة الاربعةرضی اللہ عنهم۔ فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتهدامخالفًالهم اھ۔

اُمّتِ مرحومہ نے آئمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع فرمایاہے۔ اور جو شخص ان آئمہ اربعہ کی مخالفت کرے تو ان کی تقلید ضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔[1]

۲-الاجماع قد حصل علی حقیقة المذاهب الاربعة وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامة جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعة بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اھ۔ (مزید وتجنیس علی ما فی فتوی الحرمین الشریفین، عقد الجیدلولی اللہ الدهلوی، عمدة المرید، خیرات الحسان الکفایة، تقریر شرح التحریر، شرح سفر السعادة، صراط مستقیم، میزان الکبری وغیرها)

امۃ مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کے حق ہونے پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ اور ساری امت نے چاروں مذاہب کو قبول کیا۔ یہ قبولیت کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

۳-الاجماع قدانعقدعلی عدم العمل بمذهب محدث بعدالأئمةالاربعةاھ۔

امۃ مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد کسی نئے مذہب پر عمل نہ کریں حضرات وہابیہ، نیچریہ، قادیانیہ وغیرھم کے مذاہب پر عمل کرنا اجماعًا حرام ہے۔[2]

۴-فقدانعقدالاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم وقد قال اللہ تعالی وَمَنْ یُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِمَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدَی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیلِ الْمُؤْمِنِینَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّی وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِیرًا﴿النساء۱۱۵﴾

---

[1] (تفسیر احمدی، اشباہ، تحریر الاصول لابن الهمام، مسلم الثبوت لمحباللہ بهاری، نهایة المراد شرح مقدمه ابن الغماد، فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر، شرح سفر السعادة لعبد الحق الدهلوی، الفتوحات الوهبیة لابراهیم المالکی، رسائل ابن عابدین شامی: ج:اول قبیل رسم المفتی، نور الهدی من شرح جامع الصغیر، اذکار النووی ثم فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص: ۲۶۶، اتحاف المرید شرح جوهرة التوحید، شرح جمع الجوامع للسیوطی، شرح الاربعین للنووی من امام الحرمین، عین العلم للقاری، میزان الکبرٰی للشعرانی، طحطاوی، حجة اللہ البالغة لولیاللہ الدهلوی)

[2] (تحریر ابن الهمام ثم الاشباہ فن اول، قاعدہ اولی، ثم فتوی الحرمین: ص: ۱۵، جواب الحرمین: ص: ۴۲)

مذاہب اربعہ کے مخالف قول کے باطل ہونے پر اجماع مرکب ہے۔(اجماع کی مثبت دلیل) اور جو خلاف کرے رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔[1]

قارئین حضرات: حاصلِ کلام یہ ہے کہ اجماع مسلمانوں کا راستہ ہے اس پر جاناواجب ہے اور مخالفت حرام ہے۔

۵-والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الهی وقبولية من عند الله تعالی۔ لا مجال فيه۔ (ای لاضرورة فيه) (للتوجيهات والادلة أه تفسير احمدی: ص:۵۲۷) قول بسبب هٰذا الفضل الالهی والقبولية انعقدالاجماع المذكور فظهر ان خلاف التقليد خلاف الفضل الالٰهی وخلاف القبولية من عندالله تعالی۔

انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہونا اور ان کی تقلید کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے۔ اس کی توجیہات اور دلائل کی ضرورت نہیں۔ مگر وہابیہ ہمیں مجبور کرتے ہیں اس لئے قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل ذکر کرنا پڑتا ہے۔ وہابیہ نے مذہب سے انکار کرتے ہوئے اصل میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے انکار کیا۔ **(اعاذناالله تعالی منه)**

حضراتِ محترم: آپ انصاف فرمایئے کہ جب قرآن وحدیث منیف اور اجماعِ امت چار مذاہب کی تقلید ضروری بتاکر ان کی مخالفت کی تقلید کو حرام اور ناجائز فرماتے ہیں تو پھر اس سے غفلت اور خلاف کرنا کیسا ہے؟ آپ خود اندازہ لگایئے۔

مذہب کے فوائد اور اس کی مخالفت میں نقائص

مذہب کے فوائد کثیرہ ہیں اور اس کے بالمقابل مخالفتِ مذہب میں نقصان ہے۔

(۱)قال ولی الله الدهلوی اعلم ان الاخذ بهذه المذاهب الاربعة فيه مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها مفسدة عظيمة۔

(عقد الجید) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہبوں پر عمل کرنے میں بہت فوائد ہیں۔ اور مخالفتِ مذاہب اربعہ میں بہت فساد ہے۔

(۲)هٰذه المذاهب الاربعة المدوّنة المحررة قداجمعت الامة علی جواز تقليدها الی يومناهٰذا۔ وفی ذٰلک من المصالح ما لايخفی۔ لاسيما فی هٰذه الايام التی قصرت الهمم جدا۔ واشربت النفوس الهویٰ واعجب كل ذی رأی برأيه۔

[1] (تفسیر مظہری ثم عقدالجید: ص:۱۱)

مروّج اور مدوّن چار مذاہب کی تقلید کے جواز پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ جو آج تک منعقد ہے۔ اور اس میں وہ عظیم مصلحتیں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاص کر یہ زمانہ کہ اس میں لوگوں کی ہمتیں کم پڑ گئی ہیں۔ اور نفوس خواہشات نفسانی کے تابع ہو گئے۔ اور ہر آدمی اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔[1]

(۳) قال الامام الشعرانی نقلا عن سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالی وجب علیک التقلید بمذہب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال اہ۔

"امام شعرانی اپنے مرشد حضرت علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مذہب کی تقلید تم پر واجب ہے۔ تاکہ گمراہی میں گر نہ جائیں۔"[2]

تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ تقلید کرنے میں: (۱) قرآن کی اتباع ہے۔ (۲) حدیث صحیح کی اتباع ہے۔ (۳) اجماع امت کا اتباع ہے۔ (۴) فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی کی تسلیم ہے۔ (۵) قاصر ہمّت مکلفوں کو فارغ کرنا ہے۔ (۶) خواہشاتِ نفسانی (اعدی عدوک ما بین جنبیک) سے بچنا ہے۔ (۷) اپنی رائے کو پسند کرنا (جو فتن میں سے ہے) سے محفوظ ہو جانا ہے۔ (۸) گمراہی سے بچنا یعنی گمراہی سے پاک وصاف رہو گے۔

یہ آٹھ امور مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گئے (۹) اپنی دینی امانت میں خیانت کرنے سے مامون ہونگے۔ بمصداق "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿الاحزاب ۷۲﴾

(۱۰) اپنے مشغول ذمہ کو بذریعہ تقلید پاک وصاف کرو گے۔

(۴) لایجوز تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ ابی حنیفہ، مالک، الشافعی، واحمد بن حنبل لان ھٰولاء عرفت مذاہبھم واستقرت احکامھم وخدمھا تابعوھم وحرروھا فرعا فرعا وانطبقت بالنصوص وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتھا واوضحوا طرق النظر ودونوا المذاہب بالنقل المتواتر شرقا وغربا، شمالا وجنوبا۔ بخلاف مذاہب غیرھم فی جمیع ذٰلک۔

آئمہ اربعہ کے سواء کسی کی تقلید جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے مذاہب معروف اور احکام مقرر ہیں۔ اور ان کے تابعین نے ان کی خدمت کی ہے۔ اور الگ الگ مسائل صاف بیان کر کے اپنی اپنی فصل میں جمع کیا ہے۔ اور دلائل کے مطابق کر دیا۔

---

[1] (حجۃ اللہ البالغۃ)

[2] (میزان الصغریٰ)

مجملات کو واضح وظاہر کر کے نظر کے طریقوں کو صاف بتایا۔ اور تمام دنیا میں مذاہب کو نقل متواتر سے مروّج کیا۔ اور باقی علماء کے مذاہب اس مقام کے نہیں۔[1]

انہی مذاہب کی تقلید عین شریعت ہے اس کے علاوہ شریعت سے خلاف ہے۔

حضرات:

اول: اس فوائد عشرہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں اسی پر اکتفا ہوا۔

دوم: ہر فائدہ کے مقابل نقصان ہے۔

دیکھئے تقلید کو شرک کہنے میں: (۱) قرآن کی مخالفت۔ (۲) حدیث کی مخالفت۔ (۳) اجماع کی مخالفت۔ (۴) فضلِ الٰہی کی مخالفت۔ (۵) قاصر مکلّف کا ذمہ مشغول رہنا۔ (۶) ہوائِ نفسانی میں گرنا۔ (۷) گمراہ ہونا۔ (۸) امانتِ اسلامی میں خیانت کرنا۔ (۹) غیر منضبط تقلید سے پلید ہونا۔

مذہب اسلام عقائد اور فروع کا نام ہے

مذہب اسلام وہی عقائد وفروع ہے جو قرآن شریف، احادیث، اجماع اور قیاس یعنی اجتہاد سے ثابت ہوا ہے۔

جس کا ثبوت یہ ہے:

(۱) ادلة الشرع اربعة۔ الکتاب والسنة واجماع الامة والقیاس الشرعی اه۔

شرع کے دلائل چار ہیں: قرآن شریف، حدیث، امۃ مرحومہ کا اجماع اور شرعی قیاس یعنی اجتہاد۔[2]

حضرات: ان چاروں کے دلائل قرآن وحدیث میں بہت زیادہ ہیں اختصاراً بطورِ مشت نمونہ خروار بیان کرتا ہوں:

(۱) کقوله تعالی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴿النساء ۵۹﴾ اه۔ ای اولی العلم منکم۔

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی (قرآن کی) اور رسول اللہ کی (سنت کی)۔ اور تابعداری کرو صاحب امر یعنی علماء (مجتہدین کی)۔"[3]

(۲) کقوله تعالی: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾

---

[1] (الفتح المبین لابن حجر: ص: ۵۰۵، فتوی الحرمین: ص: ۱۵، مزیل الشبهات: ص: ۱۳، تحریر الاصول لابن الهمام ثم فتوی الحرمین: ص: ۱۵، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص: ۴۰۷، اطایب الصیب: ص: ۴۱۰)

[2] (کتب اصول الفقه)

[3] (پاره: ۵: سوره: نساء: رکوع: ۸۔ احمدی، خازن، مدارک، معالم وغیره)

اور جو خلاف کریں رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

مسلمانوں کا راستہ اجماع ہے۔ جس کی مخالفت حرام اور موجب جہنم ہے۔ اس لئے اس کی تابعداری ضروری ہے۔ مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ وغیرہ قرآن کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہیں اس لئے اجماع اور قیاس سے انکار کرتے ہیں۔ **(العیاذ باللہ تعالیٰ)**

"الفرقة الناجية اهل السنة والجماعة قد انحصرت فی المذاهب الاربعة لان الشريعة المتواترة من هٰذه المذاهب ماوجدت فی الدنيا ولان الاصول والفروع فی غيرها لم تنضبط فلامحالة انحصرت الشريعة فی المذاهب الاربعة المتواترة۔ فمن كان خارجا من هٰذه المذاهب الاربعة فی هٰذا الزمان فهو اهل البدعة والنار ومتبع الشيطان اه"۔

فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے جو چار مذاہب میں منحصر ہے۔ کیونکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دنیا میں شریعت متواترہ موجود نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے بغیر کسی مذہب کے اصول وفروع منضبط نہیں ہیں۔ تو مجبوراً مذاہب اربعہ متواترہ میں شریعت منحصر ہوگی تو جو شخص اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے باہر ہو اوہ مبتدع اور جہنمی ہے اور شیطان کا تابع ہے۔[1]

میں کہتا ہوں غالباً آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مذہبِ اسلام وہی عقائد وفروع کا نام ہے جو قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اور قیاسِ شرعی سے بذریعہ صحیح اجتہاد ثابت کیا گیا ہو۔ جو آج تک صرف چار مذاہب میں موجود ہے۔

اور اگر نفوس قاصر العلم والھمت، مخلوط الھوی معجب برائھا اہل شر القرون کی رائے سے قرآن وحدیث کے مطالب معلوم کرنا بفرضِ محال درست تسلیم کرنا فرض کروں تو ضروری ہے بلکہ لازم اشد ہوگا کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیلاً حدیث تیسیر: ص:۴۲ آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ اور اہل اللسان اور خیر القرون ہونے کے ان کا اس آیۃ "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" کا ترجمہ اور مطلب لینا درست تسلیم ہوتا مگر حضور ﷺ نے ممنوع قرار دے دیا۔ پس چہ جائیکہ وہابی کی رائے سے ترجمہ اور مطلب لینا۔

اور مجاہدین اصحابِ رسول اللہ ﷺ جن کی حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم مفصل آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ، اہل اللسان العربی اور خیر القرون ہونے کے ان کا ترجمہ اور مطلب لینا اس آیۃ "وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ

[1] (الفتح المبین: ص:۵۰۵، اطایب الصیب: ص:۱۰، فتوی الحرمین: ص:۱۵، مزیل الشبھات: ص:۱۳، الفتوحات الوھبیۃ لابراھیم المالکی، اتحاف المرید، میزان الکبریٰ، نھایۃ المراد وغیرھا)

عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنكُم مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿النساء ۴۳﴾ سے وہابیہ کے خیال کے مطابق درست تسلیم کرنا ضروری تھا مگر حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے سب کچھ ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ تقلید کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ افسوس مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ دیکھنے سے تمہاری حالت کیوں بدلی۔

ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

چاروں میں مذاہب کا حصر ضروری ہے اور اس کے علاوہ دیگر مذاہب بدعت سیئہ ہیں

أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيَّ، يَقُولُ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ: لِتَنَمْ عَيْنُكَ، وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ، وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ، قَالَ: فَنَامَتْ عَيْنَايَ، وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ: فَقِيلَ لِي: سَيِّدٌ بَنَى دَارًا، فَصَنَعَ مَأْدُبَةً، وَأَرْسَلَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ، دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ، لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَطْعَمْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ، قَالَ: "فَاللهُ: السَّيِّدُ، وَمُحَمَّدٌ: الدَّاعِي، وَالدَّارُ: الْإِسْلَامُ، وَالْمَأْدُبَةُ: الْجَنَّةُ"۔

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس فرشتے آئے پس آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے کہا گیا کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی آنکھ سو جائے اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے کان سن لیا کریں۔ اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا دل سمجھ لیا کریں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان سنتے ہیں اور میرا دل جانتا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے کہا گیا کہ سردار نے ایک گھر بنایا جس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو ارسال کیا پس جس نے دعوت دینے والے کی بات مان لی اور گھر میں داخل ہو کر اس طعام سے کچھ کھایا تو سردار راضی ہوا۔ اور جس نے داعی کی بات نہ مانی اور گھر میں داخل نہ ہوا اور کچھ نہ کھایا تو سردار ناراض ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سید (سردار) ہے اور محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم داعی ہیں اور اسلام گھر ہے اور جنت (کی نعمتیں) کھانا ہیں۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ حدیث میں اسلام کو بلفظ دار چار جملوں میں تعبیر کیا ہے اور دار غالبا چار دیواروں سے محفوظ و محدود ہوتا رہتا ہے۔ تو ایسا ہی اسلام چاروں مذاہب سے محفوظ و محدود ہے۔ یہ فضل خداوندی ہے یہ حجۃ اقتناعیہ ہے۔

(۲) وقد انحصرت بشارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعلم الائمۃ الاربعۃ من العلماء منہم دون غیرہم۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے چاروں اماموں کے متعلق خصوصًا اپنی امت کو علمی بشارت دی ہے۔

(۱) روی البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و الشیرازی و الطبرانی عن قیس بن سعد بن عبادۃ و الطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس اھ۔ و اللفظ للبخاری قال

[1] (رواہ الدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۲۹)

الحافظ المحقق الجلال السیوطی ھٰذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارۃ بابی حنیفة رضی ا لله تعالی عنه وھو الظاھر بلاشک لانه لم یبلغ فی العلم مبلغه ولا مبلغ اصحابه احد من ابناء فارس اھ۔

ترجمہ: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ضرور فارس کے لوگوں میں سے چند اشخاص اس کو پالیں گے۔ (بعض روایات میں رجال (چند اشخاص) کی جگہ رجل (ایک آدمی) بھی مروی ہے)۔“[1]

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بشارۃ میں صحیح اور مضبوط دلیل ظاہر ہے۔ کیونکہ اہلِ فارس میں کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ یا ان کے شاگردوں کے علم کے برابر نہیں ہے۔

(۲) ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلایجدون اعلم من عالم المدینة اھ۔ قال العلماء عالم المدینة مالک رحمه الله تعالی۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب لوگ اونٹوں کے جگر مار کر علم حاصل کرینگے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا۔“[2]

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۳) ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاتسبوا قریشا فان عالمها یملأ الارض علمًا اھ۔ ھو حدیث حسن له طرق کثیرۃ وزعم بعضهم وضعه وزیغوہ وشنعوا علی زاعمه ومخترعه۔ قال العلماء عالم قریش الشافعی۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کو گالی نہ دیں اسلئے کہ قریش کا عالم ساری زمین کو علم سے بھر دیگا۔ یہ حدیث بہت طریقوں کی وجہ سے حسن ہے۔ موضوع ہونے کا خیال غلط ہے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش کے عالم صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔[3]

(۴) ان الامام الشافعی لما کان فی المصر رای فی المنام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول له بشِّرْ احمد بن حنبل رحمه الله تعالی بالجنة علی بلوٰی تصیبه فانه یدعی الی القول بخلق القرآن فلایجیب لذٰلک بل یقول ھو منزّل غیر مخلوق۔ فلما اصبح الشافعی کتب ما راٰہ فی المنام وارسله مع الربیع الی احمد بن حنبل فی بغداد۔ فلما دخل علیه قال ھٰذا کتاب اخیک الشافعی ففتحه وقراٰہ وبکی وقال ماشاء الله ولا قوۃ الا بالله ثم اخبرہ بما فیه اھ۔

ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب مصر میں تھے تو آپ نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل کو جنت کی بشارت دو۔ کیونکہ اس کو یہ مصیبت پہنچے گی کہ اسے قرآن کو مخلوق کہنے کیلئے دعوت دی

---

[1] (ملخصا، الخیرات الحسان: ص: ۶۳، ۱۴، علامہ شامی: ج: ۷: ۳۷: ۱، شرح المواھب)

[2] (الخیرات الحسان: ص: ۱۴)

[3] (الخیرات الحسان: ص: ۱۴)

جائے گی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا انکار کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ جو مخلوق نہیں۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ نے خواب کا واقعہ لکھ کر حضرت ربیع کے ہاتھ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارسال فرمایا۔ حضرت امام احمد پڑھ کر رونے لگے اور ماشآءاللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھ کر اس کی حضرت ربیع کو خبر دی۔[1]

واما الائمة الوهابية ابن تيميه وابن قيم وابن حزم ومحمد بن عبد الوهاب فلم يوجد البشارة في حقهم منه عليه الصلوٰة والسلام بل شَنَّعَ عليهم غاية التشنيع في الاحاديث الصحيحة منها! روى البخاري عن ابن عمر رضي الله عنهما في حديث البركة قوله ﷺ هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان اه۔

مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حزم اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کے حق میں کوئی بشارۃ نہیں۔ بلکہ بہت سی احادیث میں ان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہونگے۔ اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔

تو محمد بن عبد الوہاب نجدی جو متبعِ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم ہے اس نے اپنی کتاب "کتاب التوحید" وغیرہ میں ان کے اقوال بطورِ دلیل پیش کیے ہیں۔ **(العیاذ باللہ)**

(۳) ان اصحاب المذاهب الاربعة مدحهم الامة المرحومة اعتقادًا وعلمًا عملًا واخلاقًا على مافي كتبهم المعتمدة۔ واعترف الامة المرحومة بكونهم اهلا للاجماع باثبات الاجتهاد والعدالة لهم وبنفي البدعة والهواء والفسق عنهم كما في كتب علم اصول الفقه بحث الاجماع۔

ترجمہ: امت مرحومہ نے آئمہ مجتہدین اربعہ کا ازروئے عقیدۂ علم، عمل اور اخلاق کی تعریف کی ہے۔ جو معتبر کتابوں میں ہے۔ امت مرحومہ نے مان لیا کہ آئمہ اربعہ اصحاب اجتہاد وعدل ہو کر اجماع کے اہل ہیں۔ اور ان میں نہ بدعت ہے نہ فسق اور نہ خواہشاتِ نفسانی۔

واما الوهابية فهم ذو بدعة وهوًى وفسق ولم يمدحهم احد بحسن الاعتقاد كما في كتب الاصول بحث الاجماع وغيرها۔

ترجمہ: مگر وہابیہ فاسق اور مبتدع اور اہلِ ھواء ہیں۔ اور ان کی کسی نے بھی تعریف نہیں کی۔

(۴) ان مذاهبهم متواترة لما قالوا يجب ان لايختار في الدين طريقة الا ما ارتضاه السلف والخلف وتلقته الامة كلها بالقبول۔ وحصل اجماع العلماء على حقيقته عصرا بعد عصر وتواترت روايته ونقله ولم يوجد المتصف كذٰلك الا المذاهب الاربعة بخلاف غيرها فما ارتضاه ولاتلقاه ولم يوجد الاجماع عليه وماتواتر نقله مثلها فلايلتفت اليه ولايعوّل عليه۔

---

[1] (حیوۃ الحیوان ج ا ص ۶۸)

ترجمہ: چاروں مذاہب متواتر ہیں۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ اسلام میں کوئی طریقہ اختیار نہ کریں مگر وہ جس کو سلف و خلف نے پسند کیا ہو اور امت مرحومہ نے قبول کیا ہو۔ اور اس کی حقیقت پر ہر زمانہ کے حقانی علماء کا اجماع ہو۔ اس کا نقل متواتر ہو۔ پس یہی ساری باتیں (اصول) صرف مذاہب اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔ باقی مذاہب (وہابیہ کا ہو یا غیر کا) نہ پسند ہے۔ نہ قبول عام ہے۔ نہ اس پر اجماع ہے۔ نہ متواتر ہے۔ لہٰذا ان کی طرف التفات نہ کریں۔ اور نہ اعتماد کریں۔ [1]

(۵) لایجوز تقلید غیر الآئمۃ الاربعۃ لانھم عرفت قواعدھم وقد انطبقت بالنصوص وحرروا وھذبوا المسائل وفرعوھا حکما حکما وبینوا شروطھا وقیودھا۔ وبوّبوا الابواب وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتھا واوضحوا طرق النظر ودوّنوا المذاھب وخدمھا تابعوھم بالنقل المتواتر شرقا وغربا وجنوبا وشمالا بخلاف مذاھب غیرھم فی جمیع ماذکرت اھ۔

ترجمہ: آئمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان کے قواعد معروف ہیں۔ جن سے آیات واحادیث موافق ہیں۔ اور مسائل کو واضح اور صاف کیا ہے۔ مسائل کے شروط اور قیود کو بیان فرمایا ہے اور الگ الگ بابوں کو مقرر کیا ہے۔ اور مسائل کو اپنی فصلوں میں جمع کیا ہے۔ مجمل احکام کو مفصل کیا ہے۔ نظر کے طریقوں کو واضح کیا ہے۔ اور انہی مذاہب کو مروّج کیا ہے۔ آئمہ اربعہ کے تابعداروں نے اپنے اپنے مذاہب کی ایسی خدمت کی ہے جو نقل متواتر سے شرقاً غرباً جنوباً شمالاً پھیل گیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں ہیں۔ [2]

حصرِ مذاہب اربعہ پر اجماعِ امت ہے

(۱) انہ وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للآئمۃ الاربعۃ فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتھدًا مخالفا لھم اھ۔

''امت مرحومہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ تقلید جائز نہیں مگر چاروں اماموں کی۔ پس بعد میں جو مجتہد پیدا ہوئے جو آئمہ اربعہ سے مخالف ہیں تو ان کی تقلید جائز نہیں۔'' [3]

(۲) الاجماع قد حصل علی حقیقۃ المذاھب الاربعۃ وتخلف ذٰلک فیما سواھا وان الامۃ جمیعھا قد تلقت المذاھب الاربعۃ بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرھا اھ۔

---

[1] (فتوی الحرمین: ص: ۱۷، نہایۃ المراد شرح مقدمۃ ابن العماد، نظام الاسلام ثم مزیل الشبھات: ص: ۱۴، اطایب الصیب لسل ۱۰، الفتح المبین: ص: ۵۰۵)

[2] (فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر المکی: ص: ۵۰۵، فتوی الحرمین: ص: ۱۵، مزیل الشبھات ص ۱۳، تحریر الاصول، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، اطایب الصیب ص ۱۰)

[3] (اثنین وعشرون کتابا ذکرتھا فی اثبات التقلید)

ترجمہ: امت مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کی حقانیت پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ ساری امت نے مذاہب اربعہ کو قبول کر لیا ہے۔ یہ مقبولیت کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔[1]

(۳) الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذہب محدث بعد الآئمة الاربعة اہ۔

ترجمہ: بے شک امت مرحومہ کا اجماع منعقد ہوا کہ کسی نئے مذہب پر جو آئمہ اربعہ کے بعد پیدا ہوا ہے عمل نہ کریں۔

(قدمر نقلہ من اربعة کتب فی اثبات التقلید)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت اولیٰ وثانیہ میں ایجاب وسلب دونوں صریح الفاظ میں ہیں اور عبارت ثالثہ میں سلب صریح ہے۔

اور ایجاب ضمنی ہے۔ لہذا ایسی اجماع جیسا تقلید کا مثبت ہے ایسا حصر کا بھی ہے۔ اسی بناء پر دونوں جگہ ذکر ہوا۔

مذہب سے بحسبِ ظاہر مخالف آیت، حدیث پر عمل کرنے میں بہت زیادہ نقائص ہیں۔

(۱) فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴿ص ۲۶﴾

ترجمہ: لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکم کرتے رہو۔ اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ خدا کے راستے سے آپ کو بھٹکا دے گا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ خداوندِ قدیر نے حق اور ھویٰ کا مقابلہ کر کے ھویٰ کو ضلالت فرمایا۔ پس جب قرآن وحدیث اور اجماعِ امت نے مذاہب اربعہ کو حق قرار دیا تو ان کی مخالفت کرنے والا ھویٰ اور ضلالت کا تابع ہوا۔

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ فاحتلم فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصة فی التیمم قالوا ما نجدک رخصة وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی رسول اللہ ﷺ اخبرنا بذٰلک فقال ﷺ قتلوہ قتلھم اللہ الا سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال۔[2] (ترجمہ گزر چکا ہے)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اگر غیر مجتہد مطلق مستقل کو قرآن اور حدیث کے ظاہری ترجمہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تو انہوں نے تیمم کی آیت کے ظاہر ترجمہ پر فتویٰ دیا تھا مگر حضور ﷺ نے بہت زیادہ سختی سے ممنوع فرما کر ان صحابہ ذو اللسان خیر القرون والوں کو تقلید کا راستہ بتا دیا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ شر القرون غیر ذی اللسان محروم الصحبة والے صرف لفظی ترجمہ سے مجتہد ہو جاتے ہیں۔

---

[1] (قد نقلتہ عن عشرة کتب فی اثبات التقلید)

[2] (رواہ ابو داؤد، کذا عن ابن عباس اخرجہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب التیمم: ص: ۴۷)

(۳) عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ انہ اخذ عقلا ابیض و عقلا اسود حتی کان بعض اللیل نظر فلم یستبینا لہ فلما اصبح قال لرسول اللہ ﷺ جعلت تحت وسادتی خیطا ابیض و خیطا اسود قال ﷺ ان وسادتک لعریض ان کان الخیط الابیض و الخیط الاسود تحت وسادتک۔ الحدیث۔

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (جب آیت **کلوا واشربو حتی یتبین لکم الخیط الابیض الخ** نازل ہوئی تو) آپ نے ایک سفید اور ایک کالا ڈورا (دھاگہ) اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ رات کے کسی حصے میں دیکھا تو وہ دھاگے نظر نہ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ ڈورار کھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے اگر سفید اور سیاہ ڈورے (دن اور رات) تمہارے تکیے کے نیچے آ گئے۔[1]

(وجہ استدلال بعینہ وہی ہے جو ابھی گزرا ہے)

(۴) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر تحقیق کے کوئی فتویٰ دے دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔[2]

(۵) عن عبد اللہ بن عمر و ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ ﷺ اذا حکم الحاکم فاجتہد و اصاب فلہ اجران و اذا حکم فاجتہد و اخطأ فلہ اجر واحد۔

قال العلماء رحمہم اللہ تعالی اجمع المسلمون علی ان ھٰذا الحدیث فی حاکم عالم اھل للاجتہاد (الی قولہ) فاما من لیس باھل للحکم فلایحل لہ الحکم فان حکم فلااجر لہ بل ھو آثم ولاینفذ حکمہ سواء وافق الحق ام لا۔ لان اصابتہ اتفاقیۃ لیست صادرۃ عن اصل شرعی فھو عاصٍ فی جمیع احکامہ وافق الصواب ام لا۔ وھی مردودۃ کلھا ولایعذر فی شئ من ذٰلک اھ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مجتہد حاکم اجتہاد سے صحیح حکم بتائے گا اس کو دوگنا اجر ملے گا اور جب حکم خطا صادر ہوگا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ یہ حدیث اس عالم کے بارے میں ہے جو اجتہاد کا اہل ہے۔ مگر وہ آدمی جو اجتہاد کا اہل نہ ہو پس اس کو حکم اجتہادی کرنا ناجائز ہے۔ اگر اجتہاد کر کے کوئی حکم کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہگار ہوگا۔ اور حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ حق کے موافق ہو یا نہ ہو

[1] (اخرجہ الخمسۃ تیسیر کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: ص: ۴۲)

[2] (رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ کتاب العلم: ص: ۲۷)

کیونکہ یہ حکم کسی شرعی اصل پر مبنی نہیں۔ بلکہ اتفاق ایسا ہوا۔ وہ آدمی گناہگار ہے معذور نہیں اس کے سارے احکام مردود ہیں درست ہوں یا غلط۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ احادیث: نمبر ۴ اور نمبر ۵ کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد اگرچہ مُخطی ہو اس کو ثواب ملتا ہے۔ غیر مجتہد اگرچہ حق پر ہو آثم (گنہگار) اور اس کا فیصلہ مردود ہے تو ظاہر ہوا کہ مذہب کے مخالف آیت وحدیث پر (جو غیر مجتہد شرعی کی رائے میں مخالف ہوں) عمل کرنا گناہ اور کرنے والا مردود غیر معذور ہے۔

(۶) فالظاھر انھم رأوا دلیلاً ارجح مما رأہ حتی لم یعملوا بہ اھ۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے زیادہ قوی دلیل دیکھی ہو گی ان بعد والے لوگوں کی دلیل سے۔ اس وجہ سے آئمہ اربعہ نے اس دلیل مرجوح پر عمل نہ کیا۔[2]

(۷) کل نص خالف مذھب الامام فھو محمول علی النسخ او التاویل او الترجیح۔

ترجمہ: ہر نص آیت ہو یا حدیث جو امام کے مذہب سے مخالف پایا گیا تو وہ یا منسوخ ہے یا مؤوّل اور یا مرجوح۔[3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا مقصود یہ ہے کہ جو آیت، حدیث جو مذہب سے (بظاہر) مخالف ہو تو ظاہر یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے قوی غیر منسوخ غیر ماول دلیل کو لیتے ہوئے اس آیت وحدیث کو منسوخ، ماول یا مرجوح قرار دیا ہے۔ تو اس پر عمل کرنا گناہ اور مردود ہو گیا۔

(۸) فلیس لاحد ان یقول انا أخذ بظاھر الحدیث واترک مانص علیہ مشائخ مذھبی اھ۔

ترجمہ: پس کسی (مقلد) کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میں حدیث کے ظاہر پر عمل کرتا ہوں اور اپنے مذہب کے علماء کے صریح اقوال کو چھوڑتا ہوں۔[4]

جس کا اجتہاد مطلق مستقل نہیں وہ آثم، مردود، غیر معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان گزر چکا ہے۔ لہٰذا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

(۹) فالادلۃ الاربعۃ انما یتوصل بھا المجتھد لا مقلد۔ اما المقلد فالدلیل عندہ قول المجتھد اھ۔

یعنی پس ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔ مقلد کی دلیل صرف مجتہد کا قول ہے۔[5]

---

[1] (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶، نووی شرح المسلم)

[2] (رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص: ۲۴)

[3] (حامدیہ: ص: ۳۶۸ وغیرہ کتب)

[4] (رسائل ابن عابدین: ج: ص: ص: ۲۳، عقد الجید لولی اللہ الدھلوی وبمعناہ قاضی خان رسم المفتی: ج: ۱، شرح برھان الآئمۃ علی ادب القضاء للخصاف کفایۃ الھدایہ، نور الھدیٰ، طحطاوی، فتح القدیر)

[5] (فتلویح مقدمہ ص ۴۴، بمعناہ فی مسلم الثبوت ص ۲، برھنہ ص ۳۸۲ کتاب الصوم، شاشی بحث الاجماع، شامی رسم المفتی)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب مقلد اپنی دلیل (قولِ مجتہد) کو چھوڑ کر مجتہد کی دلیل (آیت یا حدیث) پر عمل کرنا پسند کرے تو وہ غاصب ہو گیا۔

(۱۰) ولا تنظر الی قول من خالفهم ولا تقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ماصح وثبت وضده اه۔

ترجمہ: ہمارے آئمہ کے مخالف کے قول کو مت دیکھو اور دلیل کو مت مانو۔ کیونکہ ہمارے آئمہ نے سارے دلائل کو جان لیا اور صحیح وثابت اور اس کے مقابل میں تمیز کر دی ہے۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب ہمارے آئمہ ادلہ کے عارف وماہر، صحیح اور سقیم میں پوری تمیز کرنے والے ہیں تو ان کے مخالفین ضرور سقیم (کمزور) دلیل والے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے خلاف حدیث یا آیت پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

(۱۱) فانه يميل اليهم ويفتى بقولهم ولا يخالفهم برأيه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده ليس كاجتهادهم اه۔

ترجمہ: پس ہمارے اماموں کی طرف میلان کرے اور ان کے قول پر فتویٰ دے اور اپنی رائے سے اگرچہ مضبوط مجتہد ہو ہمارے اماموں سے مخالفت نہ کرے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کے برابر نہیں۔

(۱۲) فان الآئمة اعلم منه بالآثار والاخبار فلعلهم اطلعوا على مالم يطلع عليه ووصلوا الى مالم يصل اليه اه۔

ترجمہ: پس احادیث پر ہمارے اماموں کا علم دوسرے آئمہ کے علم سے بڑھ کر ہے، تو شاید ان کو وہ احادیث معلوم ہوں جو اور کسی کو معلوم نہ ہوں اور یہ آئمہ حضرات اس مقام تک پہنچے ہوں جس تک کوئی اور نہ پہنچا ہو۔[2]

(۱۳) فامامن ليس له رتبة الاجتهاد وهو حكم كل اهل العصر يفتى بمذهبه فلو ظهر له ضعف مذهبه لم يجز له ان يتركه مما يشكل عليه من الآية او الحديث يلزمه ان يقول لعل عند صاحب مذهبى جوابًا عن هٰذا۔ فانى لستُ مستقلا بالاجتهاد فى اصل الشرع اه۔

ترجمہ: پس وہ لوگ جن کو اجتہادی رتبہ حاصل نہ ہو (یہ حکم ہر زمانہ کیلئے ہے) تو اس کو اپنے امام کے مذہب پر حکم کرنا واجب ہے اور اگر اس کو اپنے ناقص ذہن میں اپنا مذہب ضعیف نظر آ جائے تو اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اور جس آیت وحدیث کی وجہ سے اسے اپنا مذہب ضعیف نظر آ جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے بارے میں یہ جواب دے کہ ہمارے

---

[1] (قاضی خان رسم المفتی، شرح برهان الائمة على ادب القضاء للخصاف ثم رسائل ابن عابدين: ج: ۲: ص: ۲۴)

[2] (رسائل ابن عابدين: ج: ۲: ص: ۲۴، نور الانوار بحث الاجماع: ص: ۲۲)

صاحب مذہب مجتہد مطلق مستقل کے پاس صاف جواب موجود ہے۔ کیونکہ میں اصل شرع میں مجتہد مطلق مستقل نہیں ہوں۔ تو مجھے جواب کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔[1]

(۱۴) لانہ (ای خلاف الراجح) اتباع للھویٰ اھ۔

ترجمہ: کیونکہ راجح قول کی مخالفت کرنا خواہشات نفسانی کی تابعداری کرنا ہے۔[2]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب قرآن، حدیث اور اجماعِ امت سے مذاہب اربعہ کی حقانیت ثابت ہوگئی تو مذہب کے خلاف جو تصور جس آیت یا حدیث سے غیر مجتہد کیلئے پیدا ہو جاتا ہے وہ صرف ھویٰ کی اتباع ہے۔

(۱۵) الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسہ او یفتی غیرہ ان یتبع القول الذی رجحہ علماء مذھبہ۔ فلایجوز لہ العمل او الافتاء بالمرجوح بالاجماع اھ۔

ترجمہ: وہ شخص جو خود عمل کرنے یا دوسرے کو فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اسی قول کی اتباع کرے جس کو اپنے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا بالاجماع ناجائز ہے۔[3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ راجح اور مرجوح دونوں امام کے اقوال تو ہوتے ہیں مگر راجح پر عمل کرنا واجب اور مرجوح پر حرام بالاجماع ہے۔ اور پھر خاص کر جب وہ آیت و حدیث جو امام کا قول بھی نہ ہو۔ تو اس پر عمل بالاجماع حرام ہے۔

(۱۶) غیر المجتھدین کالانعام و علیھم ان یقلدوا المجتھدین و لا یعتبر خلافھم فیما یجب علیھم من التقلید۔

یعنی غیر مجتہدین کی مثال چوپایوں جیسی ہے۔ ان پر فرض ہے کہ مجتہدین کی تقلید کریں اور جس چیز میں ان پر تقلید واجب ہے۔ اس بارے میں مجتہدین سے خلاف ناجائز ہے۔[4]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ چوپائے کو یہ مجال نہیں کہ آیت و حدیث پر خود اپنے سے عمل کریں۔

مذاہب کے زمانہ سے پہلے مذاہب موجود نہ ہونے کی دلیل

اس بات کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے مشت نمونہ خروار تحریر کرونگا۔

(۱) نقل امام الحرمین الاجماع علی منع تقلید العوام لاعیان الصحابۃ رضی اللہ تعالی عنھم و من بعدھم الا الذین وضعوا و دوَّنوا المذاھب و الاصول و الفروع و طبقوھا بالنصوص و حرروا و ھذبوا المسائل و الاصول و اوضحوا طرق النظر و بینوا الاحکام فرعا فرعا و شروطھا و قیودھا و فصلوھا و بوَّبوا الابواب و الفصول و الانواع و جمعوھا

[1] (احیاء العلوم کتاب العلم، بیان التلبیس فی المناظرۃ: ص: ۳۸)
[2] (رسائل ابن عابدین ج: ۱ :ص: ۵۲، ۱۰، فتح القدیر کتاب القضاء، شرح المنہاج للقاسم، بحر الرائق، شامی: ج: ۴: ص: ۳۳۸ قضاء)
[3] (فتاویٰ کبریٰ، زوایدالروضۃ ابن الصلاح و الباجی و القرانی و الامام ابو عمرو رسائل ابن عابدین: ج: ۱ :ص: ۱۱، ۱۰)
[4] (نور الانوار بحث الاجماع: ص: ۲۲۰)

وخدمها تابعوها ونقلوها نقلا متواترا شرقا وغربا وجنوبا وشمالا وھٰذا الامور مخصوصة بمذاھب الآئمة الاربعة ابی حنیفة والمالک والشافعی واحمد بن حنبل رضی اللہ عنھم اجمعین ولھٰذا ایضا منعوا تقلید الثوری والاوزاعی وداؤد الظاھری وغیرھم اھ۔

ترجمہ: امام الحرمین نے اپنی کتاب مغیث الخلق الی الحق میں اسی بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو جائز نہیں کہ معتبر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تقلید کریں۔ بغیر ان آئمہ کے کہ جنہوں نے مذاہب اصول وفروع کو وضع کرتے ہوئے مروّج کیا اور دلائل کے ساتھ مطابق کیا۔ مسائل اور اصول کو واضح اور صاف کیا۔ اور استدلال کے طریقوں کو ظاہر کیا اور الگ الگ احکام بیان کئے اور احکام کے شروط اور قیود کو مفصل بیان کرتے ہوئے اپنے بابوں اور فصلوں اور نوعوں میں تقسیم کر دیا اور ان آئمہ کے تابعداروں نے انہی احکام کی خدمت کی اور یہی احکام تواتر کے ساتھ نقل کر کے ساری دنیا کے کونے کونے تک شائع وذائع کئے۔ یہی امور صرف اور صرف ان چاروں اماموں ! امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مذاہب میں موجود ہیں۔ اس لئے امام ثوری، اوزاعی، داوٗد ظاہری وغیر ھم کی تقلید حرام اور ممنوع ہے۔[1]

جب صحابہ، تابعین، ثوری، اوزاعی رضی اللہ عنہم جیسے حضرات کی تقلید عوام کیلئے اس وجہ سے جائز نہیں کہ ان کی اجتہادیات میں امور مذکورہ موجود نہیں تو وہابیہ کی مشکوٰۃ خوانی سے کوئی نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے ؟

(۲) کان عوام الناس فی عھد الصحابة یستفتون مرة الصدیق ومرة الفاروق رضی اللہ عنھما من غیر نکیر اھ۔ (کتب الاصول وکتب الفقه والحدیث، مختصر الاصول وشرحه، مسلّم الثبوت وشرحه البحر وغیرھا) اقول کان ذٰلک قبل تدوین المذاھب الاربعة لاجل الضرورة لان اصول الصحابة ث لم تکن کافیة لعامة الوقایع ولا شاملة لکافة المسائل لانھم لم یتفرغوا الی التفریع والتفاریق والتفاصیل وتمھید الاصول والقواعد فلاجل ھٰذه الضرورة یحل للمقلدین الاستفتاء مرة من ھٰذا ومرة من آخر۔ واما بعد تدوینھا فکل واحد من المذاھب الاربعة مکتفل بمعرفة الکل فلا ضرورة الی اتباع الامامین اھ۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں عام لوگ کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھتے تھے اور اس پر کوئی انکار اور ممانعت نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوالی تردد چاروں مذاہب کی تدوین سے پہلے تھا ضرورت کی وجہ سے۔ (ضرورت کی دلیل) اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اصول وقواعد تمام وقایع کو کافی نہیں تھے، اور نہ سارے مسائل کو شامل تھے۔ (یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قصور علمی نہ تھی)

[1] (ملخصا، الفتح المبین لابن حجر المکی ص ۵۵، فتوی الحرمین ص ۱۵، تحریر الاصول، نظام الاسلام، مزیل الشبہات ص ۱۴، الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، اطایب الصیب، مجموعة الفتاوىٰ: ج ۱ ص ۲۲)

کیونکہ یہ حضرات استخراج مسائل اور پھر ان کی تمیز، تفصیل، توضیح، تبویب اور اصول و قواعد کی تربیت کیلئے فارغ نہ تھے۔ اسی ضرورت کی بناء پر مقلدین کو کبھی اس سے کبھی اس سے سوال کرنا جائز قرار پایا تھا اور جب مذاہب اربعہ مدوّن ہوئے تو ہر ایک مذہب تمام مسائل کیلئے کافی ہوا۔ اس لئے دو اماموں کی تقلید کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کو فرصت نہ ہوئی مذہب کے ضروریات کو مرتب کرنے کیلئے اور باطل فرقے نہیں تھے اور جو بھی ضروری حادثہ پیش آتا تو فوراً سوال کرنے سے حل ہو جاتا۔ (یہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ شرح عقائد النسفیہ کے اول میں مصرح ہیں) تو مذاہب آئمہ اربعہ کے زمانے سے پہلے موجود نہ ہو سکے۔

(۳) والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الٰهی وقبولیة من عندالله۔

اقول فی مثل هٰذا الفضل والقبولیة قال تعالی سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿مریم ۹۶﴾

فمن لم یرض به فلیموتوا بغضبهم ولا ابالی ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ﴿المائدة ۵۴﴾

ترجمہ: انصاف یہ ہے کہ چار میں مذاہب کا انحصار اور ان کی تقلید فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ نیک مؤمنوں کیلئے (نعمت اخروی کے علاوہ دنیا میں یہ نعمت عطا فرمائے گا) خلائق (مخلوق) کے دل میں محبت پیدا کردے گا جو شخص اس پر راضی نہ ہو اپنے غصہ سے مر جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ راہِ راست پر جانا خدا کا فضل ہے اور جسے چاہے اللہ تعالیٰ یہ فضل دیتا ہے۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب چار میں مذاہب کا انحصار اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ جسے چاہے اس کو اپنا فضل دے۔ اور جس کو چاہے مسلمانوں کو محبوب و مرغوب کرتے ہوئے قبولیت دے دے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۴) وهٰذا السوال من الوهابیة مثل سوال الکفار (فی عدم الرضاء بما فعل الله تعالی) فی قوله تعالی! 'وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿الزخرف ۳۱﴾

ترجمہ: وہابیہ کا یہ سوال کفار کے سوال جیسا ہے (کیونکہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے فعل پر راضی نہیں ہیں) کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ جیسا کہ کفار حضور اقدس ﷺ پر قرآن نازل ہونے سے منکر تھے اس لئے یہ کہا۔ اسی طرح وہابیہ آئمہ اربعہ کے مذاہب سے منکر ہیں۔ اس لئے یہی الفاظ کہنے لگے۔ آنے والی آیت کا بھی یہی قریب المفہوم ہے۔

قوله تعالی: "وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ" ﴿الانعام ۸﴾

[1] (تفسیر احمدی: ص: ۵۲۷)

ترجمہ: کفار کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے۔ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور اسی بناء پر چار مذاہب کو آئمہ اربعہ سے مخصوص کرتے ہوئے پہلے زمانہ میں موجود نہیں کیا۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہماری کتاب الاعتماد فی التقلید والاجتھاد کا مطالعہ کرے۔

(۴) باب نمبر چار: اہل سنت وجماعت کا فرقہ ناجیہ ہونے کا بیان

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ نجات پانے والا گروہ صرف اہل سنت وجماعت ہے اور باقی اہل نار ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک سے نیز علماء کرام محدثین عظام اور بزرگان دین کے اقوال مبارکہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدع۔

یعنی قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے اور بدمذہبوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔[1]

حدیث مبارکہ ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہوگا باقی بہتر گروہ دوزخی ہوں گے۔

یہ حدیث پاک بیان کر کے حضرت وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

فلاشک ولا ریب انھم اھل سنۃ والجماعۃ۔

یعنی اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ نجات پانے والی جماعت اہل سنت وجماعت ہے۔[2]

امام الاولیاء شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واما الفرقۃ الناجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ۔

یعنی نجات پانے والا گروہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے۔[3]

سیدنا امام ربانی مجدد منور الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

شیخ (پیر) اپنے مریدوں کو اس بات کی نصیحت کرے کہ وہ اپنے عقائد نجات پانے والی جماعت یعنی اہل سنت وجماعت کے موافق رکھیں اور اس بات کی تاکید کرے کہ وہ فقہ کے ضروری احکام سیکھ کر ان پر عمل کریں کیونکہ اس راہ میں بغیر ان دو پروں یعنی عقیدہ اور عمل کے اڑنا محال ہے۔[4]

---

[1] (تفسیر مظھری سورۃ آل عمران زیر آیۃ مبارکہ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ)
[2] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)
[3] (غنیۃ الطالبین)
[4] (مبداء معاد)

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دوسرا ارشاد مبارک:

اصل مقصد یہ ہے کہ ہمیں عقائد اہلسنت وجماعت عطا ہوئے اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر ہمیں یہ احوال و مواجید عطا کیے جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اگر یہ احوال ومواجید نہ بھی ملیں تو ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد کو کافی جانتے ہیں کیونکہ جب یہ دولت ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کیونکہ احوال ومواجید جو بغیر عقیدہ اہلسنت وجماعت کے ہوں ہم اسے استدراج اور سراسر خرابی جانتے ہیں۔[1]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا تیسرا ارشاد گرامی:

آدمی کیلئے اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق عقیدہ رکھنے کے سوا چارہ نہیں تاکہ آخرت کی کامیابی اور نجات حاصل ہو کیونکہ اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھنا زہر قاتل ہے جو کہ ہمیشہ کی موت اور دائمی عذاب کا سبب ہے۔ عمل میں کوتاہی ہو تو نجات کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اگر عقیدہ میں کوتاہی ہو تو بخشش کی گنجائش نہیں رہتی۔[2]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چوتھا فرمان ذیشان

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

دین کے دو جزو ہیں (عقیدہ)(عمل) لیکن عقائد دین کے اصولوں میں سے ہیں اور اعمال فرع ہیں لہذا جس کے عقائد درست نہیں وہ نجات نہیں پاسکتا اور اس کے حق میں عذاب الٰہی سے خلاصی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں جس کے عقائد درست ہوں اگر اعمال صالحہ نہ ہوں اس کی نجات کی امید کی جاسکتی ہے۔[3]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا پانچواں ارشاد گرامی:

پس چاہیئے کہ اپنا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کے مطابق رکھے اور زید وعمرو کی بات پر کان نہ دھرے دوسروں کی لفاظیوں اور بناوٹی باتوں پر اعتبار کرنا اپنی آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔[4]

---

[1] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلدسوم

[2] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۱۷ جلدسوم

[3] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۱۷ جلدسوم

[4] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۵۱ جلداول

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا چھٹا فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

اہلسنت وجماعت جو کہ نجات پانے والی جماعت ہے کی پیروی کے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہوئی تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور یہ بات کشف صحیح سے بھی یقین کے درجے تک پہنچ چکی ہے اس لئے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے پس خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اہلسنت وجماعت کی پیروی کی توفیق ملی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہو اور ہلاکت ہے ان لوگوں کیلئے جو اہلسنت وجماعت کے خلاف چلے اور ان سے منہ موڑا اور ان کی جماعت سے نکل گئے اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔[1]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ساتواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

عقلمندوں پر پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اہلسنت وجماعت کے مطابق اپنے عقائد درست کریں کیونکہ اہلسنت وجماعت ہی جنتی گروہ ہے۔[2]

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا آٹھواں فرمان ذیشان:

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا:

حاصل کلام یہ ہے کہ نجات کا راستہ اقوال میں افعال میں اصول میں فروع میں اہلسنت وجماعت کے ساتھ مطابقت رکھنا ہے کیوں کہ یہی جنتی گروہ ہے اور اہلسنت وجماعت کے سوا جتنے گروہ ہیں وہ ہلاکت کے کنارے پر ہیں آج اس کو کوئی جانے نہ جانے مگر کل قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا مگر اس وقت کا جاننا کام نہ آئے گا یا اللہ ہمیں بیدار کر اس سے پہلے کہ ہمیں موت بیدار کرے۔[3]

---

[1] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۵۹ جلد دوم

[2] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۲۶۲ جلد اول

[3] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۴ جلد اول

سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا نواں ارشاد گرامی:

اللھم ثبتنا علی معتقدات اھل السنۃ والجماعۃ وامتنا فی زمرتھم واحشرنا معھم۔

یا اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اسی گروہ کے ساتھ موت دے اور ہمارا حشر اسی جماعت کے ساتھ کر۔[1]

اے میرے عزیز! اے میرے آقا کے بھولے بھالے امتی! ذرا غور کرو اور سوچ پھر سوچ کہ اس ولیوں کے ولی نے عقائد اہلسنت وجماعت پر اتنا زور کیوں دیا ہے یہ اس لئے کہ کہیں ہم لوگ دوسروں کی بناوٹی باتیں سن کر ان کے پیچھے نہ لگ جائیں اور اپنی آخرت تباہ نہ کر بیٹھیں۔ فافھم ولا تکن من الممترین۔

وکیل احناف، عظیم محدث اور فقیہ ملا علی قاری مرقاۃ المفاتیح میں لکھتے ہیں:

فَلَاشَکَّ وَلَا رَیْبَ أَنَّھُمْ ھُمْ أَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ۔

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہی لوگ اہل سنت وجماعت ہیں۔

اس حدیث شریف کے تحت لکھتے ہیں:

(لا تجتمع ھذہ الامۃ علی الضلالۃ) المراد ما علیہ اکثر المسلمین۔

ترجمہ: (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اس سے مراد مسلمانوں کی اکثریت ہے۔[2]

عظیم مفسر اسماعیل حنفی حقی علیہ الرحمۃ میں لکھتے ہیں:

ولکني علی مذھب أھل السنۃ والجماعۃ شریعۃ وطریقۃ ومعرفۃ وحقیقۃ فاعرفوني ھکذا واشھدوا لي بھذا في الدنیا والآخرۃ فھذا وصیتي۔

ترجمہ: لیکن میں اہل سنت وجماعت کے مذہب پر ہوں باعتبار شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت۔ اور یہی میری وصیت ہے کہ مجھے پہچان لو اسی راستے پر اور میرے لئے گواہی دے دو دنیا و آخرت میں اسی اقرار کے ساتھ۔[3]

وفی "التوضیح" السواد الاعظم عامۃ المسلمین ممن ھو امۃ مطلقۃ والمراد بالامۃ المطلقہ اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقھم طریق الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دون اھل البدع۔ (البراھین)

ترجمہ: اور توضیح میں ہے: سواد اعظم عامۃ المسلمین ہیں جس کو امت مطلقہ کہا گیا ہے اور مراد امت مطلقہ سے اہل سنت وجماعت ہے اور اہل سنت وجماعت وہ لوگ ہیں، جن کا طریقہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا طریقہ ہو (یعنی جو

---

[1] مکتوبات مجددیہ مکتوب ۶۷ جلد دوم

[2] (المرقاۃ، ج ۱، ص ۴۴۹)

[3] (تفسیر روح البیان، ج۵، ص ۱۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقۂ مبارک پر چلے) نہ کہ اہلِ بدعت کے طریقہ پر۔

الشیخ العلامہ احمد الطحطاوی لکھتے ہیں:

فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله وحفظه وتوفیقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم۔

ترجمہ: پس تم پر فرقۂ ناجیہ کی اتباع لازم ہے جو کہ اہل سنت وجماعت کے ساتھ مسماۃ ہے، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہل سنت وجماعت کی موافقت میں ہے، اور پھسلنا اور غضب اور قہرِ خداوندی ان کی مخالفت میں ہے۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

الفرقة الناجیة هم الآخذون فی العقیدة والعمل جمیعًا بما ظهر من الکتاب والسنة جری علیه جمهور الصحابة والتابعین وان اختلفوا فیما لم یشتهر فیه النص ولا ظهر من الصحابة اتفاق علیه استدلالا منهم ببعض ما هنالک او تفسیر المجملة وغیر الناجیة کل فرقة انتحلت عقیدة خلاف عقیدة السلف او عملا دون اعمالهم قوله ﷺ: لا تجتمع هذه الامة علی الضلالة، الخ۔

ترجمہ: جو گروہ نجات یافتہ ہے وہ گروہ ہے جو اس عقیدے پر عمل کرنے والا ہے جو قرآن واحادیث سے ظاہر ہو۔ اور اسی راستے پر جمہور صحابہ کرام اور تابعین گئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور غیر ناجیہ وہ گروہ ہے جو عقیدۂ سلف صالحین کے برخلاف چلے اور اس کا عمل سلف صالحین کے عمل کا مخالف ہو۔ اس لئے کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔[2]

غیر مقلد ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فإن اهل السنة والجماعة تتضمن النص والجماعة تتضمن الاجماع، فاهل السنة والجماعة هم المتبعون للنص والإجماع، الخ۔

ترجمہ: بے شک اہل سنت لفظ کے ساتھ متضمن ہے اور جماعت لفظِ اجماع کے ساتھ متضمن ہے، لہٰذا اہل سنت وجماعت وہ لوگ ہیں جو نص اور اجماع کو مانیں۔[3]

[1] (جامع الکمالات العلمیة والمسائل الاختلافیة، ص ۲۳۷)

[2] (حجة الله البالغة، ج ۱، ص ۷۰)

[3] (منهاج السنة، ج ۳، ص ۲۷۲)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک:

فعلیکم یا معشر المؤمنین اتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فان نصرة اللہ تعالیٰ وحفظه وتوفیقه فی موافقھم وخذلانه وسخته ومقته فی مخالفتھم وھذه الطائفة الناجیة قداجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة وھم المالکیون والحنفیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجامن ھذه المذاھب الاربعة فی ذلک الزمان فھومن اھل البدعة والنار حاشیة الدر المختار المسماة بطحطاوی کتاب الذبائح ثم الفتح المبین فی کشف مکائدغیر المقلدین ص۷۵۷- ۱۵۴، المقاصدالسنیة ص ۵۶۔

یعنی اے مسلمانو!تم پر اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے(کیوں کہ)یہ فرقۂ ناجیہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور مصیبتوں سے نجات تب ہی حاصل ہوگی جب مسلمان ان چاراماموں کی اتباع کریں گے اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گاسواللہ تعالیٰ جل جلالہ اس پر سخت ناراض ہو گا نیز اس پر اپنا قہر نازل فرماتا ہے،اور (مخالفت کرنے والے کیلئے) ذلت ورسوائی ہے،اور فرقہ ناجیہ بلاشبہ تمام کے تمام مذاہب اربعہ (چاروں مذاہب) پر جمع ہو چکے ہیں،وہ چار مذاہب یہ ہیں:

(۱)مالکی (۲) حنفی (۳)شافعی (۴) حنبلی

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں جو مذاہب اربعہ سے خارج ہو وہ بدعتی اور جہنمی ہے نیز صاحب فتح المبین رقم طراز ہیں:

فلذلک تری ان الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فی المذاھب الاربعة قداجتمعت لان الشریعة من غیر ھذه المذاھب فی الدنیاماوجدت واطاعة احکام الشریعة للناس قدفرضت فان لم یحتست ھذه المذاھب الاربعة للشریعة معتبرةفالشریعة فی الدنیاعدمت۔

علامہ لکھتے ہیں اس وجہ سے تمام مسلمان انہی مذاہب (اربعہ) کو اختیار رکھے ہوئے ہیں (کیوں کہ اہلسنت وجماعت یہ نجات والی جماعت ہے۔)شریعت مطہرہ ان مذاہب اربعہ کے علاوہ پائی ہی نہیں جاتی ۔(مسلمان یاتو حنفی ہے یامالکی یاشافعی یا حنبلی) چونکہ شریعت اسلامیہ کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے(اطاعت کیلئے ضروری تھا کہ ایسے مجتہدین کو تلاش کیا جائے جنہوں نے اجتہاد کرکے شریعت کی راہ متعین کی ہو جن مجتہدین نے اجتہاد کرکے شریعت کی راہ متعین کی ہے وہ مجتہدین چار ہی ہیں امام اعظم ،امام مالک ،امام شافعی،امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔) اگر مذاہب اربعہ (حنفی ،مالکی، شافعی، حنبلی) کو اخذ شریعت میں معتبر نہ مانا جائے تو دنیا سے شریعت مطہرہ معدوم ہو جائے گی۔[1]

[1] (الفتح المبین فی کشف مکائدغیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصدالسنیہ ص۵۷)

اہل سنت وجماعت کی اتباع واجب ہے:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنَّ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا ومن هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وأصحابي۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی سب کے سب فرقے جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ وہ ایک فرقہ (ناجیہ) کون سا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ (لوگ) جو میرے اور میرے صحابہ کے عقیدہ و عمل پر ہیں۔[1]

سیدنا امام احمد اور ابو داؤد حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

وَأَبِي دَاوُدَ عَنْ مُعَاوِيَةَ: ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دخله۔ رواه الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ و شرح عقائد الجلالی ج ۱ ص ۱۹۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بہتر فرقے جہنمی ہیں اور ایک جنتی وہ ایک فرقہ (ناجیہ جو جنتی ہے) (اہل سنت) وجماعت ہے۔

مفسر قرآن علامہ شیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وستفرقون ثلاثا وسبعون فرقة ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة والمراد بالفرقة الواحدة اهل السنة والجماعة۔ تفسیر الصاوی ج ۲ پارہ بارہ سورۃ هود رکوع ص ۲۳۱ رکوع ۱۰۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب تم تہتر فرقوں میں بٹ جاؤ گے بہتر داخل جہنم ہوں گے مگر ایک فرقہ جنتی ہو گا (ایک فرقہ جو جنتی ہو گا) سے اہل سنت وجماعت مراد ہیں۔

حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ بادشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

لکن بالتحقیق والصدق فمن کان علی طریق السنة والجماعة۔

لیکن تحقیق اور سچائی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اہل سنت وجماعت کا طریقہ درست ہے۔[2]

---

[1] (رواه الترمذی ثم مشکوۃ اعتصام فصل دوم ص ۲۲ و شرح عقائد الجلالی ج ۱ ص ۱۹)

[2] (تفسیرات احمدیہ ص ۲۳۷)

صاحب تفسیر مواہب الرحمن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اہل سنت سچا مذہب ہے۔[1]

خاتم المفسرین علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وعلی اللہ قصد السبیل۔

پارہ چودہ سورۃ النحل کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قصد السبیل ھو دین الاسلام والسنۃ والجماعۃ۔

بے شک دین اسلام ہی سیدھا راستہ (طریقہ) ہے اور وہ راستہ (طریقہ) اہل سنت وجماعت کا طریقہ ہے۔[2]

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فان اھل السنۃ قد افترق بعد القرون الثلاثۃ او الاربعۃ علی اربعۃ مذاھب ولم یبق مذھب فی فروع المسائل سوی ھذہ الاربعۃ فقد انعقد الإجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلھم۔

کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت چار مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی پر جمع ہوا ہے اور جو شخص ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت ونار ہے۔[3]

امام المحدثین علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسماعیل فقیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو احمد حاکم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: ای الفرق اکثر نجاۃ عندکم۔ تمہارے نزدیک کونسا فرقہ نجات پانے والا ہے پس انہوں نے ارشاد فرمایا: اہل سنت۔[4]

غیر مقلدین کے امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن باز اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

العقیدۃ الصحیحۃ التی بعث اللہ بھا رسولہ محمدا ﷺ وھی عقیدۃ الفرقۃ الناجیۃ اھل السنۃ والجماعۃ۔[5]

اس طرح ابن تیمیہ اپنی کتاب العقیدۃ الواسطہ میں لکھتے ہیں:

امابعد فھذا اعتقاد الفرقۃ الناجیۃ المنصورۃ الی قیام الساعۃ اھل السنۃ والجماعۃ۔[6]

اس طرح مولوی وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

اما الاحناف والشوافع والمالکیۃ والحنابلۃ فھم مسلمون داخلون فی زمرۃ اھل السنۃ والجماعۃ۔[7]

---

[1] (تفسیر مواھب الرحمن الجزء التاسع ص ۱۶۳)

[2] الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۵۰۵، المقاصد السنیہ ص ۵۷۔

[3] تفسیر مظھری ج ۲ ص ۶۴ سورۃ آل عمران آیت ۶۴۔

[4] شرح الصدور ص ۱۱۹۔

[5] مجموع الفتاویٰ ص ۲۴۔

[6] العقیدۃ الواسطیہ مع شرحہ ص ۹۔

[7] نزول الابرار ص ۹۔

دوسرے مقام پر اہل سنت وجماعت تشریح کرتے ہیں:

هم اهل السنة والجماعة لأن السنة هو الحديث والجماعة عبارة عن الصحابة والتابعين فهم على طريقهم۔[1]

الحمد للہ! اہل سنت وجماعت کی حقانیت وناجیت پر مخالفین نے بھی گواہی دی تھی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اگر تمام احوال ومواجید ہمیں عطا کر دیے جائیں لیکن اہلسنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کیا جائے تو ہم اسے سراسر خرابی سمجھتے ہیں اور اگر تمام خرابیاں ہم پر جمع کر دی جائیں اور ہم اہلسنت وجماعت کے عقائد سے سرفراز کر دیے جائیں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں۔[2]

حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا پس جو تمام جہانوں کی غذا ہے یعنی عقائد اہلسنت وجماعت اسے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ہر کوئی اس عقیدے کو اپنے دل میں جگہ کیوں کہ یہ عقیدہ اس کی سعادت کا بیج ہو گا۔

خواجہ عبد الشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ حدیث پاک بیان کر کے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک گروہ جنتی ہو گا باقی سب دوزخ جائیں گے فرمایا وھی اھل السنة والجماعة یعنی وہ نجات پانے والی جماعت اہلسنت وجماعت ہے۔

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا ارشاد مبارک:

آپ نے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا ولی کی دیگر علامت یہ ہے کہ وہ طریق میں داخل ہونے سے پہلے عقائد اہلسنت وجماعت سے واقف ہو۔[3]

حضرت خواجہ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ان لا يفتح على العبد الا اذا كان على عقيدة اهل السنة والجماعة وليس لله ولى على عقيدة غيرهم ولو كان عليها قبل الفتح لوجب عليه ان يتوب بعد الفتح ويرجع الى عقيدة اهل السنة۔

[1] نزول الابرار ص ۸۔
[2] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ۔
[3] انوار قدسیہ۔

یعنی کسی ایسے بندے کو جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ نہ ہو اسے ولایت نہیں مل سکتی اور کوئی ولی ایسا نہیں جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ولایت عطا کرنا چاہے تو اس بندے پر واجب ہو گا کہ وہ اہلسنت وجماعت کے عقائد کو اپنائے۔[1]

خواجۂ خواجگان خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ذیشان:

فرمایا ہمارے طریقے کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:

۱۔ اہلسنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا ۲۔ دوم آگاہی ۳۔ عبادت

لہذا اگر کسی کو ان تینوں چیزوں میں سے ایک میں خلل آجائے تو وہ ہمارے طریقے سے خارج ہو جائے گا۔[2]

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارک:

عقیدہ اہلسنت وجماعت کا ملتزم ہو کر حدیث وفقہ سیکھنا چاہیئے۔[3]

اور یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جو لوگ عقائد اہلسنت وجماعت سے الگ ہو کر قرآن وحدیث سیکھتے ہیں وہ گمراہی میں دھکیلے جاتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید خود فرمارہا ہے:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ (البقرة ۲۶)

نیز بزرگان دین کا ارشاد ہے:

الاحادیث مضلة الا الفقها۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں سے بچائے۔[4]

حضرت خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: عقیدہ اہلسنت وجماعت کو لازم پکڑو۔[5]

قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ کا فرمان عالی شان ہے:

المراد بالسواد الاعظم هم من كان اهل السنة والجماعة ولو واحدا فاعلم ذلك۔

---

[1] (الابریز ص ۲۴)

[2] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[3] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

[4] اقامة القيامة۔

[5] حالات مشائخ نقشبندیہ۔

یعنی سواد اعظم سے اہلسنت وجماعت مراد ہیں خواہ وہ ایک ہی ہو۔ اے عزیز اس کو جان لے۔[1]

ظاہر ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب آتی جائے گی اہل سنت کم ہوتے جائیں گے اور بدمذہب زیادہ ہوتے جائیں گے جیسے کہ ارشاد گرامی: ثم لایزالون یخرجون۔ قیامت کے نزدیک بدعقیدہ لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اس بات کو دیکھ کر کچھ لوگ بغلیں بجاتے ہیں کہ دیکھو ہم زیادہ ہیں لہذا سواد اعظم ہم ہیں اس کے پیش نظر اس ولیوں کے ولی امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ نے فرمایا کہ اہلسنت وجماعت ہی سواد اعظم ہیں خواہ وہ ایک رہ جائے۔

خواجہ خواجگان خواجہ محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ کی دعا:

اللھم امتنا علی السنۃ و الجماعۃ و الشوق الی لقائک یا ذالجلال و الاکرام۔

یعنی یا اللہ ہمیں اہلسنت وجماعت کے عقائد پر اور اپنے دربار حاضری کے شوق پر موت دے یاذوالجلال والاکرام۔[2]

خواجہ خضر اور خواجہ الیاس نیز تمام اولیائے کرام مسلک اہلسنت پر ہیں۔

قطب زمان خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ نے فرمایا:

واضح ہو کہ خواجہ خضر اور خواجہ الیاس کے نزدیک سب کے سب اولیائے کرام خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب وہ سب مسلک اہلسنت وجماعت پر ہیں۔[3]

مندرجہ بالا (۲۴) ارشادات مبارکہ پیش کئے ہیں۔ مسلمان بھائیوں کی خدمت میں خیر خواہی کے طور پر اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مندرجہ بالا ارشادات عالیہ کو غور سے پڑھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر سیدھے جنت پہنچ جائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی حبیبہ سید الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

سوال: بہت ساری مذہبی جماعتیں دعویٰ کرتی ہیں کہ اہلسنت وجماعت ہم ہیں لہذا بتایا جائے کہ ہمارے پاس کونسا معیار ہے جس سے دیکھ سکیں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے؟

جواب: اگر بوتل میں شراب یا پیشاب بھرا ہو اور اس پر خوش نما لیبل لگا دیا جائے شربت روح افزا کا تو صرف لیبل لگانے سے اندر کی چیز شربت روح افزا نہیں بن سکتی بلکہ معیار صداقت خوشبو اور پاکیزگی ہے۔

[1] میزان شریعت کبریٰ۔
[2] دلائل الخیرات ص ۵۰۔
[3] رسالہ ابدالیہ۔

یوں ہی اگر دل میں حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کا بغض اور بے ادبی بھری ہو اور اس پر اہلسنت وجماعت کا خوشنما لیبل لگا دیا جائے تو صرف لیبل لگانے اور دعویٰ کرنے سے اہلسنت وجماعت نہیں بن سکتا بلکہ خالص اور صحیح اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کے قلم اور زبان سے رحمت کائنات والیٔ دوجہاں ﷺ کی عظمت اور محبت کی خوشبو آئے۔

جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم شفیع اعظم ﷺ کا بغض بھرا ہوا تھا وہ حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر دعوے کرتے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

اصلی اہل سنت کی علامت:

آج کل دیوبندی، وہابی، غیر مقلد حضرات بھی اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں شب وروز مصروف ہیں۔ سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل سنت کی نشانی جو بتائی ہے اس نشانی کو امت محمدیہ ﷺ کے عظیم مرتبت آٹھویں صدی کے مجدد علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف القول البدیع فی الصلوۃ الحبیب الشفیع میں درج فرمایا ہے:

علامۃ اھل السنۃ کثرۃ الصلوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اہل سنت کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں۔[1]

ناظرین حضرات! دیوبندیوں اور وہابیوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہو گا کہ اذان کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہیئے۔ نماز کے بعد درود شریف نہ پڑھنا چاہئیے۔ تقریر کے بعد صلوۃ وسلام نہ پڑھنا چاہئیے بلکہ وہ اس پر بدعت کے فتوے صادر کرتے ہیں۔ ان کے ایسا کرنے اور پابندی لگانے سے اظہر من الشمس ہے کہ وہ درود شریف کثرت سے پڑھنے سے احتراز کرتے ہیں۔ پڑھنے والوں پر فتوے لگاتے ہیں بلکہ درود شریف کو بند کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی مسجدوں میں تنازعہ، جھگڑا اور اختلاف برپا ہے۔

اس لئے وہ اہل سنت نہیں ہیں بلکہ اصلی اہل سنت وہ ہیں جو کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں اور وہ اہل سنت (بریلوی) حضرات ہی ہیں۔ جب جعلی اور نقلی اہل سنت عوام میں رونما ہوئے اور عقائد حقہ کا غلاف سر گرم عمل ہوئے۔ تب سے اصلی اہل سنت وجماعت والوں نے عوام کو ان جعلی اور نقلی لوگوں سے بچانے کیلئے اہل سنت وجماعت کے آگے بریلوی کا لفظ استعمال کرنا پڑا ہے۔

---

[1] القول البدیع ص ۵۲۔

نقلی اہل سنت وہابی دیوبندی حضرات کے مقتداء کا حیاء سوز کارنامہ حرم شریف کے مفتی اور امام علامہ سید احمد بن ذنی وچالان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابوحامد بن مرزوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیوبندیوں اور وہابیو ں کے مقتداء محمد بن عبد الوہاب علیہ ماعلیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہاب درود شریف سے منع کرتا تھا اور سننے سے ناراض ہوتا تھا جو ایسا کرتا تھا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو کہ ایک صالح شخص اور خوش آواز موذن تھا اس کو بعد اذان مینار ہ پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا۔ موذن نہ مانا اور اس نے درود شریف پڑھا تو اس کو قتل کرنے کا حکم دے کر قتل کرادیا اور کہا زانیہ کے گھر میں رباب وچنگ کا گناہ مینارہ پر درود شریف پڑھنے سے کم ہے۔ دلائل الخیرات شریف جو کہ درود شریف کی کتاب ہے وغیرہ اور دیگر کتب درود شریف کو جلادیا۔[1]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

آنچہ غذائی جہان است یعنی عقائد اہلسنت والجماعت آنرا بیان کنند تا ہر کس ایں را خود جا دہد زیر آنچہ عقائد اہل سنت والجماعت کیمیائے سعادت است۔[2]

مفسر شیخ اسماعیل حقی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولکنی علی مذهب اهل السنة والجماعة شریعة وطریقة ومعرفة وحقیقة فعرفونی هکذا واشهدوا لی بهذا فی الدنیا والآخرة فهذه وصیتی۔

یعنی میں اہل وسنت وجمات کے مذہب پر ہوں شریعت طریقت معرفت اور حقیقت کے اعتبار سے پس مجھے پہچان لو اسی راستے پر اور میرے لیے گواہی دے دو اس اقرار پر دنیا اور آخرت میں یہ میری وصیت ہے۔[3]

آخر میں مذہب حق اہل سنت وجماعت کے عقائد کو بالاختصار درج کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ عقائد من گھڑت اور بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ ان کا ثبوت قرآن، احادیث اور سلف صالحین کی مستند کتابوں میں درج ہے۔

عقائد دربیان خدا تعالیٰ جل جلالہٗ

عقیدہ ۱:

اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، وہی رازق ہے وہی خالق ہے وہی شافی ہے وہی کافی ہے۔ وہی معین ومددگار ہے وہی سمیع وبصیر ہے وہی حیی وقیوم ہے۔ اسی کی شان ہے۔ **اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ**

[1] الدرر السنة ص ۵، التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص ۲۴۴، فرقہ ناجیہ ص ۳۹

[2] کیمیائے سعادت۔

[3] روح البیان ج ۵ ص ۱۰۱۔

شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰) اس کی شان ہے۔ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس ۸۲) اس کی ہر صفت ذاتی ہے اور مخلوق کی ہر صفت عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت عطائی نہیں ہو سکتی مخلوق کی کوئی صفت ذاتی نہیں اور یہ وہ حد فاصل ہے جس پر توحید کا مضبوط ترین محل قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں رسولوں اور ولیوں کے علم ہے تو اللہ تعالی کا عطا کردہ ہے۔ اختیار رہے تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تصرف ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ یعنی ان حضرات کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدہ ۲:

عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا کفر ہے شرک ہے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (النساء ۴۸) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

لیکن عبادت اور چیز ہے اور تعظیم و توقیر اور چیز ہے۔ تعظیم و توقیر کو عبادت قرار دینا یہ سراسر حماقت ہے۔

مرزا غالب نے سچ فرمایا:

الفت کو احمقوں نے پرستش دیا قرار

یعنی ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے نبیوں ولیوں سے محبت کرتے ہیں ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں تو احمق لوگ کہتے ہیں تم نبیوں ولیوں کی عبادت کرتے ہو اور یہ وہ کجروی ہے جس نے امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے بلکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی عبادت اور تعظیم کا الگ الگ مفہوم بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ سورۃ حج میں ہے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (۳۱) ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

عقیدہ ۳:

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور ساری خدائی اسی کی محتاج ہے وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا۔ **لایسئل عمایفعل وھم یسئلون۔**

عقیدہ ۴:

عقائد در بیان انبیاء علیہم السلام: اللہ تعالیٰ کے سارے نبی، رسول برحق ہیں سچے ہیں معصوم ہیں ان سب نبیوں، رسولوں میں سے سب سے افضل، سب سے اکمل، سب سے اجمل، سب سے اشرف، سب سے امجد، سب سے اشہر، سب سے اولی، سب سے اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی محمد مصطفےٰ ﷺ ہے آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی پیدا نہیں ہو سکتا نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی۔ لہذا جو شخص یہ کہے کہ حبیب خدا محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی پیدا ہو سکتا ہے وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو کوئی اس کو کافر نہیں کہے وہ خود کافر ہے۔

عقیدہ ۵:

حضور ﷺ سراپا نور ہیں اور بے مثل بشر ہیں: **محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر۔**

عقیدہ ٦:

ساری امتوں میں سے حبیب خدا سید انبیاء ﷺ کی امت افضل ہے اور اس امت میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سب سے افضل ہیں اور ان صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں۔ علی ترتیب الخلافۃ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب عادل ہیں متقی ہیں پرہیزگار ہیں۔ **الصحابہ کلھم عدول صغیرھم و کبیرھم۔**

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں مرتبہ میں اگرچہ سیدنا مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہیں ان دونوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خلفاء راشدین میں سے ہیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں۔ کوئی ولی غوث کوئی قطب کوئی امام کوئی قلندر کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا جو شخص کسی بھی صحابی کی شان میں بے ادبی کرے وہ گمراہ بددین ہے ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہو سکتا اور ایسے آدمی سے ایسے بھاگنا چاہیئے جیسے آدمی شیر سے بھاگتا ہے وہ آدمی حلالی نہیں ہے۔

جیسا علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: **من طعن فی علماء الامۃ لایلو من الامہ۔**

ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی شخص بالفرض سو دو سال عبادتیں، ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہوئے ولایت کی ساری منزلیں طے کر لے مثلاًوہ ولی بھی بن گیا غوث اور قطب بھی ہو گیا ادھر ایک شخص کفر وشرک میں مبتلا حبیب خدا سید الانبیاء ﷺ کی عین حیات ظاہری میں آیا اور اس نے صدق دل سے کلمہ پڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی اور پھر ایک وقت نماز پڑھنے کا بھی وقت نہیں ملا وہ فوت ہو گیا تو یہ صحابی بن گیا یہ اس صد سالہ عبادت گزار غوث، قطب ،قطب ارشاد سے افضل ہو گیا اور یہ ساری برکتیں اس چہرہ انور کی زیارت کی ہیں۔

جس کی تعریف قرآن پاک میں یوں ہے:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (البقرۃ ۱۴۴)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔''

عقیدہ۷:

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں ملائکہ کرام یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ۔ جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے۔" فرشتے نہ مذکر ہیں نہ مؤنث۔ فرشتوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر ۳۱) اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' اہلسنت وجماعت وہ ہے جس کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے تمام کتب عقائد میں موجود عقائد کے مطابق ہو۔ اور جو عقائد و معمولات ہم نے اس کتاب میں درج کیے ہیں ان کا عامل اور یقین رکھنے والا وہ اہلسنت وجماعت ہے اور اگر ان عقائد سے مخالفت کرے تو پکا وہابی ہے۔

(۵) باب نمبر پانچ: مظہر الحقائق فی احوال الجبریۃ کے بیان میں

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللہ الذی ھدانا من الضلال و جعلنا من الفرقۃ التی ھی ناجیۃ عنداللہ و رسولہ فی الدنیا والآخرۃ و حفظنا من الفرق الضالۃ المضلۃ خصوصاً الجھمیۃ الجبریۃ القائلۃ بان لا فعل و لا اختیار للعبد اصلاً و الصلوۃ و السلام علی رسولہ المجتبی محمد المصطفیٰ الذی وصی امۃ بالاحتراز من الفرق الضالۃ المبتدعۃ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ امابعد!

مذہب حنفی کے تمام موٴحد مسلمانوں پر یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہے کہ اس پرفتن دور میں رنگارنگ فتنے نکل رہے ہیں اور اگر ایک طرف غیر مسلم اقوام اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹاڈالیں تو دوسری طرف سرورکونین محمد ﷺ کی شہادت کے مطابق بہتر گمراہ فرقے ان سے پیچھے نہیں سب اس کوشش میں ہیں کہ بمطابق شہادت رسول پرنور ﷺ فرقہ ناجیہ اہل حق (اہل سنت وجماعت) ہے کو گمراہ کرکے ان کو صفحہ ہستی سے مٹاڈالیں اس لئے میں نے اپنے مخلص دوستوں کے باربار اصرار کے باوجود گوناگوں مصروفیات کے باوجود ارادہ کیا کہ ان فرقوں میں سے فرق جھمیہ جبریہ پر مختصر تبصرہ کرکے ہدیہ ناظرین کروں۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے مشعل راہ بناکر نجاتِ دارین کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

پہلی بحث

جاننا چاہیئے کہ اگر کافروں کی تمام اقسام حسبِ ارشادِ نبی ﷺ (الکفر ملۃ واحدۃ) ایک فریق شمار ہوتا ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کے سارے فرقے ایک ملت، ملت اسلامیہ شمار ہوتے ہیں مگر پھر یہ ملت اسلامیہ حسب ارشاد نبوی ﷺ تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق (كُلُّ حِزۡبِۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُونَ (المؤمنون ۵۳)) ان میں سے ہر گروہ اور جماعت اپنے اپنے عقیدے اور عمل پر خوش ہے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور دیگر فرقوں کو غلط گردانتے ہیں اور اپنے اندر ضم ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

تفسیر قرطبی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ (وَاعۡتَصِمُوا بِحَبۡلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۳)) کے تحت مرقوم ہے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی (کہ وہ قرآن یا اہل سنت وجماعت ہے) کو مظبوطی سے پکڑو اور فرقہ بندی نہ کرو۔[1]

اور روح المعانی نے بھی یہ ترجمے کیے ہیں۔[2]

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۴ ص ۱۵۸۔

[2] روح المعانی ج ۴ ص ۱۸۔

صاحب قرطبی نے ص۱۵۸تاص۱۶۴تفصیلی بحث کی ہے ص۱۶۰ پر رقم طراز ہیں کہ وہ بہتر فرقے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اہل نار کا فتویٰ لگایا ہے کہ (كلُهم في النارِ[1])ہم پر یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ان کے اصول یہ ہیں۔

۱۔ حروریہ (خوارج) ۲۔ قدریہ ۳۔ جہمیہ

۴۔ مرجیہ ۵۔ روافض ۶۔ جبریہ

اور بعض اہل علم نے فرمایاہے کہ فرق ضالہ کے اصول یہ چھ فرقے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ بارہ فرقوں میں تقسیم ہوگیاتو یہ بہتر فرقے ہیں۔ الخ۔

صاحب تفسیرات احمدیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ (وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام ۱۵۳))کے تحت فرماتے ہیں کہ ان میں سے بہتر ۷۲ فرقے ہلاک ہونے والے ہیں اور ایک نجات پانے والا ہے۔[2]

صاحب تفسیرات احمدیہ لکھتے ہیں کہ ہلاک ہونے والے فرقے اصل میں چھ ہیں جیسا کہ حوالہ ٗ قرطبی سے بیان ہوا ہے پھر ان میں سے ہر ایک بارہ فرقوں پر مشتمل ہے اس طرح یہ بہتر بنتے ہیں اور مولانا زکریا کاندھلوی مصنف تبلیغی نصاب ،لامع الدراری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ حافظ ملل نحل مصنفہ ابن حزم میں کہاہے ملت اسلامیہ کا اقرار کرنے فرقے پانچ ہیں۔

۱۔ اہل سنت وجماعت۔

۲۔ معتزلہ (ان کے ساتھ قدریہ بھی ہیں)۔

۳۔ مرجیہ۔ (ان کے ساتھ جہمیہ اور کرامیہ بھی ہیں)۔

۴۔ روافض۔

۵۔ خوارج۔ (ان کے ساتھ ازراقہ اور عبادیہ بھی شامل ہیں) پھر یہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ الخ۔[3]

اورامام شہرستانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ملل و نحل" میں نقل کیاہے کہ مجوسیوں کے ستر ۷۰، یہودیوں کے اکہتر ۷۱، نصاریٰ کے بہتر ۷۲ اور مسلمانوں کے تہتر ۷۳ ہیں اور ان فرقوں میں سے نجات پانے والا فرقہ صرف ایک ہے اور باقی تمام فرقے ہلاک ہونے والے ہیں۔[4]

---

[1] الترمذي (ت ۲۷۹)، سنن الترمذي ۲٦٤۱ • ابن العربي (ت ۵٤۳)، عارضة الأحوذي ٥/٣١٦ • أخرجه الترمذي (۲٦٤۱)، والطبراني (١٤/٥٣) (١٤٦٤٦)، والحاكم (٤٤٤)

[2] تفسیرات احمدیہ ص۲۸۹اورص۲۸۰ سورہ الانعام ۱۵۳۔

[3] لامع الدراری شرح صحیح بخاری ج۳ص ۴۳۲، بحوالہ حافظ ملل نحل مصنفہ ابن حزم۔

[4] ملل ونحل ص۲۰-۲۱۔

سوال: نجات پانے والے اور اہل جنت کون ہیں؟

جواب: کہا جاتا ہے وہ اہل سنت و جماعت ہی ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ اسلام کے بڑے فرقے چار ہیں۔

۱۔ قدریہ ۲۔ صفاتیہ ۳۔ خوارج ۴۔ شیعہ

ان میں سے ہر فرقہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اس طرح یہ فرقے تہتر ۷۳ تک پہنچتے ہیں۔ [1]

صاحبِ تعلیمات، القسطاس میں لکھتے ہیں کہ جان لو کہ مسلمانوں کے بڑے فرقے پانچ ہیں:

۱۔ اہل سنت ۲۔ مرجیہ ۳۔ معتزلہ ۴۔ خوارج ۵۔ روافض، الخ۔ [2]

صاحب مظاہر الحق نے شرح مشکوۃ میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اور تہتر ۷۳ فرقوں کی تفریق یوں ہے کہ بڑے فرقے اہل اسلام کے آٹھ ہیں:

۱۔ معتزلہ۔ (بیس ۲۰ فرقے) ۲۔ شیعہ۔ (بائیس ۲۲ فرقے)

۳۔ خوارج۔ (بیس ۲۰ فرقے) ۴۔ مرجیہ۔ (پانچ ۵ فرقے)

۵۔ نجاریہ۔ (تین ۳ فرقے) ۶۔ جبریہ۔ (ایک فرقہ)

۷۔ مشبہ۔ (ایک فرقہ) ۸۔ ناجیہ۔ (ایک فرقہ اہل سنت و جماعت ہے)

یہ سب تہتر ۷۳ فرقے ہوئے۔ [3]

اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ "اسلام کے بڑے فرقے آٹھ ہیں":

۱۔ معتزلہ۔ (بیس ۲۰ فرقے) ۲۔ شیعہ۔ (بائیس ۲۲ فرقے)

۳۔ خوارج۔ (بیس ۲۰ فرقے) ۴۔ مرجیہ۔ (پانچ ۵ فرقے)

۵۔ نجاریہ۔ (تین ۳ فرقے) ۶۔ جبریہ۔ (ایک فرقہ)

۷۔ مشبہ۔ (ایک فرقہ) ۸۔ ناجیہ۔ (ایک فرقہ اہل سنت و جماعت ہے)

یہ سب مل کر تہتر ۷۳ فرقے ہوئے۔ [4]

---

1 ملل و نحل ص ۲۱۔

2 حاشیہ نبراس ص ۲۶۔

3 شرح مشکوۃ ص ۸۱ ج ۱۔

4 اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوۃ ج ۱ ص ۱۵۱۔

اسی طرح حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۴۸ مطبوعہ امدادیہ ملتان میں ذکر کیا ہے۔ تفسیر مظہری کے مصنف نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِينَ (البقرة ۸)) "اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔" یہ آیہ کریمہ بہتر ۷۲ فرقوں کو شامل ہے جنھوں نے اپنے دین کو فرقوں میں تقسیم کیا ان میں سے ہر ایک فرقہ اپنے عقیدے اور عمل پر خوش ہے۔ دعویٰ ایمان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔۔۔۔۔ الخ۔[1]

اسی طرح اس آیہ کریمہ (وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام ۱۵۳)) کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

أی الطرق المختلفة علی حسب الأهواء فان مقتضی الشرع اتباع الكتاب والسنة فيما أدركه العقل وفيما لم يدركه ومقتضی اتباع الآراء الفاسدة انه ان وافقها الكتاب والسنة قبلوهما وان خالفها اوّلوا الكتاب واتبعوا الأهواء وهذا منشأ اختلاف الشيع فصارت روافض وخوارج ومجسمة وجبرية وقدرية وغيرهم۔ الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم متفرق راستوں پر مت چلو یعنی اپنی خواہش کے مطابق مختلف راستوں کی پیروی نہ کرو کیونکہ شریعت کا تقاضا ہے کہ ہر معاملے میں قرآن وحدیث کی پیروی کرو خواہ وہ عقل سے معلوم ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو اور فاسد خیالات کا تقاضا یہ ہے کہ اگر قرآن وسنت ان کے موافق ہوں تو انہیں قبول کرلیتا ہے اور اگر موافق نہ ہوں تو پھر قرآن وسنت کو اپنے خیالات کی طرف پھیر دیتا ہے اور یہ شیعہ کے اختلاف کا سبب ہے تو روافض، خوارج، مجسمہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ مختلف فرقے ہوئے۔[2]

اسی طرح ان تمام فرقوں کی تفصیل کیلئے فتویٰ برہنہ ج ا ص ۱۳۶ کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ ﷺ۔

دوسری بحث

جاننا چاہیئے کہ تحقیق مذکورہ سے متعمد علیہ مفسرین ومحدثین کی تصریحات سے اور حضور اکرم ﷺ کی شہادت کہ آپ ﷺ نے فرمایا (ستفترق أمتي [3]) کے مطابق فرق ضالہ مضلہ اہل نار بہتر ۷۲ ہیں ان میں سے ایک فرقہ ناریہ بدعیہ جو بالاتفاق

---

[1] تفسیر مظہری ج ا ص ۳۴۔

[2] (التفسیر المظهری ج ۳ ص ۳۰۷)

[3] البزار (ت۲۹۲)، البحر الزخار ۱۸۶/۷ • ابن حجر العسقلاني (ت۸۵۲)، مختصر البزار ۱۳۹/۱ • المعلمي (ت۱۳۸۶)، التنكيل ۵۱۰/۱ •

مفسرین محدثین فقہاء وعلماء عقائد کے اہل ہواء سے ہیں وہ فرقہ جبریہ جہمیہ ہے یہ فرقہ مذاہب اربعہ کے مطابق فرقہ مبتدعہ ناریہ ہے۔

سوال: فرقہ جبریہ جہمیہ کون سا ہے؟ انہیں جبریہ وجہمیہ کیوں کہا جاتا ہے اوران کے عقائد کیا ہیں؟ اسے تفصیل سے بیان کریں تاکہ مسلمان ان باخبر ہو کر اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اوراپنے عقیدہ کی حفاظت کریں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے نام اوراس کی توفیق سے عرض ہے کہ جبریہ اسلام کا ایک فرقہ ہے جس کا اعتقاد ہے کہ انسان کو اپنے اعمال وافعال پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ الخ۔[1]

یعنی یہ اسلام کا ایک فرقہ ہے جس کے عقیدے میں انسان مجبور ہے اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔[2]

جبریہ ومجبرہ: ایک فرقہ جو انسان کے مجبور محض ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا۔[3]

اجبرہ علی الامر: مجبور کرنا۔ مذہب جبریہ کی طرف منسوب کرنا۔

الجبر: مجبوری، قضائے الٰہی کے وقوع کا کلی طور پر مجبورانہ اعتقاد کر رکھنا۔ ایضاً۔

الجبریۃ والمجبرۃ: وہ فرقہ جو انسان کو محض مجبور مانتا ہے۔ الخ۔[4]

فرق اسلامیہ میں سے ایک فرقہ جس کے ماننے والے انسان کے مجبور محض ہونے کے قائل تھے۔[5]

جبر وقدر: یہ مسلمانوں میں دو مختلف عقیدوں کے گروہ ہیں۔ ایک یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے قدرت جو چاہتی ہے آپ کرتی ہے۔ انسان کو کوئی اختیار نہیں اور دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان بے بس نہیں ہے بلکہ اسے بھی قدرت حاصل ہے۔ اسے کاموں کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اوروہ فاعل مختار ہے۔ (یعنی اسے اختیار کلی حاصل ہے۔) پہلے گروہ کو جبریہ اور دوسرے کو قدریہ کہتے ہیں۔[6]

جبریہ بفتحتین جماعتی است گویند بندہ رادر کارِ اختیار نیست۔ الخ۔[7]

---

1 (فیروز اللغات اردو ص ۴۵۱)

2 (اردو پشتو لغت ص ۲۴۷)

3 (فیروز اللغات عربی اردو ص ۷۵)

4 (منجد عربی اردو ص ۱۳۳)

5 (مصباح اللغات ص ۱۰۰)

6 (فرہنگ فارسی ص ۳۴۳)

7 (غیاث اللغات ص ۱۴۲)

جبریہ وہ فرقہ ہے جو انسان کو مجبورِ محض سمجھتا ہے۔ الخ۔[1]

مزید تحقیق کیلئے ملاحظہ کریں مفردات فی غرائب القرآن ص۸۵-۸۶، قاموس المحیط ج۱ص۳۸۴، صراح ص۱۶۶، اور مختار من الصحاح ص۶۷۔

مذکورہ بالا تصنیفات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جبریہ وہ فرقہ ہے جو مخلوق (مکلفین) کو مجبور محض مانتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو کوئی اختیار نہیں اور انسان اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کر سکتا اس لئے یہ فرقہ مخلوق کو مجبور محض مانتا ہے۔ انہیں جبریہ کہتے ہیں۔ یہ اہل لغت کی رائے ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا جبریہ کا عقیدہ کیا ہے باعتبار لغت کے تو اب ان کا عقیدہ دیگر علماء کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے تا کہ عام مسلمانوں کو ان کے پہچاننے میں مدد ملے۔ اور ان کی پیروی سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تا کہ دوزخ میں نہ جائیں۔ فرقہ جبریہ کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کر سکتا اور انسان سے نہ کرنے کا یقین رکھنا لازمی اور ضروری ہے ان کو کرنے کی نسبت مجازی ہے۔

عمدۃ المحدثین، فخر المفسرین الشیخ عبد الحق الحقانی الدہلوی نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں رقم فرمایا ہے کہ، دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں اور جبریہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ اختیار نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی (اللہ تعالیٰ) کرتا ہے ہم تو لکڑی کی طرح بے اختیار ہیں۔ دوم قدریہ کہ جو ہر چیز میں اپنے آپ کو فاعل مختار اور موجد و قادر سمجھتے ہیں۔ سوم اہل حق ہیں کہ جو نہ بندے کو مختار محض کہتے ہیں اور نہ ہی بے اختیار محض، کیونکہ وہ دونوں فریق غلطی پر ہیں کیونکہ گروہ اول شریعت بلکہ کل معاملات دنیاوی کا ابطال کرتے ہیں اور خدا کی ذات مقدس میں عیب ثابت کرتے ہیں لہذا ان کے رد میں تو(إِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحۃ۵)) فرمایا جس سے بندہ کو عبادت کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور دوسرا فریق کارخانۂ خالقیت میں حصہ پیدا کرتا ہے ان کی اصلاح کیلئے إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحۃ۵) فرمایا جس سے بندے کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ الخ۔[2]

امام فخر الدین رازی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (یونس ۵۲) المسألة الثالثة : الآية تدل على كون العبد مكتسباً خلافاً للجبرية، وعندنا أن كونه مكتسباً معناه أن مجموع القدرة مع الداعية الخالصة يوجب الفعل و المسألة الطويلة معروفة بدلائلها۔

---

[1] (بیان اللسان ص۲۰۰)

[2] تفسیر حقانیج ۲ ص ۲۷

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کو صرف اپنے کیے ہوئے کا بدلہ دیا جائے گا (یونس ۵۲) تیسرا مسئلہ: آیت مبارکہ دلیل ہے اس بات پر کہ بندہ اپنے افعال کا مکتسب ہے خلاف ثابت ہے جبریہ کے لے (کیوں کہ وہ اسکے انکار کرتے ہے) اور ہمارے ہاں اس کے حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ استطاعت کا امتزاج ہے۔ خالص پکارنے والے کو عمل کی ضرورت ہے، اور یہ مسئلہ طویل ہے اپنے دلائل کے ساتھ۔[1]

اسی طرح تفسیر مذکور تفسیر کبیر ج ا ص ۱۳۹ پر رقم طراز ہیں کہ:

أما الأعمال التي يأتي بها العبد فلها ركنان: أحدهما: إتيانه بالعبادة وإليه الإشارة بقوله: {إِيَّاکَ نَعْبُدُ}۔ والثاني: علمه بأن لا يمكنه الإتيان بها إلا بإعانة الله وإليه الإشارة بقوله: {وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ} وههنا ينفتح البحر الواسع في الجبر والقدر۔

یعنی انسان جو عمل کرتا ہے اس کے دو رکن ہیں۔

۱۔ اس کا عبادت کرنا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے {إِيَّاکَ نَعْبُدُ} ارشاد فرمایا۔

۲۔ اس کا عمل ہے جس کا کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس لئے ممکن نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد {وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ} سے واضح فرمایا ہے اور یہاں سے ایک بڑا دریا جبر وقدر کے مابین کھل جاتا ہے۔[2]

اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن الانصاری القرطبی اپنی تفسیر تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

من أقرب "إياک نعبد وإياک نستعين" فقد برئ من الجبر والقدر۔

یعنی جس نے "إياک نعبد وإياک نستعين" کا اقرار کیا وہ جبر وقدر سے بری ہو گیا۔[3]

مزید فرماتے ہیں:

وَفِي هَذَا دَلِيل عَلَى أَنَّ الْعَبْد يُضَاف إِلَيْهِ أَعْمَال وَأَكْسَاب, وَإِنْ كَانَ اللَّه تَعَالَى أَقْدَرَهُ عَلَى ذَلِکَ, إِنْ كَانَ خَيْرًا فَبِفَضْلِهِ وَإِنْ كَانَ شَرًّا فَبِعَدْلِهِ, وَهَذَا مَذْهَب أَهْل السُّنَّة, وَالْآي فِي الْقُرْآن بِهَذَا الْمَعْنَى كَثِيرَة۔

فَالْعَبْد مُكْتَسِب لِأَفْعَالِهِ, عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ خُلِقَتْ لَهُ قُدْرَة مُقَارِنَة لِلْفِعْلِ, يُدْرِک بِهَا الْفَرْق بَيْن حَرَكَة الِاخْتِيَار وَحَرَكَة الرَّعْشَة مَثَلًا, وَذَلِکَ التَّمَكُّن هُوَ مَنَاط التَّكْلِيف۔

وَقَالَ الْجَبْرِيَّة بِنَفْيِ اِكْتِسَاب الْعَبْد, وَإِنَّهُ كَالنَّبَاتِ الَّذِي تَصْرِفهُ الرِّيَاح۔

وَقَالَتْ الْقَدَرِيَّة وَالْمُعْتَزِلَة خِلَاف هَذَيْنِ الْقَوْلَيْنِ, وَإِنَّ الْعَبْد يَخْلُق أَفْعَاله۔

---

[1] (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۸۲)

[2] (تفسیر کبیر ج ا ص ۱۳۹)

[3] (تفسیر قرطبی ج ا ص ۱۴۵)

مطلب یہ ہے کہ (ولکم ما کسبتم) میں دلیل ہے کہ اعمال اور کسب کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے اگرچہ اس پر اسے اللہ تعالیٰ نے ہی قادر بنایا ہے اگر اس کا عمل نیک ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اگر عمل بد ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے عدل سے ہے اور یہ مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے اور اس بارے میں قرآن حکیم میں بہت سی آیات موجود ہیں تو بندہ اپنے افعال کا کسب کرنے والا ہے۔ (یہاں تک فرمایا) اور جبریہ نے بندے سے کسب کی نفی کی ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ بندہ نباتات کی طرح ہے جسے ہوا ادھر ادھر اڑا کر لے جائے جب کہ قدریہ ومعتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کو خود پیدا کرتا ہے۔[1]

ان کا عقیدہ اور قول گزشتہ دونوں اقوال کے خلاف ہے اور تفسیر مذکور ج ا میں ہے کہ:

وأما أهل البدع من أهل الاهواء كالمعتزلة والجهمية وغيرهما أهل الاهواء۔

میں سے مبتدعین یعنی بدعتی جو ہیں جیسے کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ۔ الخ۔[2]

اور تفسیر روح البیان کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

وفيه ايضا تحقيق لمذهب اهل السنة والجماعة إذ فيه اثبات الفعل من العبد والتوفيق من الله كالخلق ففيه رد الجبرية النافين للفعل من العبد بقوله إياك نعبد ورد المعتزلة النافين للتوفيق والخلق من الله بقوله إياك نستعين۔

یعنی اس میں بھی اہل سنت وجماعت کے مذہب کا ثبوت ہے کیونکہ اس میں بندہ کے لیے کرنے کا ثابت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق کا ملنا ہے جیسے پیدا کرنا۔ تو اس میں جبریہ کا رد ہے جو بندہ سے کرنے کی نفی کرتے ہیں اور یہ رد اللہ تعالیٰ کے قول **إياك نعبد** سے ہے اور **إياك نستعين**۔ سے معتزلہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے پیدا کرنے کی نفی کرتے ہیں۔[3]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ:

عندى أن الآية إن إستدل بها على شيء من بحث خلق الأفعال فليستدل بها على أن العباد قدرا مؤثرة بإذن الله تعالى لا بالإستقلال۔الخ۔

میرے خیال میں اگر اس آیت کو اعمال کی تخلیق کی کسی بحث کے لیے بطور دلیل استعمال کیا جائے تو اسے اس بات کے ثبوت کے طور پر استعمال کیا جانا چاہیے کہ بندوں کی تقدیر ایک موثر ہے، اللہ تعالیٰ کے اذن سے نا کہ بالاستقلال۔[4]

---

[1] (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۳۹)

[2] (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۵۲)

[3] (تفسیر روح البیان ج ا ص ۲۰)

[4] (تفسیر روح المعانی ج ا ص ۸۷)

یہاں تک فرمایا:

أنهم ليس لهم قدرة أصلا بل جميع أفعالهم كحركة المرتعش كما يقوله الجبرية إذ الضرورة تكذبه۔ الخ۔

یعنی اگر اس آیت سے افعال کی تخلیق میں سے کسی چیز پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مستقل طور پر بندے کے لیے قدرت موثر ہے۔ یہاں تک فرمایا کہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے کو بالکل قدرت نہیں ہے بلکہ بندے کے تمام افعال فالج زدہ کی حرکات کی طرح ہیں کیونکہ اس کا بدیہی ہونا ان کی تکذیب کرتا ہے۔[1]

اسی طرح آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إن للعبد قدرة خلقها الله تعالى له مؤثرة بإذنه فما شاء الله سبحانه كان وما لم يشأ لم يكن لا أنه لا قدرة له أصلا كما يقول الجبرية۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ بندے کیلئے قدرت وطاقت ثابت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ قدرت اللہ تعالیٰ کے حکم سے موثر ہے تو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوا ایسا نہیں کہ بندے کو بالکل کوئی قدرت حاصل نہیں ہے جیسا کہ جبریہ اس کے قائل ہیں۔[2]

اور علامہ ابن ابی العز نے شرح العقیدہ الطحاویۃ میں لکھا ہے کہ:

وَالْجَبْرِيَّةُ: أَصْلُ قَوْلِهِمْ مِنَ الْجَهْمِ بْنِ صَفْوَانَ، كَمَا تَقَدَّمَ، وَأَنَّ فِعْلَ الْعَبْدِ بِمَنْزِلَةِ طُولِهِ وَلَوْنِهِ!۔

یعنی جبریہ کے عقیدے کی بنیاد (جس طرح پہلے گزر چکا ہے کہ) جہم بن صفوان نے رکھی اور وہ یہ ہے کہ بندے کا فعل اس کی لمبائی اور اس کے رنگ کی طرح ہے۔ الخ۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ فرقہ جبریہ کا بانی اور مقتداء جہم بن صفوان ہے اس لیے اس فرقے کو جہم بن صفوان کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے فرقہ جہمیہ بھی کہتے ہیں اور اسی طرح انہیں جبریہ بھی کہتے ہیں۔

دیوبندیوں کے مولوی زکریا کاندھلوی نے لامع الدراری شرح بخاری (ج۳) میں تحریر کیا ہے:

قال الحافظ قال الكرماني الجهمية فرقة من المبتدعة ينتسبون الى جهم بن صفوان مقدم الطائفة القائلة ان لاقدرة للعبد ايصلا وهم الجبرية۔ الخ۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۸۷)

[2] (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۶)

[3] (شرح العقیدہ الطحاویۃ ج ۱ ص ۵۲۴)

یعنی حافظ نے فرمایا کہ کرمانی فرماتے ہیں کہ جہمیہ بدعتیوں کا ایک فرقہ ہے ان کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف ہے جو اس فرقے کا بانی ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کو بالکل قدرت نہیں ہے اور وہ جبریہ ہی ہے۔[1]

اور شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے کہ:

حدثو ابعد الفتنة الثالثة۔

"یہ فرقہ تیسرے فتنے کے بعد پیدا ہوا"۔[2]

اور تمہید ابو الشکور السالمی میں ہے:

ان الجبریة اعتقدوا ان افعال العباد کلها من الله تعالیٰ و العبد مجبور فی ذلک۔ الخ۔

یعنی جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ سب افعال اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے۔[3]

پھر یہ بھی فرمایا:

ثم من کلام الجبریة و المرجئة ماهو کفر مثل قولهم فانه لیس للعباد افعال علی الحقیقة لا فی الخیر و لا فی الشر و مایفعل العبد فالفاعل هو الله تعالیٰ لذلک و هذا کفر لانهم وصفو الله تعالیٰ بالقبائح و الزنا۔ الخ۔

یعنی جبریہ اور مرجیہ کے اقوال میں سے بعض کفر ہیں جیسا کہ ان کا یہ کہنا کہ بندے کیلئے حقیقتاً کوئی فعل نہیں نہ خیر میں اور نہ شر میں بلکہ جو کام بندہ کرتا ہے اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قبائح اور زنا کے ساتھ موصوف کیا ہے۔[4]

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

لا کما زعمت الجبریة القاعدون بنفل الکسب و الاختیار بالکلیة ففی قوله تعالیٰ إیاک نعبد و إیاک نستعین رد علی الطائفتین فی هذه القضیة۔

یعنی حق ایسا نہیں جیسا کہ جبریہ گمان کرتے ہیں اور بندوں کے کسب اور اختیار کی بالکل نفی کے قائل ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **إیاک نعبد و إیاک نستعین** میں دونوں فرقوں (جبریہ اور قدریہ) کا رد ہے۔[5]

---

1 (لامع الدراری شرح صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۶)

2 (شرح العقیدہ الطحاویة ج ۱ ص ۵۲۵)

3 (تمہید لابی شکور سالمی ص ۱۸۴)

4 (تمہید لابی شکور سالمی ص ۱۸۵)

5 (شرح فقہ اکبر لملا علی قاری ص ۵۹)

صاحب شرح العقائد رقم طراز ہیں:

لا کما زعمت الجبریة من أنه لا فعل للعبد أصلاً و أن حر کاته بمنزلة حر کات الجمادات لا قدرة للعبد علیها و لا قصد و لا اختیار۔ و هذا باطل۔ الخ۔

یعنی ایسا نہیں جیسے جبریہ نے گمان کیا کہ بندہ بالکل کچھ نہیں کر سکتا اور اس کی حرکات و سکنات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں اور اس پر اس کا نہ کوئی قدرت ہے اور نہ ارادہ اور نہ ہی کوئی اختیار اور یہ رائے باطل ہے۔[1]

و ایضاً جبریة خالصة لا یثبت للعبد قدرة لا مؤثرة و لا کاسبة بل یجعلوه بمنزلة الجمادات کالجهمیة۔

خالص جبریہ بندے کے لئے نہ قدرت مؤثرۃ ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی کسب ثابت کرتے ہیں بلکہ جہمیہ کی طرح انہیں بمنزلہ جمادات ثابت کرتے ہیں۔[2]

علامہ شیخ ابو المنتہی احمد بن محمد مختیاوی متوفیٰ قریباً ۱۰۹۰ھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

و لم یجبر احدا من خلقه علی الکفر و لا علی الایمان۔ الخ۔

اور بعینہ یہی عبارت فقہ اکبر میں بھی ہے: "اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کفر یا ایمان پر مجبور نہیں فرمایا۔"[3]

عقائد نظامیہ کے مصنف تحریر کرتے ہیں:

عقیدہ نمبر ۳۹: خدائے تعالیٰ نے جبر نہیں کیا اپنی مخلوق میں سے کسی پر کہ وہ کفر کرے یا ایمان لائے۔ اور نہ ان کو مؤمن پیدا کیا ہے اور نہ ہی کافر بلکہ ان کو اشخاص پیدا کیا ہے۔

عقیدہ نمبر ۴۰: ایمان و کفر بندے کا فعل ہے یعنی باعتبار ان کے اختیار کے نہ کہ اضطرار کی وجہ سے۔[4]

اسی طرح مولانا ممتاز الدین صاحب نے شرح اردو شرح عقائد ص ۲۴۶ پر اور شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: فرقہ جبریہ نے دیکھا کہ بندے کو اپنے افعال کا خالق اور فاعل مستقل قرار دینا تو سراسر عقل اور نقل کے خلاف ہے اور خدا تعالیٰ کا خالق الکل ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے بندے کو اپنے افعال کا خالق ماننے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ خالق الکل نہیں ہے بندے کے افعال خدا کی حقیقت سے مستثنیٰ ہے۔ اسی لیے فرقہ جبریہ نے خدا کی توحید و تفرید اور تنزیہ و تقدیس کا اعتراف کیا لیکن قضاء و قدر کا عقدہ حل کرنے کے لیے یہ قرار دیا کہ بندہ مجبور محض ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی قدرت نہیں اور بندے کی حرکات و سکنات بالکل ایسی ہیں کہ جیسے کہ ہوا سے درخت کی شاخیں اور پتے

---

[1] (حاشیہ شرح العقائد ص ۲۴)

[2] (نبراس ص ۲۷۲)

[3] (فقہ اکبر مع شرح ابو المنتہیٰ ص ۱۸)

[4] عقائد نظامیہ ص ۲۴۔

حرکت کرتے ہیں اور اس حرکت میں پتوں اور شاخوں کے ارادے کو کوئی دخل نہیں۔ اس فرقے کے نزدیک دنیا کے سارے مجرم معذور اور بے قصور ہیں ان کے نزدیک دنیا میں کوئی گناہ اور عیب ہی نہیں ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ بندہ کوئی بھی فعل کرے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ تمام افعال یکساں اور برابر ہیں۔ نہ کوئی شئے اطاعت ہے اور نہ ہی کوئی شئے معصیت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ۔[1]

عزیزان گرامی! جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مشرکین کا قول بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (الانعام ۱۴۸)

اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے ایسا ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لئے نکالو تم تو نِرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یونہی تخمینے کرتے ہو۔

آگے اسی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے فاسد عقیدے کا رد فرماتا ہے:

كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (الانعام ۱۴۸)

ایسا ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لئے نکالو تم تو نِرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یونہی تخمینے کرتے ہو۔

اور اسی طرح سورۃ النحل میں ارشاد ربانی ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ (النحل ۳۵)

اور مشرک بولے اللہ چاہتا تو اس کے سوا کچھ نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس سے جدا ہو کر ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔

آگے اسی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے فاسد عقیدے کا رد فرماتا ہے:

كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النحل ۳۵)

ایسا ہی ان سے اگلوں نے کیا تو رسولوں پر کیا ہے مگر صاف پہنچا دینا۔

یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور اٹکل سے باتیں بتاتے ہو۔

---

1 علم الکلام ص ۵۴۔

ترجمہ ۲: اور مشرک یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو خدا کے سوا کسی چیز کو ہم نہ پوجتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام کہہ سکتے جو کافران سے پہلے ہوئے ہیں ایسی ہی حرکت انہوں نے بھی کی تھی سو پیغمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

لہذا عرض ہے کہ موجودہ دور میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مخلوق کچھ نہیں کر سکتی جو بھی کرتا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے یا مخلوق سے نہ کرنے کا یقین یا مخلوق جو بھی کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتی ہے ان کا دل مذکورہ بالا مشرکین کی طرح ہوا (تشابہت قلوبھم)۔

یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مشکوۃ میں رقمطراز ہیں:

قوله إياک نعبد تفرقة وإياک نستعين الفاتحة جمع والأول رد على الجبرية والثاني حط على القدرية۔

صاحب مرقاۃ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایاک نعبد تفرقہ ہے اور ایاک نستعین جمع ہے یعنی پہلے جملے میں خدا کے لیے عبادت کرنے کا ثبوت ہے اور دوسرے جملے میں سب کا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے۔ پہلے میں جبریہ کا رد اور دوسرے میں قدریہ کا رد ہے۔[1]

ایضا مذهب أهل الجبر إثبات التقدير لله تعالى ونفي القدرة عن العبد أصلا۔

جبریہ فرقے کا اللہ تعالیٰ کے لئے تقدیر ثابت کرنا اور بندوں سے قدرت کا کلیتاً سلب کرنا ہے۔[2]

و ایضاً کہا کہ خلافا للجبرية القائلين بأن العباد مجبورون على أفعالهم إذ يلزمهم أن لا تكليف ومن اعترف منهم بهذا اللازم فهو كافر بخلاف من زعم أن سلب قدرة العبد من أصلها إنما هو تعظيم لقدرة الله تعالى عن أن يشركه فيها أحد بوجه فإنه مبتدع۔

اس میں جبریہ کی مخالفت ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں بندے اپنے افعال میں مجبور ہیں۔ اس لئے کہ ان پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تکلیف نہیں (یعنی بندہ مکلف نہیں) اور ان میں سے اس لازم کا جو بھی اقرار کرتا ہے وہ کافر ہے بخلاف ان کے جن کا گمان ہے کہ بندہ سے قدرت کا سلب کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تعظیم کے لئے ہے تاکہ اس کے ساتھ کسی طرح کوئی بھی شریک نہ ہو یہ مبتدع یعنی بدعتی ہے۔[3]

---

[1] (مرقاۃشرح مشکوۃ ج ۱ ص ۵۲)
[2] (مرقاۃشرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۴۹)
[3] (مرقاۃشرح مشکوۃ ج ۱ ص ۸۵)

جاننا چاہیئے کہ سوال کے درمیانی جزو کا جواب بطریق لف ونشر غیر مرتب ص ۱۵ پر گزرا ہے وہ یہ کہ اس فرقہ کو جہم بن صفوان کی تقلید کرنے کی وجہ سے جہمیہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس فرقے کا بانی ہے۔ اوران کے اس عقیدہ کہ انسان اپنے اعمال میں مجبور محض ہے اورانسان سے نہ کرنے کا یقین ضروری جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مخلوق یاانسان اپنے ارادے اوراختیار سے کچھ نہیں کر سکتا اس وجہ سے ان کو جبریہ کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جہمیہ اور جبریہ ایک فرقے کے دونام ہیں فقط۔

بس کنم کان زیر کانرا بس است

تیسری بحث:

سوال: جبریہ، جہمیہ فرقہ کا کیا حکم ہے؟ کیاان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ مذہب جبریہ، جہمیہ قرآن پاک واحادیث رسول اللہ ﷺ اور کتب دین ومذہب اور مذہب اہل حق کی روشنی میں باطل محض ہے۔ اگر قرآن پاک میں غور وفکر کیا جائے تو اول سے آخر تک اس فرقے کا رد موجود ہے۔ لیکن جہاں ان میں سے چند آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا۔ (البقرۃ ۲۸۶)

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

(لَهَا مَا کَسَبَتۡ) من الخیر ای ثوابہ۔

یعنی ہر نفس کے واسطے اس کی کمائی ہے یعنی جو نیک کام کیا اس کا ثواب ہے۔

(وَعَلَیۡهَا مَا اکۡتَسَبَتۡ) من الشر ای وزر۔

یعنی اور ہر نفس پر ہے جو اس نے کمائی یعنی ہر ایک بدی جو اس نے کمائی اس کا وبال اسی پر ہے۔[1]

مندرجہ بالا تفسیر تفسیر مظہری ص ۴۴۲ پر مذکور ہے اور مولانا عبد الماجد دریا آبادی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذمہ دار نہیں بنایا احکام شریعہ میں۔۔۔ الخ۔

احکام شرعی کی قید لگادینے سے امور تقویمی خارج ہوگئے ذمہ دار بنادینے سے مراد ان اعمال کی بازپرس ہونا ہے۔ اِلَّا وُسۡعَهَا یعنی اس کے اختیار کے اندر ہو گو بعض کسی قدر مشکل ہو۔ اس قید سے وسوسہ اور خیالات غیر اختیاری سب حد محاسبہ سے نکل گئے۔

---

[1] تفسیر مواہب الرحمان ج ۱ ص ۱۰۲۔

(لَهَا مَا كَسَبَتْ)۔۔۔الخ۔یعنی اس نیک عمل پر ثواب وجزا جو بندے اپنے ارادہ واختیار سے کرے اوراس بد عمل پر عذاب وسزا جو بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرے یہ ردہے ہندومت اور بدھ مت کے عقیدہ "کرم"کا یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال اوراعمال کا گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادے واختیار سے کچھ کرہی نہیں سکتا یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔تناسخ اور عقیدہ جبریت لازم وملزوم ہیں۔قرآن حکیم نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اوربدی کی راہیں توانسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔۔۔۔الخ۔[1]

صاحب تفسیر ماجدی اسی طرح لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرة ۲۵۶) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دین کا تعلق اصلاً عقیدہ قلب سے ہے اور قلب پر جبر واکراہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔اسی لئے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادے اور اختیار سے ہے۔جبر واضطرار سے نہیں ہے۔۔۔۔۔الخ۔[2]

جاننا چاہیئے کہ لفظ (کَسَب) کامادہ قرآن پاک میں ۶۳ بار ذکر کیا ہے اوراس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انسان حقیقتاً کاسبی ہے تومعلوم ہوا کہ مذہب جبریہ باطل محض ہے۔بصورت دیگر اگر انسان کو مجبور محض مان لیا جائے توان آیاتِ قرآنی کی تکذیب لازم آتی ہے۔قرآن پاک کی کسی بھی آیت کی تکذیب کفر صریح ہے۔

تفسیر مدارک میں لکھا ہے کہ:

إلا طاقتها وقدرتها لأن التكليف لا يرد إلا بفعل يقدر عليه المكلف۔

یعنی مکلفین اپنی طاقت وقدرت کی حدتک مکلف ہیں کیونکہ تکلیف ان افعال میں وارد ہوئی ہے جن پر مکلف قدرت رکھتے ہوں یعنی اس کا کرنا مکلف کے بس کی بات نہیں ہے۔[3]

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں اس آیۃ کریمہ (الر كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (ابراهيم ۱) ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو اندھیریوں سے اجالے میں لاؤ ان کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔) کے تحت ذکر کیا ہے کہ **هذه الآية فيها دلالة على ابطال القول بالجبر من جهات** ۔یعنی اس آیت مقدسہ میں جبر کا کئی وجوہات سے ابطال کیا گیا ہے۔

---

1 تفسیر مظہری ص ۴۴۲ پارہ ۳ سورۃ بقرۃ آیت ۲۸۶۔

2 تفسیر ماجدی ج ا ص ۱۰۷، تفسیر کشاف ج ا ص ۲۵۶-۳۳۲۔

3 (تفسیر مدارک ج ا ص ۱۴۴)

اور ان میں سے تین وجوہات ذکر کی گئی ہیں۔[1]

اسی طرح آپ مزید لکھتے ہیں کہ اصول میں تین فرقے مخالفت کرتے ہیں ان میں سے جبریہ وقدریہ ہیں۔ تفسیر مظہری میں مذکور ہے کہ:

"معارف میں ہے کہ قرآن کریم نے مرکز وحدت حبل اللہ یعنی قرآن اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام حیات کو بنایا جس کا اختیار کرنا اختیاری امر ہے۔۔۔۔الخ"[2]

اختیاری غیر اختیاری کو (ج۲ص۳۹۱) میں بیان کیا ہے (ص۵۵۰) میں فرمایا کہ اور جب مرتے دم تک وہ اسی پر قائم رہا تو اپنے اختیار کی حد تک اس نے جرم دائمی کیا۔ اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔۔۔۔الخ۔

اسی تفسیر کے حوالے سے (ج۱ص۲۹۶) میں ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ ۲۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتا۔

اسی لئے غیر اختیاری طور پر جو خیالات وسوسے دل میں آجائیں اور پھر ان پر عمل نہ کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں۔ حساب اور مؤاخذہ صرف ان افعال پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے کیے جائیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح انسان کے وہ اعمال اور افعال جو ہاتھ، سر، آنکھ اور زبان وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اعمال ظاہرہ کہلاتے ہیں۔ ان کی دو اقسام ہیں۔

ا۔ اختیاری

جو ارادہ واختیار سے کیے جائیں مثلاً اپنے ارادے سے بولنا اور ارادے سے کسی کو مارنا وغیرہ۔

۲۔ غیر اختیاری

جو بغیر ارادہ سے سرزد ہو جیسے زبان سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر نکل کچھ اور گیا یا رعشہ (کپکپی) کی وجہ سے بلا اختیار ہاتھ کی حرکت سرزد ہوئی اور اس سے کسی کو تکلیف پہنچ گئی، ان سب میں سب کو معلوم ہے حساب و کتاب اور جزع وفزع افعال اختیاریہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ افعال غیر اختیاریہ کا نہ انسان مکلف ہے اور نہ ہی ان پر اسے ثواب یا عذاب ہوتا ہے اسی طرح وہ افعال جن کا تعلق باطن یعنی دل کے ساتھ ہے ان کی بھی دو اقسام ہیں۔

---

1 تفسیر الرازی ج۵ص۲۱۳۔ تفسیر الرازی ج۲ص۱۵۰،

2 تفسیر مظہری پارہ ۲ج۱ص۳۲۳، معارف القرآن ج۲ص۱۳۲۔

ا۔ اختیاری

جیسے کفر و شرک کا عقیدہ جسے قصد و اختیار سے دل میں جمایا، سوچ سمجھ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا جسے تکبر کہا جاتا ہے یا شراب پینے کا پختہ ارادہ کرنا۔

۲۔ غیر اختیاری

مثلاً بغیر قصد و ارادے کے دل میں کسی برے خیال کا آجانا وغیرہ۔ ان میں بھی حساب و کتاب اور موأخذہ صرف اختیاری افعال پر ہے۔ (لَهَا مَا كَسَبَتْ)۔۔۔الخ۔ یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کام کا ملنا ہے جو ارادے سے کرے اور عذاب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو ارادے سے کرے۔۔۔الخ۔ (ج ا ص ۲۹۶-۶۹۷) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر معارف القرآن (ج ۴ ص ۳۴۱) اور ج ۶ میں ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک عام ہدایت تکوینی ہر مخلوق کے لئے ہے۔ جس کی ہر مخلوق تکوینی طور پر پابند ہے اس کے خلاف کرنا اس کی قدرت سے خارج ہے اور دوسری ہدایت خاص اہل عقول انس و جن کے لئے ہے یہ ہدایت تکوینی اور جبری نہیں بلکہ اختیاری ہوتی ہے۔ اور اسی اختیار کے نتیجے میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے۔ (ص ۱۱۳-۱۱۴ ا مزید تفصیل کے لئے اس تفسیر کی اسی جلد کا ص ۲۴۷، ج ۵ ص ۶۰۱ تا ۶۰۳ اور ص ۴۴۶، ۳۲۵ اور ج ۷ ص ۶۲، ص ۳۶۴، ص ۳۸۳، ص ۴۳۱) ملاحظہ فرمائیں۔ (ص ۱۵۲) پر رقمطراز ہیں کہ اور تکوینی طور کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا۔

صاحب فیض الباری شرح صحیح بخاری نے اس طرح ذکر کیا ہے:

فاعلم أنَّ التكوينَ قد يناقِضُ التشريعَ، لأن التكوِينَ ليس تحتَ التكليفِ۔ فلو انكشفَ التكوينُ على أَحَدٍ لا يتغيَّرُ به التشريعُ أصلا، فلو كُشِف لأَحَدٍ أنَّ فلانًا يُختم له على الكفر - و العياذ باللهِ لا يجوزُ له أن يُعامل معه معاملةَ الكفار في الحالة الراهنة۔ وهو الذي عَرَض لعليَ رضي اللهُ عنه حين سأله ابنُ الكواء: أنه يُفتح له أو لا؟ قال: لا۔ قال: فَلِمَ تُحارِب إذَن؟ قال: إني مأمورٌ۔ يعني به أنَّ التكوينَ وإن كان جرى بالهزيمة أَلا أَنَّ التشريعَ على مكانه لا يتغيرُ به، كما لو لم يُكْشَف عليه۔ فلا ينبغي لأَحَدٍ أن يعملَ بالتكوينِ إلا للنبيُّ خاصَّةً، فإنَّه قد يأخذُ جِهةَ التكوينِ أيضًا۔

جان لیں کہ تکوین کبھی کبار شریعت کے متضاد ہو سکتی ہے، کیونکہ تکوین تکلیف کے تابع نہیں ہے۔ اگر تکوین کسی پر ظاہر ہو جائے تو شریعت اسے بالکل تبدیل نہیں کرے گی۔ اگر کسی کے سامنے یہ ظاہر ہو جائے کہ فلاں پر کفر کے مہر لگادی گئی ہے۔ اور خدا نہ کرے، موجودہ حالات میں اس کے لیے کافر سمجھا جانا جائز نہیں ہے، اور یہ وہی ہے جو علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا، جب ابن الکوا نے ان سے پوچھا: کیا اسے کھول دیا جائے؟ اس کے لیے یا نہیں؟ اس نے کہا: نہیں- اس نے کہا: پھر تم

کیوں لڑ رہے ہو؟ اس نے کہا: مجھے حکم دیا گیا ہے، جس کے ذریعے اس کا مطلب یہ ہے کہ تکوین، اگرچہ ھزیمت کے ساتھ جاری ہے مگر شریعت اپنے جگہ بر قرار رہے گی وہ تبدیل نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس پر کشف ظاہر ہے نہیں ہوا ہے پس مناسب نہیں ہے کسی کے لیے کہ وہ تکوین پر عمل کریں مگر نبی کے لیے خاص کیوں کہ اللہ تعالیٰ کہ نبی تکوین کے جہت کو لیتی ہے۔ وہ اس کو ظاہر کرتا ہے، لہٰذا کسی کو تشکیل سے کام نہیں لینا چاہیے سوائے خاص طور پر نبی کے، کیونکہ وہ تشکیل کی سمت بھی لے سکتا ہے۔[1]

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک امور تکوینی غیر شرعی غیر اختیاری ہیں تو جن نصوص قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکلفین کا کوئی اختیار نہیں تو اس سے مراد صرف تکوینی امور مراد ہوتے ہیں اور جن نصوص قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکلفین محض بے بس اور بے اختیار نہیں ہیں تو ان سے مراد امور تشریعی ہوتے ہیں اور ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات اور اس طرح ان کا عکس ثابت نہیں ہوتا تو جو شخص دلائل تکوینیہ بیان کرتے ہوئے مکلفین سے اختیار شرعی یعنی شرعی احکام میں اختیار سلب کرتے ہیں جس طرح کہ جبریہ اس موذی مرض میں مبتلا ہیں اور اس وعید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

من غشّ فليس منّا۔

جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[2]

اس لئے یہ فرقہ ان فرقوں میں سے ایک ہے جن کا ناریہ ہونا ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ رسمی تبلیغی جماعت کو اہل حق گمراہ فرقہ ٹھہراتے ہوئے انہیں فرق ناریہ جبریہ میں سے شمار کرتے ہیں کیونکہ موجودہ رائیونڈی تبلیغی فرقہ کھلم کھلا کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ کا مطلب ہے کہ "مخلوق سے نہ کرنے کا یقین (ایمان) اور خالق سے کرنے کا یقین" فافھم۔

اور مؤلف بدر الساری علی فیض الباری ذکر کرتے ہیں کہ:

وقال الجبرية وهى أى (افعال العباد) مخلوق لله تعالىٰ، ولا مدخل فيها للعبد اصلا وهؤلآء ايضاً على طرف آخر من السفاهة حيث خرقوا المشاهدة وأنكروا البداهه۔[3]

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۸۱۔ ج ۴ ص ۳۹۸)

[2] (صحیح مسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غش فلیس منا نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۷۰)

[3] بدر الساری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۲۸۔

اوراس کتاب کی ج ا میں فرماتے ہیں:

اخرج الترمذی فی ابواب القدر عن ابنِ عَبّاس قال: قال رسولُ الله صلی الله علیه وسلم: "صِنْفَانِ مِنْ أُمّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الْأِسْلَامِ نَصِيبٌ: الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ"۔

قال ابن الملک المرجئة هم الذين يقولون الافعال کلهابتقدير الله تعالىٰ وليس للعبادفيهااختيارفانه لا۔۔۔یضر مع الایمان معصیة کمالاینفع مع الکفر طاعة کذافی اللمعات۔[1]

والجهمية اتباع جهم بن صفوان الذی قال بالاجبار والاضطرار الی الاعمال وقال لافعل لأحدغيرالله تعالىٰ وانماينسب الفعل الی العبدمجازاًمن غيران يكون فاعلاومستطيعاًلشئی۔الخ۔[2]

ثم جَهْم بن صَفْوَان رجلٌ مبتدعٌ، نَشَأَ من تِرْمذ في أواخر عهد التابعين - تُنْقَلُ عنه الأشياء الفلسفية من نفي الصفات، وغيرها۔ وفي «المسايرة»، عن أبي حنيفة: أنه قال له بعدما ناظره في مسألةٍ: أخرج عنِّي يا كافر۔

ترمذی نے ابواب تقدیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں یعنی مرجیہ اور قدریہ۔ ابن الملک نے کہا: مرجیہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتے ہیں اور بندوں کے لیے ان میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایمان کے ساتھ معصیت نقصان نہیں ہے جس طرح کفر کی ساتھ اطاعت کرنا فائدہ مند نہیں ہے یہی اسے طرح لمعات میں ہے میں ہے 3 اور جہمیہ جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں جنھوں نے مجبوری کے بارے میں کہاہے۔ اعمال کو انجام دینا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے کوئی عمل نہیں ہے، بلکہ عمل کو علامتی طور پر بندے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ عامل ہو اور نہ کسی چیز پر قادر ہو، وغیرہ، پھر جہم بن صفوان بدعتی آدمی ہے، جو بعد کے دور میں ترمذی سے پروان چڑھاہے تابعین کے آخر عہد میں - فلسفیانہ چیزیں اس سے منتقل ہوتی رہی، جیسے صفات کی نفی، اور دیگر، ۔" امام ابو حنیفہ کی روایت ہے: انہوں نے ایک مسئلہ پر ان سے بحث کرنے کے بعد ان سے کہا: اے کافر مجھ سے دور ہو جاؤ۔[3]

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسئلہ استوی میں فرمایا:

ومااراک الاّضالاافاخرجوه فامربه فاخرج من عنده وصفح فاذاهو جهم بن صفوان۔۔۔الخ۔

---

[1] بدرالساری شرح صحیح بخاری ج ا ص ۵۴۔ وهکذافی المرقاه ومظاهر الحق وغیره من الکتب المعتبرة۔

[2] بدرالساری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۵۱۳۔

[3] (فیض الباری شرح صحیح بخاری ج ۴ ص ۵۱۳)

اور اس نے آپ کو نہیں دیکھا، مگر گمراہ پس امر فرمایا کہ اس لیے اسے باہر لے جا میرے پاس سے،، اور جب دیکھا تو وہ جہم بن صفوان تھا____ الخ۔[1]

یعنی جبریہ فرقے نے یہ کہا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور بندوں کے لیے ان میں سے کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ یہ فرقہ پرلے درجے کا جاہل ہے کیونکہ اس نے ہدایت اور ظاہر باہر حقیقت اور مشاہدے کا انکار کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابواب القدر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں دو فرقے ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ مرجیہ اور قدریہ ہیں۔ ابن الملک نے فرمایا کہ مرجیہ وہ فرقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں بندوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں تو ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ مضر نہیں ہے جس طرح کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت مفید نہیں اور جہمیہ وہ فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کے متبعین ہیں اور وہ جہم اعمال میں جبر اور اضطرار کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کا کوئی فعل اور کام نہیں۔ بندوں کی طرف افعال کی نسبت صرف مجازاً ہے بغیر اس کے کہ وہ کرنے والے یا کسی کام کی استطاعت رکھنے والے ہوں۔[2]

پھر جہم بن صفوان ایک بدعتی شخص ہے جو کہ عہد تابعین کے اواخر میں ترمذ سے نکلا۔ فیض الباری اور مسایرہ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ایک مسئلے میں مناظرے کے بعد اسے حکم دیا کہ اے کافر ہمارے ہاں سے نکل جاؤ۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے استویٰ علی العرش کے مسئلے میں فرمایا کہ تم مجھے گمراہ معلوم ہوتے ہو۔ حکم دیا کہ اسے نکال دو تو اس کو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی محفل سے نکال دیا گیا جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ جہم بن صفوان تھا۔ آپ حضرات نے ان دونوں معتبر اور عظیم اماموں سے جہم بن صفوان کے متعلق سن لیا۔ اب میں اپنی تحقیق کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔

تفسیر مظہری کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ:

وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبة ۲۴)

اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

---

[1] (تمہید لابی شکور سالمی ص ۳۸)

[2] بدر الساری شرح صحیح بخاری۔

قال البيضاوي المراد الحب الاختياري يعني إيثار هذه الأشياء وترك امتثال أوامر الله تعالى ورسوله صلى الله عليه وسلم دون الحب الطبيعي فانه لا يدخل تحت التكليف والتحفظ عنه۔

یعنی تفسیر بیضاوی کے مصنف نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں محبت سے مراد اختیاری محبت ہے اور طبعی غیر اختیاری مراد اس لئے نہیں ہے کہ وہ تکلیف میں داخل نہیں ہوتی اور نہ اس سے تحفظ کے زمرے میں۔ [1]

دوسرے مقام پر آیت کریمہ **إِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (یونس ۴۴)** "بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وفيه دليل على أن للعبد كسباً وأنه ليس بمسلوب الاختيار بالكلية كما زعمت المجبرة۔

تفسیر مظہری (ص ۳۰ ج ۵) مطلب یہ ہے کہ آیت مذکورہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ کے لئے کسب ثابت ہے اور وہ بالکل مسلوب الاختیار نہیں جیسا کہ جبریہ کا گمان ہے۔ [2]

اسی طرح آیت مبارکہ **ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (النحل ۱۰۷)** یہ اس لئے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی آخرت سے پیاری جانی اور اس لئے کہ اللہ (ایسے) کافروں کو راہ نہیں دیتا۔" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ذكر الله سبحانه لاجل كفرهم وعذابهم سببين سبب ظاهرى وهو اختيارهم الكفر وعدم التدبر فى الآيات وسبب حقيقى وهو عدم ارادة الله تعالى فيهم الهداية فالاية دليل على ان افعال العباد بين الجبر والقدر۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور عذاب کے دو سبب بیان کیے ہیں۔ ایک سبب ظاہری اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور آیات میں غور و فکر نہیں کیا اور دوسرا سبب حقیقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا تو اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بندوں کے افعال جبر اور قدر کے درمیان میں ہیں، یعنی نہ جبر ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے اور نہ ہی قدر ہے کہ اپنے اعمال کے خود خالق ہوں۔ [3]

---

[1] (التفسیر المظهری ج۴ ص ۱۵۳)

[2] (التفسیر البیضاوی ج۳ ص ۱۱۴ تحت الآیۃ یونس ۴۴)

[3] (التفسیر المظهری ج۵ ص ۳۸۱، ۳۸۲)

آپ نے اسی تفسیر کے پارہ ٦ میں ذکر کیا ہے کہ:

ان قوله تعالیٰ سبحانه: فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (المائدة ٥٦) يدل على ان الفرقة الناجية ليست الا أهل السنة والجماعة دون الروافض وغيرهم من أهل الأهواء لبداهة غلبة أهل السنة في القرون والأمصار بل الروافض يعترفون بذلك۔۔۔الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی غلبہ حاصل کرنے والا ہے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نجات پانے والا فرقہ صرف اور صرف اہل وسنت والجماعت ہے۔ روافض اور دوسرے اہل ہوا فرقے نہیں ہیں اس لیے کہ تمام زمانوں اور شہروں میں اہل سنت والجماعت غالب رہے ہیں۔ یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہے۔(بدیہی :وہ چیز ہے جس کے جاننے اور سمجھنے کے لئے غور و فکر کی ضرورت نہ ہو) بلکہ روافض بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔[1]

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ:

إن للعبد قدرة خلقها الله تعالى له مؤثرة بإذنه فما شاء الله سبحانه كان وما لم يشأ لم يكن لا أنه لا قدرة له أصلا كما يقول الجبرية۔۔۔الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے قدرت مؤثرہ پیدا کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تاثیر کرنے والی ہے تو جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے تو وہ ہو گیا اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے تو وہ نہیں ہو گی اور ایسا نہیں ہے کہ بندے کے لئے بالکل قدرت نہیں ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں۔[2]

اور مفتی الثقلین نے اپنی تفسیر مدارک میں تحریر کیا ہے:

{فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ} أي جاء الحق وزاحت العلل فلم يبق إلا اختياركم لأنفسكم ما شئتم من الأخذ في طريق النجاة أو في طريق الهلاك۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق آ گیا علتیں ظاہر ہو گئیں تو صرف آپ کا اختیار اپنے نفوس کے لئے باقی ہے جو تم چاہتے ہو خواہ نجات کا راستہ اختیار کرو یا ہلاکت کا۔"[3]

[1] (التفسیر المظھری ج۳ ص ۱۳۵)

[2] (التفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۸٦)

[3] (التفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج۳ ص ۱۱)

اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيمًا (النساء ۳۹) ”اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے اللہ اور قیامت پر اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔“ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

وفي الكلام رد على الجبرية إذ لا يقال مثل ذلك لمن لا اختيار له ولا تأثير أصلا في الفعل ألا ترى أن من قال للأعمى: ماذا عليك لو كنت بصيرا او للقصير ماذا عليك لو كنت طويلا نسب إلى مايكره۔۔۔الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد مذکورہ میں جبریہ فرقے کا رد ہے اس لیے کہ جس کا کچھ اختیار نہ ہو اور نہ فعل میں کوئی تاثیر ہو اصلاً تو اسے اسی طرح کی بات نہیں کہی جاسکتی اور نہ کہی جاتی ہے۔ (آگے دلیل تنویری قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس نے اندھے سے کہا کہ تجھے کیا ہوتا اگر تو دیکھنے والا ہوتا یا کوتاہ قد کو کہتے کہ تجھے کیا ضرر ہوتا اگر تو دراز قد ہوتا۔ تو یہ بات کرنے والے کی طرف لوگ وہ نسبت کریں گے جسے وہ پسند نہیں کرتے۔[1]

تفسیر عثمانی میں ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرة ۲۸۶) کے تحت کہ: صاف فرمادیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال وخطرہ یا بھول چوک ان پر مؤاخذہ نہیں ہاں وہ باتیں جو بندے کے اختیار اور ارادے میں ہیں ان پر مؤاخذہ ہوگا۔[2]

اور شیخ زادہ علی البیضاوی رقمطراز ہیں کہ:

وفى الآية دلالة ايضاً أن افعال العبد تضاف اليه كسباً۔۔۔الخ۔

اور آگے مزید (ص ۴۵۴) پر تحریر کرتے ہیں کہ:

والتكليف بحسب الوسع۔۔۔الخ۔ (ص ۵۹۸) پر لکھتے ہیں کہ:

لَا يُكَلِّفُ الا بفعل يقدر المكلف على تحصيله۔۔۔الخ۔

یعنی تکلیف قوت وطاقت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور (مکلفین) کو صرف اس کام کا مکلف بنایا جاتا ہے جس کے کرنے کی وہ طاقت رکھتے ہیں (ہوں)۔

---

1 (التفسیر روح المعانی ج۵ ص ۳۱)

2 تفسیر عثمانی ص ۸۲۔

اور فتح الباری شرح صحیح البخاری میں علامہ احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

قال الکرمانی الجھمیة فرقة من المبتدعة ینتسبون الی جھم بن صفوان مقدم الطائفة القائلة ان لاقدرة للعبد اصلاً، وھم الجبریة۔

ترجمہ: کرمانی میں فرماتے ہیں کہ: جہمیہ مبتدعین میں سے ایک فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے وہ اس فرقے کا پیش رو ہے۔ یہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ کو سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

وقد ذکر الاستاذ أبو منصور عبد القاھر بن طاھر التمیمي البغدادي في کتابه الفرق بین الفرق ان رءوس المبتدعة أربعة إلی ان قال والجھمیة اتباع جھم بن صفوان الذي قال بالاجبار والاضطرار إلی الاعمال وقال لا فعل لاحد غیر اللہ تعالی وانما ینسب الفعل إلی العبد مجازا من غیر ان یکون فاعلاً أو مستطیعا لشئ۔

ترجمہ: استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں ذکر کیا ہے کہ مبتدعین کے بنیادی فرقے چار ہیں۔ پھر مزید لکھتے ہیں: جہمیہ فرقہ جہم بن صفوان کی پیروی کرنے والے ہیں، جس نے بندوں کو اپنے اعمال میں مجبور اور مضطر ہونے کا عقیدہ اختیار کیا اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کو کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ بندوں کی طرف افعال صرف مجازاً منسوب کیے جاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ کسی چیز کے کرنے یا طاقت رکھنے والے ہوں۔[1]

آگے جا کر لکھتے ہیں:

قال عبد اللہ بن المبارک ولا أقول بقول الجھم ان له قولا یضارع قول الشرک أحیانا۔

ترجمہ: اور عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں جہم بن صفوان کے قول پر کچھ تبصرہ نہیں کرتا اور نہ اسے قابل اعتبار سمجھتا ہوں اس لئے کہ اس کا قول کبھی کبھار شرک سے خلط ملط ہوتا ہے۔

پھر مزید لکھتے ہیں:

وأورد آثارا کثیرة عن السلف في تکفیر جھم۔

مزید لکھتے ہیں کہ اور بہت سے آثار سلف نے جہم بن صفوان کے کفر کے بارے میں نقل کیے ہیں۔[2]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہوئے ہیں اور میری امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے۔ سب کے سب جہنم میں جائیں

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۵ ص ۵۱۳، بذل المجھود ج۶ ص ۲۱۹)

[2] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۱۳ ص ۳۴۵-۳۴۶)

گے مگر ایک فرقے کے علاوہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی وہ نجات یافتہ فرقہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو میری سنت اور جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرنے والا ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہود اکہتر ۷۱ یا بہتر ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور حضرت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کھڑے ہو کر فرمایا: خبر دار! ہمیں رسول اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا سن لو! کہ تم سے پہلے اہل کتاب کے بہتر فرقے ہوئے اور یہ امت عنقریب تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ بہتر ۷۲ دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہو گا اور وہ اہل سنت وجماعت ہی ہے۔[1]

تحقیق مذکورہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ جبریہ فرقہ مبتدعہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ ان کا عقیدہ باطل اور خلاف قرآن وسنت ہے اور یہ ایک ایسا فرقہ ہے جو اپنی بدعت میں حد کفر تک پہنچ گیا ہے۔

بدعتی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنی بدعت میں کفر تک نہیں پہنچے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور دوسری وہ قسم جو اپنی بدعت میں عقیدہ کفر تک پہنچ چکے ہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ جس پر تمام کتب فقہ شاہد ہیں۔

صاحب کنز الدقائق نے تحریر فرمایا ہے:

وكره إمامة العبد والأعرابيّ والفاسق والمبتدع۔

ترجمہ: غلام، دیہاتی، فاسق اور بدعتی کی امامت مکروہ ہے۔[2]

اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق کے مصنف لکھتے ہیں:

وقيده في المحيط والخلاصة والمجتبى وغيرها بأن لا تكون بدعته تكفره، فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لا تجوز وعبارة الخلاصة هكذا وفي الأصل الاقتداء بأهل الأهواء جائز إلا الجهمية والقدرية۔

ترجمہ: صاحب بحر فرماتے ہیں کہ اس کراہت کو محیط اور خلاصہ اور مجتبیٰ وغیرہ نے اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ ان کی بدعت انہیں کافر نہیں بناتی اور اگر ایسی بدعت تھی جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں اور خلاصہ کی عبارت اس طرح ہے کہ کتاب الاصل یعنی (مبسوط) میں ہے کہ جہمیہ اور قدریہ کے علاوہ دیگر اہل ہواء کے پیچھے نماز جائز ہے۔[3]

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ا ص ۲۴۸، شرح مشکوۃ طیبی ج ا ص ۳۳۵، مظاہر الحق ج ا ص ۸۱، اشعۃ اللمعات ج ا ص ۱۵۳، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۵، بذل المجهود ج ۲ ص ۱۸۹۔ وغیرہ۔

[2] (کنز الدقائق باب الامامۃ ج ا ص ۱۶۷)

[3] (کنز الدقائق باب الامامۃ ج ا ص ۳۴۸)

اور مندرجہ بالا کی طرح بنایہ شرح ہدایہ (ج۱ص۲۲۷) اور (مراقی الفلاح وطحطاوی ص۲۴۵) اور (درر الحکام شرح غرر الاحکام ج۱ص۸۵) یہاں تک کہ جب وہ اپنی بدعت کی وجہ سے کافر ہو گئے تو ان کے پیچھے نماز بالکل نہیں ہوتی۔[1]

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منحۃ الخالق میں تحریر کیا ہے:

ان کراھۃ تقدیم الفاسق والمبتدع کراھۃ التحریم۔

یعنی فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کا مکروہ ہونا یہ کراہت تحریمی ہے تنزیہی نہیں۔

اور جامع الرموز میں ابی حفص سے منقول ہے کہ:

ان من یقراء قلیلاً من الامی احب الیّ من الفاسق القاری۔

یعنی وہ ان پڑھ جو قرأت تھوڑی پڑھ سکتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مجھے فاسق قاری کے پیچھے نماز پڑھنے سے زیادہ پسند ہے۔[2]

اور مستخلص الحقائق میں ہے کہ:

وان کان ھواہ یکفر اھلہ کالجھمی والجبریۃ والقدریۃ۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

لایجوز الصلوۃ خلفہ کذافی الھدایۃ و شرح العقائد۔۔۔الخ۔

اگر ان کے ہواء نے ان کو کافر بنایا جیسے جہمیہ، جبریہ اور قدریہ تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔[3]

الجھمی منسوب الی ابی جھم بن صفوان وھم قوم من المشبھۃ والجبریۃ وھم الذین یعتقدون ان العبد غیر مخیر فی الافعال عبادۃ کانت او معصیۃ۔۔۔الخ۔

جہمیہ ابی جہم بن صفوان کو منسوب کیا جاتا ہے اور یہ مشبہ میں سے ایک قول ہے اور جبریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں کوئی اختیار نہیں رکھتا خواہ وہ فعل عبادت ہو یا گناہ اور معصیت اور متانہ میں ہے۔[4]

---

[1] (شرنبلالی ص۸۶، فتح القدیر ج۱ص ۳۰۴، عالمگیری ج۱ص۸۴) ازروئے نقل تبیین اور خلاصہ کے اور فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے۔اس طرح بدائع میں ہے اور متانہ ص۱۸۴، شرح الیاس ص۱۳۴، درمختار ثم ردالمحتار ج۱ص۴۱۴، کفایہ مع فتح القدیر ج۱ص۳۰۵، جامع الرموز ج۱ص۷۷، خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ص ۱۴۹، قاضی خان ج۱ص ۴۲۲، شرح وقایہ بمعہ عمدۃ الرعایۃ ج۱ص۱۷۵، بدائع الصنائع فی احکام الشرائع ج۱ص۱۵۷، فتاویٰ النوازل لفقیہہ ابی اللیث السمرقندی ص۴۸، صغیری وکبیر ص۳۱۹، فتاویٰ برہنہ ج۱ص۲۶۸، معیار الحقائق ص۶۲، فتاویٰ سراجیہ ص۱۵، فتاویٰ ودودیہ ص۱۴۶، عنایۃ ج۱ص ۳۰۲، جوہرۃ النیرۃ ج۱ص۵۸، جامع الفوائد ص ۳۴، احل المشکلات ص۱۲۶۔

[2] (جامع الرموز ج ۱ ص۷۷)

[3] (مستخلص ج ۱ ص ۲۰۲)

[4] (حاشیۃ مستخلص ج ۱ ص ۲۰۲)

لایجوز الصلوۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کراما کاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر۔۔۔الخ۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے منکر اور کراما کاتبین، عذاب قبر اور اسی طرح دیدار الٰہی کے منکر کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ کافر ہیں۔[1]

مندرجہ بالا تحقیق سے روزروشن کی طرح ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں جو کہتے ہیں مخلوق سے نہ کرنے کا یقین یا مخلوق کچھ بھی نہیں کرسکتے کیونکہ بحث امور شرعی میں ہے نہ کہ تکوینی اور تخلیقی امور میں اور ہمیں تکوین پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہم شرعی احکام کے کرنے اور نہ کرنے میں مکلف ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

بس کنم کان زیر کانرا بس است

چوتھی بحث:

بحث چہارم گزشتہ ابحاث کے لیے بمنزلہ تتمہ ہے اس لئے جبریہ اور قدریہ کے بارے میں علمائے کرام کے مقالے نقل کرتاہوں تاکہ یہ بمنزلہ مہر اور دستخط اوران کی تقاریظ بھی ہوجائیں اور عام مسلمانوں کو بھی فائدہ حاصل ہو۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا مقالہ ان کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" ج اول سے نقل کرتاہوں۔ جبر واختیار کی بحث علم الکلام کی مشکل ترین بحثوں میں سے ہے۔ ایک فرقہ اختیار کا منکر اور جبر محض کا قائل ہے۔" اور عقائد وفرقوں کی تاریخ میں جبریہ کے لقب سے مشہور ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ اگر انسان مجبور محض ہوتا تو وہ خدا کی طرف سے امر و نہی کا مخاطب کیوں بنتا اور شریعت کے احکام اس کی طرف کیوں متوجہ ہوتے، کیا کسی نے کسی پتھر کو حکم دیتے سنا ہے۔

جبر یش گوید کہ امر و نہی راست	اختیارے نیست دین جملہ خطا است
جملہ قرآن امر و نہی است، وعید	امر کردن سنگ مرمر را کہ دید

مثنوی ص ۴۶۱-۴۶۲ پر فرماتے ہیں کہ:

اختیار کا عقیدہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور روزمرہ کی زندگی میں اس عقیدے کا اقرار اور جبر کا انکار ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً کسی پر چھت کی لکڑی گر جائے تو اسے چھت پر غصہ نہیں آتا، سیلاب کسی کا سامان بہا کر لے جائے تو کسی کو اس غصہ

---

[1] (متانہ ص ۱۸۵)

اتارتے نہیں دیکھا، ہوا کسی کی پگڑی اڑا کر لے جائے تو کوئی اس سے نہیں لڑتا، اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ مجبور اور بے قصور ہیں۔ البتہ انسان کا انسان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے گویا صرف وہی صاحب اختیار ہے۔

مثنوی میں مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گر ز سقف خانہ چوبے بشکند — بر تو افتد سخت مجروحت کند
ہیچ خشمے آیدت بر چوب سقف — ہیچ اندر کین او باشی تو وقف
کہ چرا بر من زد دستم شکست — یا چرا بر من فتاد کرد پشت
واں کہ قصد عورت تو می کند — صد ہزاراں خشم از تو سر زند
در بیاید سیل رخت تو برد — ہیچ با سیل آورد کیتی خرد
گر بیاید باد دستارت ربود — کے ترا با باد، دل خشمے نمود
خشم در تو شد بیانِ اختیار — تا نہ گوئی جبریانہ اعتزار

مزید فرماتے ہیں کہ جانور تک جبر و قدر کے مسئلے سے فطری طور پر واقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آلات و جمادات کا کوئی قصور نہیں کتے کو بھی اگر پتھر مارا جائے تو وہ پتھر پر نہیں بھونکتا بلکہ انسان کے پیچھے دوڑتا ہے، شتربان سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ جب حیوان بھی اس حقیقت سے واقف ہیں تو انسان کو بھی جبری بننے سے شرم آنی چاہیئے۔[1]

ہمچنین گر بر سگے سنگے زنی — بر تو آرورده منثنی
گر شتربان اشترے را می زند — آں شتر قصدِ زنندہ می کند
خشم اشتر نیست با آن چوب او — پس ز مختاری، شتر بردہ است بو
عقلِ حیوانی چو دانست اختیار — ایں مگورے عقل انسانی شرم دار
روشن است ایک لیک از طعم سحور — آں خوزندہ حشم بر بندد ز نور
چونکہ کلی میل آں نان خوردہ نیست — رو بہ تاریکی کند کہ روز نیست[2]

---

[1] (مثنوی ص ۴۶۳)

[2] (مثنوی ص ۳۹۲-۳۹۳)

شبیر احمد عثمانی مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اعمال آیا ہمارے اختیار وارادہ میں ہیں یعنی ان کے صدور میں ہمارے اختیار وارادے کو کچھ دخل ہے یا ہم بالکل مجبور محض و مضطر ہیں۔ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا تو ہر شخص وہی عمل کر سکتا ہے اور کر گیا جو علم الٰہی میں پہلے مقرر و طے شدہ ہے تو پھر بظاہر عامل اپنے عمل میں مجبور اور مضطر ہوا اور عامل کے اپنے ارادے اور اختیار کو کوئی دخل اس کے صدور میں نہ رہا۔ گویا بندوں کے تمام افعال اضطراری ہو گئے لیکن فی الحقیقت یہی بات غلط ہے کہ علم الٰہی کی وجہ سے عامل کا ارادہ واختیار سلب ہو جاتا ہے۔ بے شک ہر چیز ٹھیک اسی طرح وقوع پذیر ہو گی جو علم الٰہی میں ازل سے طے شدہ ہے ایک رتی بھر بھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتا مگر یہ علم الٰہی ازلی ہمارے اختیار وارادے کو سلب نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس اسے اور زیادہ ثابت اور مستحکم کرتا ہے کیونکہ علم الٰہی میں مثلاً ہمارے اعمال اختیاریہ کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادے اور اختیار سے فلاں عمل فلاں وقت میں کرے گا بناءعلیہ یہ ضروری اور لازم ہو گا کہ وہ شخص اپنے ارادے اور اختیار ہی سے وہ عمل انجام دے ورنہ ایک چیز کا علم الٰہی کے خلاف واقع ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ علاوہ بریں علم الٰہی میں کسی عمل کے مقرر و متعین ہونے کی وجہ سے عامل کا مسلوب الارادہ والاختیار نہ ہونا ایک اور دلیل سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے تھوڑی دیر کے لئے افعال واعمال کی بحث کو ملتوی رکھیے میں پوچھتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ کے جو افعال و تصرفات ہمہ وقت اس کائنات میں جاری ہیں وہ سب اس کے علم قدیم محیط میں پہلے سے ثابت ہیں یا نہیں ؟ اگر نہیں تو جہل لازم آتا ہے، لہذا ماننا پڑے گا کہ خود اللہ تعالیٰ جو افعال اس دنیا میں کرتا ہے وہ سب علم قدیم میں پہلے ہی سے طے شدہ ہیں کیونکہ جہل ممتنع ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اس کے علم ازلی محیط کے خلاف ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو، جیسا کہ ظاہر اًواضح اور مسلم ہے۔ یہاں بھی وہی بحث آگئی جو آپ افعال عباد کے متعلق کر رہے تھے کہ جب علم قدیم کے خلاف نہیں تو عامل اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہو گا، اس بناء پر تو یہ لازم آتا ہے کہ بندے تو ایک طرف رہے خود اللہ تعالیٰ بھی فاعل و مختار نہ ہو، تم تو افعال عباد کی فکر میں تھے یہاں خود افعال باری تعالیٰ کا مضطر ہونا لازم آگیا لہذا ثابت ہوا کہ کسی فعل کے ساتھ علم الٰہی کے متعلق ہونے سے فاعل کا مضطر اور مسلوب الاختیار ہونا لازم نہیں، خواہ وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا بندے ہوں۔ پس اصل بات وہی ہوئی جو میں کہہ چکا ہوں کہ علم ازلی قدیم عامل کے ارادہ واختیار کی نفی نہیں کرتا، اسے ایک ناتمام مثال سمجھیں مثلاً آپ

جانتے ہیں ریل گاڑیوں کی آمدورفت تاحدّ امکان طے شدہ ٹائم ٹیبل کے مطابق ہوتی ہے لیکن کیا اس ٹائم ٹیبل کو ریل کے چلنے اور اس کی حرکت میں ذراسا بھی دخل ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ بھی دخل نہیں لہذا بطور تقریب الی الفہم کے علم الٰہی کو بطور ٹائم ٹیبل سمجھئے۔ فرق یہ ہے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ محیط و کامل نہیں وہ لوگ اپنے قواعد واصول کی بناء پر طے کر لیتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن پر گاڑی فلاں وقت پر پہنچے گی، ان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کس دن درمیان میں لائن ٹوٹ جائے گی یا انجن خراب ہو جائے گا یا کوئی اور حادثہ پیش آئے گا۔ اس لئے گاڑی لیٹ ہو جائے گی، اس قسم کے عوارض و مواضع جزئیہ کا علم محیط ان کو نہیں ہو سکتا۔ لہذا کبھی کبھی ان عوارض و حوادث کی بناء پر ان کے طے کیے ہوئے ٹائم ٹیبل سے اختلاف ہونا ناگزیر ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام جزئیات (تمام تفاصیل کے ساتھ) کو محیط لہذا ذرہ برابر اس کے علم سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ فرض کریں کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کو بھی اگر ایسا ہی علم محیط حاصل ہوتا تو تخلف ہر گز نہ ہوتا۔ بہر حال یہاں تشبیہ صرف اتنی بات میں ہے کہ انجن کی حرکت اور اسٹیم کے فعل میں اس ٹائم ٹیبل کو کوئی دخل نہیں، انجن اسٹیم کی طاقت اور اپنی حرکت سے ڈرائیور سے ارادے کے موافق چلتا ہے، ٹاتم ٹیبل کا اس حرکت کرنے میں کوئی دخل نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم قدیم عامل کی قدرت واختیار کو سلب نہیں کرتا بلکہ علم تو معلوم کے تابع ہوتا ہے کیونکہ علم اس معلوم کے صحیح انکشاف کا نام ہے معلوم کے واقع ہونے میں علم کا کوئی مدخل نہیں۔[1]

قاسم نانوتوی کا مقالہ ملاحظہ فرمائیں:

وہ تحریر کرتے ہیں کہ معتزلہ کے مقابل ایک فرقہ جبریہ کہلاتا ہے معتزلہ نے تو بندوں کو اپنے خالق قرار دیا ہے۔ جب کہ جبریہ کہتے ہیں کہ خالق ہونا تو کجا بندہ اپنے افعال میں بالکل مجبور ہے۔ اس کے ارادے واختیار کا ان کے کاموں میں کوئی دخل نہیں۔ ان لوگوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ تم بندے کو اس کے افعال میں مجبور محض مانتے ہو جیسے کہ اینٹ و پتھر وغیرہ حالانکہ تمہیں خود بھی انسانی حرکات میں فرق کرنا ناگزیر ہے۔ مثلاً کاتب کے ہاتھ کی حرکت اور مرتعش کے ہاتھ کی حرکت میں فرق بدیہی ہے۔

ان دونوں حرکتوں میں وجہٗ فرق تمہیں بیان کرنا ہوگی۔ اگر ان میں فرق کا انکار کرتے ہو تو یہ محض مکابرہ اور ھدایت کا انکار کرتا ہے اور جس شخص کی بلادت اس حد تک پہنچ گئی ہو وہ قابل خطاب ہی نہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ قدریہ تو بے ایمانی

---

[1] مسئلہ تقدیر ص ۸-۱۰۔

میں فائق ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بے شمار خالق تجویز کر لئے ہیں اور جبریہ حماقت وبلادت میں گویا سبقت لے گئے ہیں۔ اس لئے کہ حرکت ارادیہ اور حرکت غیر ارادیہ اضطرار کحرکۃ المرتعش میں ایک جانور بھی فرق کرتا ہے۔ مثلاً ایک کتے کو آپ پتھر ماریں تو کتا اس پتھر ہی کی طرف بھونکتا نہیں بلکہ پتھر مارنے والے کی طرف متوجہ ہوگا۔ حالانکہ اسے جو چوٹ لگی وہ پتھر ہی کی حرکت سے لگی لیکن وہ کتا بھی سمجھتا ہے کہ یہ حرکت قسری اور اضطراری ہے اس کا اس میں کوئی قصور نہیں اسی طرح اگر آپ سانپ کو لاٹھی ماریں یا شیر پر گولی چلائیں تو وہ سانپ یا شیر لاٹھی یا گولی مارنے والے پر حملہ کریں گے نہ لاٹھی یا گولی پر۔ گویا جانوروں (اگر ان میں شعور ہو تو) کے نزدیک بھی حرکت ارادیہ اور حرکت اضطراریہ میں فرق بین اور علم ضروری سے ثابت ہے تو ان کے درمیان کوئی مابہ الامتیاز فرق ہونا چاہیئے۔ یہیں سے مسئلہ کسب سامنے آتا ہے۔[1]

اسی طرح مولوی ادریس کاندھلوی رقم طراز ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے جب اس کارخانہ قدرت یعنی دنیا بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنایا اور ابتداء سے انتہاء تک ہر چیز کا اندازہ لگالیا پس اس اندازۂ خداوندی اور نقشہ پنہانی کا نام تقدیر ہے اور لغت میں تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اندازہ کر لیا کہ فلاں وقت فلاں مکان میں فلاں شئے اس طرح ہوگی اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت کفر کرے گا وغیرہ۔

پس اہل سنت وجماعت (جو بشہادت رسول ﷺ فرقہ ناجیہ ہے) کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قضاء وقدر حق ہے اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قضاء وقدر کو ٹال سکے یا اس کو آگے یا پیچھے کر سکے وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ البتہ بندوں سے ان کے افعال پر باز پرس ہوگی اور طاعت اور معصیت پر جزا اور سزا ملے گی لیکن خدا کے بندوں کے علم میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ بندہ بسا اوقات کسی مانع کی وجہ سے اپنے علم اور اندازہ اور اپنے نقشہ کے مطابق بنانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لئے بندے کا علم بسا اوقات غلط ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جس کا ارادہ فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی تقدیر غلط نہیں ہو سکتی بلکہ ہمیشہ واقع کے مطابق ہوگی۔ اور اس کے ارادے کو کوئی نہیں روک سکتا پس اللہ تعالیٰ کی تقدیر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اپنے افعال واعمال کے عذر میں تقدیر کو پیش کرنا درست نہیں۔ مثلاً کوئی شخص چوری کرے یا زنا کرے اور عذر یہ کرے کہ

---

[1] مسئلہ تقدیر ص ۸-۱۰۔

میری تقدیر میں لکھاہوا تھاتو یہ عذر درست نہیں ہو گااور یہ عذر اسے مؤاخذہ سے بچائے گا نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مقدر کیاہے مگر تجھے تقدیر کا کوئی علم نہیں۔ جس وقت تونے چوری کی یا زنا کاارتکاب کیاتوخواہش کی وجہ سے کیا تجھے اس وقت معلوم نہ تھا کہ تیری تقدیر میں کیالکھاہوا ہے۔ یہ سب بہانہ ہے۔ تجھے تقدیر کا کوئی علم نہیں یہ کام تم نے مجبور ہو کر نہیں کیا بلکہ برضا ورغبت اور مشقت ومحنت سے اپنی پوری قدرت اوراستطاعت کے ساتھ کیالہذا کسی کا یہ کہنا کہ بندہ تو مجبور ہے تقدیر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، بالکل دھوکہ اور فریب ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے علم اوراس کی تقدیر سے مجبور نہیں ہو جاتا۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ اوراختیار سے کرتاہے وہ ارادہ اوراختیار بھی خداہی کی طرف سے بندے کو ملاہے لہذا بندہ اس فعل میں مختار ہے مجبور نہیں۔[1]

مسئلہ زیر بحث پر کتاب مذکور میں مولوی قاری محمد طیب دیوبندی بھی (ص۶۶ تا ص۱۵۹) ایک مفصل مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو چاہے وہاں ملاحظہ فرمائے۔ آخر میں سید سلیمان ندوی کا وہ مقالہ پیش کرناچاہتاہوں جو کہ آپ نے (سیرۃ النبی ﷺ ج۴) میں جبر و قدر کے عنوان پر (ص۴۵۱-۴۵۶) پر سپرد قلم کیاہے۔ وہ یہ ہے کہ "جبر وقدر" عموماًلوگ اس موقع پر جبر وقدر کے مسئلہ کو چھیڑتے ہیں یعنی یہ کہ انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے یامختار؟ حالانکہ یہ سررشتہ کائنات کاوہ عقدہ ہے جس کا حل نہ صرف یہ کہ مذہب کے ناخن سے نہیں ہوتا، بلکہ عقل کے ناخن سے بھی ہو سکتا جس طرح اہل مذہب ارادۂ الٰہی اورارادۂ انسانی کی باہمی تطبیق میں حیران ہیں۔

اسی طرح فلسفۂ الٰہیات کے معلم اورانسان کی عملی آزادی کے درمیان اور فلسفۂ اخلاق والے، انسان کی آزادی عمل اوراس کے موروثی اثرات، فطری جذبات اورماحول کی تاثیرات کی مجبوریوں کے درمیان جو تصادم ہے اس کو بمشکل بچاسکتے ہیں۔ دنیا کے عام مذاہب کا بھی یہی حال تھا۔ ہر دھاگے میں یہ گرہ لگی ہوئی تھی اوراس کے حل کی دوہی صورتیں انہوں نے نکالی تھیں۔ یا توسرے سے اس سے خاموشی برتی جائے اوردبے پاؤں اس راستہ سے گزراجائے یابحث چھیڑی توجبر ہی کی طرف ان کامیلان تھا، چنانچہ یہی جبر ہندومذہب میں تناسخ، آواگون اور کرم کی صورت میں ہے۔" عیسائیوں میں حضرت آدم علیہ السلام کے گناہ اور خداکی مرضی" کے پیرایہ میں ہے، اوریہودیوں کے مجموعۂ تورات میں حضرت ایوب علیہ السلام کاصحیفہ اسی طرف رہبری

---

[1] مسئلہ تقدیر ص۵۵-۵۸۔

کرتا ہے، دوسری طرف مجوسی تھے جنہوں نے انسانی اختیار وآزادی کو یہاں تک بڑھادیا تھا کہ خود خدا بھی اس کے سامنے مجبور تھا۔"

خدا کو نہ صرف انسانوں کے بلکہ فرشتوں کے کاموں پر کوئی قابو حاصل نہ تھا، غرض آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے مذاہب کی یہی دو صورتیں تھیں یعنی یا تو ان کو اس مشکل کی خبر ہی نہیں تھی، یا تھی تو خدا کی قدرتِ مطلقہ اور مشیت عامہ کی اس طرح تعبیر کرتے تھے کہ انسان بالکل بے بس و مجبور نظر آتا تھا۔ یا یہ تناسخ کے چکر میں اس کو پھنسا کر اس کی زندگی کو اس کے پچھلے جنم کے کرموں کے ہاتھوں گرو کر دیتے تھے یا پھر اس سے بچے تو انسان کو کامل خود مختار بنا کر خود خدا کو مجبور بنا دیا۔ تمام انبیاء علیہ السلام میں آنحضرت ﷺ ہی کی شخصیت وہ نمایاں شخصیت ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس دیرینہ راز کے چہرے سے پردہ ہٹایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ دو صداقتیں ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کے ذرہ ذرہ پر قدرت مطلقہ رکھتا ہے، آسمان وزمین اور بحروبر میں کوئی چیز نہیں جو اس کے ارادے اور مشیت کے بغیر حرکت بھی کر سکے۔ اس طرح انسان اور اس کے تمام اعمال بھی اسی کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر مذہب کی اور خصوصاً اسلام کی جان ہے اگر یہ نہ ہو تو مذہب کی قوت بے اثر ہو کر رہ جائے اور ایک ایسا خدا ماننا آجائے جس کے اختیارات محدود، جس کی قدرتیں اور جس کی شہنشاہی ناتمام ہو۔ دوسری طرف یہ بھی صداقت ہے کہ دوسری مخلوقات کو نہ سہی، مگر انسان کو اپنے اعمال کے کرنے نہ کرنے کا کسی نہ کسی طرح اختیار ضرور بخشا گیا ہے۔ اگر یہ اختیار تسلیم نہ کیا جائے اور انسان کو اسی طرح سراپا مجبور محض فرض کیا جائے، جس طرح دوسری مخلوقات ہیں تو پھر انسان کے لئے خیر وشر کا امتیاز، جزا وسزا، شریعت، کتاب تعلیم اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت یہ تمام چیزیں بے کار محض ہو جائیں۔ ظلم وانصاف میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔ انسان کا اپنے کسی فعل پر قابلِ مدح یا قابل مذمت ہونا بے معنی ہو جائے۔ کسی اچھے کام پر خدا کا اس کو انعام اور برے کام پر عذاب دینا سراسر ظلم بن جائے بلکہ اس دنیا کی عدالت میں بھی وہ اپنے کسی فعل کا ذمہ دار نہ ٹھہرائے۔

الغرض یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں ایک یہ کہ خدا کو اپنی مخلوقات پر قدرت تامہ حاصل ہے اور اس کی مشیت وارادہ ہر جزو کل پر حاوی ہے اور دوسری یہ کہ انسان کو بھی اپنے عمل پر کوئی نہ کوئی ایسا اختیار حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اس عمل کا ذمہ دار بنتا ہے۔ نیکی کے کاموں کے کرنے پر وہ تعریف کا، اور بدی کے کاموں پر ملامت کا سزاوار ٹھہراتا ہے اور اسی بناء پر وہ اپنی دوسری زندگی میں اپنے فعل کی جزا اور سزا پانے کا مستحق ٹھہرے گا۔ اسی پر وہ فطرت کے سامنے دنیا کی

عدالت میں اور آخرت میں بھی مواخذہ اور بازپرس کی ذمہ داری میں گرفتار ہے اور اسی کے لئے خدا کی طرف سے اس کے پاس ہدایت کی کتاب اور راستہ دکھانے والے رسول اور نبی آتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا صحیفہ ربانی پہلی اور آخری آسمانی کتاب ہے جس نے ان دونوں صداقتوں کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی جگہ پر تسلیم کیا ہے اور ان کی تبلیغ کی ہے۔ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ خدا کی اجازت کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا اور دوسری طرف وہ کہتا ہے۔ "ہر جان اپنے کاموں کے ہاتھوں گروہے، یعنی خدا کی ہمہ گیر قدرت، وسیع اختیار اور ناقابل رد مشیت کے باوجود اس نے خود اپنے اختیار، خود اپنی مشیت اور خود اپنی حکمت سے انسان کو ارادہ اور ارادہ کے مطابق اپنے کام کرنے والے اعضاء کو ہلانے کی مشروط طاقت بخشی۔ یہی ارادہ اور اعضاء کو اس کے مطابق حرکت دے سکنے کی محدود قدرت اس کی ذمہ داری، تکلیف، بازپرس اور مواخذہ کی بنیاد ہے اور اسی پر اس کے اعمال، اخلاق اور معاملات کی پوری عمارت کھڑی ہے، اسی لئے انسان پر اس کے کسی ایسے عمل کی ذمہ داری قانوناً اور شرعاً نہیں، جو اس کے ارادہ اور نیت سے صادر نہ ہوتا ہے بلکہ اس کے کرنے یا نہ کرنے میں وہ مجبور و بے اختیار رہا۔"

انما الاعمال بالنیات۔ اس تطبیق سے نہ تو خدائے پاک کی قدرت واختیار کی وسعت میں فرق آتا ہے اور نہ انسان کا تمام تر مجبور ہونا لازم آتا ہے۔ خدا جب چاہے انسان سے اپنے دیئے ہوئے اختیار اور بخشی ہوئی قدرت کو چھین لے، مگر ایک وقتِ مقرر تک اپنے بنائے ہوئے قانون اور فرمائے ہوئے وعدے کے مطابق وہ اس کو اس اختیار اور قدرت سے محروم نہیں کرتا، فرمایا: {فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ} تفصیل مذکور سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ جو شخص یہ کہتا ہے اور یہ اس کا عقیدہ ہو کہ مخلوق سے نہ کرنے کا یقین رکھنا یا مخلوق مطلق کچھ نہیں کر سکتی یا مخلوق خالق کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی وغیرہ وغیرہ۔ یہ جبریہ وجہمیہ کا عقیدہ ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اس عقیدہ کی وجہ سے یہ کافر ہیں ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مخلوق خالق کے ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی یا کچھ نہیں کر سکتی تو یہ تشریع سے تکوین کی طرف جانا ہے۔ جسے ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کیا ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ تکوینی امور پر مکلفین کو جزا یا سزا دینے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ البتہ اس بارے میں نبراس سے عمرو بن عبید کا ایک واقعہ نقل کرکے بحث ختم کرتا ہوں۔

عمرو بن عبید معتزلی تھا۔ عمرو بن عبید ایک مجوسی کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ انہوں نے مجوسی سے کہا ایمان لے آؤ تو مجوسی نے جواباً کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے ایمان کا ارادہ فرمایا تو میں ایمان لے آؤں گا تو عمرو بن عبید نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

آپ کے ایمان لانے کا ارادہ فرمایا ہے مگر شیطان آپ کو نہیں چھوڑتا تو مجوسی نے جواباً کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے ایمان کا ارادہ فرمایا ہے مگر شیطان کے منع کرنے سے میں ایمان نہیں لے آسکتا تو ثابت ہوا کہ شیطان غالب اور اللہ تعالیٰ مغلوب ہے (**العیاذ باللہ**) اس لئے میں شریک اغلب یعنی شیطان کا ساتھ دوں گا عمرو کہتے ہیں کہ مجھے کسی نے اس طرح کی ملامت نہیں کی جس طرح اس مجوسی نے ملامت کی تھی۔**واللہ ورسولہ اعلم**۔

(٦) باب نمبر چھ: رائیونڈیوں کے کُفریہ عقائد اور اُن کے جوابات کے بیان میں

وجہِ تصنیف

دیوبندی مولوی ابو الحسن (جامعہ اشرفیہ عید گاہ روڈ، پشاور) نے ایک کتابچہ شائع کیا۔ جس میں مولوی موصوف نے ایک استفتاء بعنوان "علماءِ اسلام کی خدمت میں" دریافت کیا۔

اس استفتاء میں دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت کے عقائد کا بیان ہے، جو وہ اپنے تبلیغی جماعت کے اجتماعات میں کرتے ہیں۔ جو قطعی کفریات ہیں، جس سے رائیونڈیوں کے کفریہ عقائد کا برملا اظہار ہوتا ہے۔

میں نے اس کتاب میں تبلیغی جماعت (رائیونڈی) کے ان کفریہ عقائد کے قرآن وحدیث کی روشنی میں جوابات تحریر کئے ہیں۔

امید ہے کہ آپ اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں گے، اور اپنے ایمان اور ضمیر کی روشنی میں صحیح فیصلہ کریں گے۔

فقط

فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ندائے اسلام پشاور عقائد تبلیغیان اور جواباتِ سنیان

عقیدہ نمبر ۱ قرآن وحدیث اور پورا دین ہماری اس تبلیغ کے مقابلہ میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ ہمارا یہ تبلیغی عمل سمندر ہے۔	جواب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنی تمام خلق (مخلوقات) پر۔[1] روافض کا عقیدہ یہ ہے کہ آئمہ اطہار رحمہم اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا بالاجماع کفر ہے کہ غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا ہے۔ بھلا تبلیغی نصاب قرآن کریم سے کیسے افضل ہو سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عظیم الشان پر تبلیغی نصاب کو فضیلت دینا بعینہٖ عقیدۂ کفر ہے۔
عقیدہ نمبر ۲ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو اپنے علم وذکر (ذکر وعلم) حاصل کرنے کے لئے پیدا نہیں پیدا کیا۔ بلکہ اُمتِ مسلمہ کو صرف اور صرف اس مقامِ تبلیغ کے لئے پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا جو فرد اُمت بھی یہ کام نہیں کرے گا وہ ظالم ہو گا۔	جواب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت، ذکر اور معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی جن وانس عبادت اور ذکر نہیں کرے گا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا تو وہ ظالم ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طریقہ اور راستہ پر چلنا ظلم نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت کے راستہ اور طریقے پر چلنا خلافِ حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دِينَار أنفقته فِي سَبِيل الله ای فی الجهاد و الحج و طلب العلم۔ اس سب میں سے اس کا اجر زیادہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ (مسلم شریف) کیونکہ وہ خیراتیں نفل ہیں اور یہ خرچ فرض ہے اور اکثر فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے۔
عقیدہ نمبر ۳ ایک بزرگ نے خواب دیکھا ہے کہ جہاد کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اب اُمت کی اصلاح صرف اس رائے ونڈ والے عمل سے ہو گی۔	جواب ابو داؤد شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جہاد جاری ہے جب سے مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا یہاں تک کہ میری پچھلی اُمت دجال سے لڑے گی۔ اس کو باطل نہ کرے گا ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل، انتھٰی۔ اور اس پر اجماع قائم ہے، تو جہاد کا فسخ بعد از زمانِ رسالت متصور نہیں۔ **لعنت اللہ علی الکاذبین** جہاد کے نسخ کا عقیدہ رکھنا کُفر ہے۔

[1] (ترمذی شریف، دارمی، بیہقی فی شعب الایمان)

عقیدہ نمبر ۴ تبلیغی جماعت کا یہ عمل کشتی نوح علیہ السلام کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو وہ بچے گا اور جو اس میں شامل نہ ہوا تو اس کا انجام خراب ہو گا۔	جواب یہ حکم قرآن کریم کے لئے ہے نہ کہ تبلیغی نصاب کے لئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں بہترین اور نجات والا وہ ہے جو کہ قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ (صحیح بخاری) علماء کا قرآن احکام بذریعہ حدیث وفقہ سیکھنا اور سکھانا یہ سب قرآن ہی کی تعلیم ہے۔ صرف الفاظِ قرآنی کی تعلیم مراد نہیں، اس لئے یہ حدیث فقہاء کے خلاف نہیں کہ فقہ سیکھنا قرآن سے افضل ہے، یعنی تلاوت قرآن سے افضل ہے کیونکہ فقہ احکامِ قرآن ہے اور تلاوت میں الفاظِ قرآن۔ چونکہ کلام اللہ تمام کلاموں سے افضل ہے لہٰذا اس کی تعلیم تمام کاموں سے بہتر اور افضل ہے اور اسرارِ قرآن الفاظِ قرآن سے افضل ہیں۔ (مرآۃ شرح مشکوٰۃ)
عقیدہ نمبر ۵ جو علماء اور مشائخ اپنے مقامات پر قرآن وحدیث کے درس وتصنیف وتالیف، تحریر وتقریر، وعظ واصلاح کے ذریعہ کام کر رہے ہیں وہ ظالم ہیں، ان کے اس کام کی وقعت نہیں جب تک وہ بستر سر پر اٹھا کر رائے ونڈ کے طریقہ پر تبلیغ میں عمل انجام نہ دیں۔	جواب تبلیغی جماعت نے جو علماء ومشائخ کی توہین وتخفیف کی ہے، وہی عقیدۂ کفر ہے۔ اور اگر توہین وتخفیف نہ کی ہو تو ان پر تعذیر واجب ہے۔ (کذافی الطحطاوی) تبلیغی جماعت جو بستر سر پر اٹھا کر رائے ونڈ کے طریقہ پر تبلیغ میں عمل سرانجام دے رہی ہے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا طریقہ وسنت نہیں ہے۔ **کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم: لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، اھ۔**[1] اور اگر ہو تو پھر صحیح حدیث پیش کرنا ضروری ہے۔
عقیدہ نمبر ۶ قرآن کریم انفرادی عمل ہے اور تبلیغی نصاب اجتماعی عمل ہے۔	جواب تبلیغی جماعت کا عقیدہ قلب مشروع ہے۔ مشروع یہ ہے کہ قرآن پاک اجتماعی عمل ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (آل عمران ۱۰۳)** اور تبلیغی نصاب انفرادی عمل ہے۔

[1] **(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۴۷۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)**

عقیدہ نمبر ۷ قرآن کریم مشکل کتاب ہے اور حدیث بھی مشکل ہے اور قرآن کریم اور حدیث کے درس میں بیٹھنے سے فائدہ نہیں، فائدہ تبلیغی نصاب میں ہے۔	جواب قرآن عظیم الشان کی شرح حدیث شریف ہے اور مشکل نہیں۔ اور حدیث شریف کی شرح فقہ ہے اور مشکل نہیں۔ اور قرآن عظیم الشان وضاحتِ کاملہ ہے کچھ مشکل نہیں جو لوگ تبلیغی نصاب کو قرآن عظیم الشان پر فضیلت اور ترجیح دیتے ہیں تو وہی لوگ خوارج میں سے ہیں۔ فلہذا قرآن کریم کے درس سے بہت فوائد اٹھاسکتے ہیں نہ کہ تبلیغی نصاب سے۔ یعنی تبلیغی نصاب کے درس میں کوئی فائدہ نہیںُ۔ وھذااظھر من الشمس
عقیدہ نمبر ۸ جو آئمہ کرام ومشائخ، مفسرین اور جتنے محدثین گزرے ہیں، اور انہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن وحدیث، فقہ ودیگر علوم میں صرف کی، لیکن بستر سر پر اٹھاکر دربدر سفر نہیں کیا اُن کی نجات نہیں ہوگی۔	جواب جو آئمہ کرام اور مشائخ کرام عظام اور محدثین گزرے ہیں اور انہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن کریم وحدیث کے درس اور فقہ میں ودیگر علوم میں صرف کی وہ عند اللہ درجات والے ہیں اور کامیاب ہیں اور جو لوگ سر پر بستر اٹھاکر دربدر سفر کررہے ہیں اُن کے لئے ہرگز نجات نہیں اور یہ طرزِ پیغمبرِ خدا کا نہیں بلکہ شیطانی طرز ہے۔[1] سراسر تبلیغ والوں کی بدعت اور بے دینی ہے۔
عقیدہ نمبر ۹ آپ صرف لوگوں کو نماز کی دعوت دیں اور چھ نمبر ان کو بیان کریں کسی کو برائی سے منع نہ کریں، بُرائی خود بخود ختم ہوجائے گی۔	جواب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں فرض کفایہ ہیں، ایک پر عمل کرنا اور دوسرے پر عمل نہ کرنا یعنی بعض قرآن پر ایمان لانا اور بعض پر نہ لانا صریح کُفر ہے۔
عقیدہ نمبر ۱۰ روانہ ہونے والی ملکی وغیر ملکی جماعتوں کو ہدایت دی جاتی ہے کہ آپ صرف مسلمان کو دعوت دیں گے کسی کافر کو دعوت نہ دینا۔ جب پوچھا گیا کہ کافر کو دعوت کیوں نہ دیں تو جواب دیا گیا کہ ہم موجودہ مسلمانوں کو نہیں سنبھال سکتے اگر مزید لوگ مسلمان ہوگئے تو اُن کو کون سنبھالے گا؟	جواب قولہ تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَاأُنْزِلَ إِلَيْكَ (المائدہ۶۷) کافۃً یعنی تمام خلق کو ہے (تفسیر حُسینی) نہ صرف مسلمان کو اور کافر کو دعوت دینا واجب اور ضروری ہے، تاکہ ذمہ فارغ ہوجائے اس میں کوئی نقصان نہیں اور یہ عقیدۂ تبلیغیان خلاف شریعت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے۔

[1] (کذافی روح البیان، ج ۲، ص ۴۵۲)

عقیدہ نمبر ۱۱ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عدالتیں قائم کرنے، لوگوں کے درمیان فیصلے کرانے، مسئلے مسائل بیان کرنے، درس دینے، حکومت کرنے، کافروں سے جنگ کرنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بعثت کا صرف ایک مقصد تھا، اور وہ تھا تبلیغ!	جواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عدالتیں قائم کرنے، لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے اور مسئلے مسائل بیان کرنے اور کافروں کے ساتھ جہاد وجنگ کرنے کے لئے آئے تھے اور یہ تبلیغِ قرآن ہے۔
عقیدہ نمبر ۱۲ اسلام نہ کتاب، نہ تقریر، نہ تلوار (جہاد) سے پھیلا ہے۔ اسلام صرف تبلیغ کے عمل سے پھیلا ہے۔	جواب اسلام کتاب اللہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تقریر، تحریر، تلوار اور جہاد سے پھیلا ہے، تبلیغی عمل سے نہیں پھیلا ہے۔
عقیدہ نمبر ۱۳ اللہ تعالیٰ کا راستہ صرف یہ ہے، دوسرا نہیں۔	جواب قولہ تعالیٰ: أَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (الأنعام ۱۵۳) اللہ تعالیٰ کا راستہ صراط مستقیم ہے نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جو شہروں میں چلتے پھرتے ہیں (جو کہ تبلیغی لوگ ہیں)۔
عقیدہ نمبر ۱۴ جو علماء ومشائخ یا کوئی اور حضرات ساری دنیا میں تبلیغ کے لئے دورہ کریں جب تک وہ رائے ونڈ کے راستے نہ ہو وہ عند اللہ مقبول نہیں۔	جواب جو علماء ومشائخ اور دیگر حضرات ساری دُنیا میں صحیح تبلیغ کا دورہ کریں تو وہ عند اللہ مقبول وماجور ہیں اور رائیونڈ والوں کا راستہ شیطانی راستہ ہے۔[1]

[1] (کمافی روح البیان، ج۲، ص ۴۵۲، سورۃ المائدۃ)

عقیدہ نمبر ۱۵ یورپ کے کفار اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن وہ بس ہمارے عمل کے محتاج ہیں۔	جواب قولہ تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ (المائدة ۵۱) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان دونوں کی گفتگو سُن کر اس منافق (عبد اللہ بن ابی) سے فرمایا کہ یہودیوں سے دوستی رکھنا تیرا ہی کام ہے اور عبادہ کا کام نہیں ہے۔ اس آیت سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ یہود و نصاریٰ سے دوسری و محبت و بلا سخت ضرورت ان کی مدد کرنا، یا اُن سے مدد لینا یہ بھی حرام ہے۔ دوسرا یہ کہ کفار سے محبت رکھنا منافقوں کی علامت ہے۔ تیسرا یہ کہ اہل کتاب سے محبت حرام تو مشرکین سے بدرجۂ اولیٰ حرام کیونکہ یہ اُن سے بدترین ہیں۔ (خازن شریف) ایسے خبیثوں کا حشر و نشر نصاریٰ کے ساتھ ہوگا۔
عقیدہ نمبر ۱۶ گھر کے سب افراد کو خدا کے آسرے پر چھوڑ کر ایک سال کے لئے نکل جائیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایک سال کے لئے تبلیغ کے لئے جانا ماں باپ سے اجازت لئے بغیر یا بال بچوں کے نفقہ وغیرہ کا انتظام کئے بغیر صحیح نہیں، وہ ظالم ہے۔	جواب گھر کے سب افراد اہل و عیال کو چھوڑ کر فی سبیل اللہ یعنی طلب علم کے لئے نہیں جائے، ماں باپ کی اجازت کے بغیر اور بچوں کے نفقہ کا انتظام کئے بغیر اجازت جانا سراسر ظلم، ناجائز اور گمراہی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ۔[1] گھر والوں پر خرچ ان خیراتوں سے بہتر ہے کیونکہ وہ خیراتیں نفل ہیں اور یہ خرچ فرض ہے اور اکثر فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے۔[2]
عقیدہ نمبر ۱۷ جو شخص پہلے مرحلے میں چار مہینے اور پھر ہر سال میں ایک چلہ، مہینے میں تین دن اور ہر جمعہ مرکز میں حاضر نہیں ہوتا وہ ظالم ہے اس کی نجات نہیں ہوگی۔	جواب جو شخص پہلے چار مہینے اور پھر سال میں ایک چلہ اور مہینے میں تین دن (سہ روزہ) اور ہر شب جمعہ مرکز میں ہوتا ہے یہ نظم و نسق سراسر غلط ہے، پیغمبر خدا اور صحابہ سے مروی نہیں ہے۔ یہ خرافات اور خود ساختہ ہیں، بلکہ ان سے احتراز کرنا واجب اور لازم ہے۔

[1] (صحیح مسلم، ج۵، ص ۱۶۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)
[2] (مرأۃ شرح مشکوٰۃ، ج۳)

عقیدہ نمبر ۱۸ کتابوں میں دین نہیں ہے، نہ کتابوں سے دین حاصل ہوتا ہے۔ دیوبندیوں کے مولوی محمد یوسف صاحب سے کسی نے ایک عالم دین کی تصنیفات کے متعلق ذکر کیا کہ بڑی مفید اور بے شمار کتابیں انہوں نے تحریر کی ہیں۔ تو حضرت جی نے فرمایا کہ اس دور میں دین کے متعلق تصنیفات کرنا دین کی توہین ہے کیونکہ پھر لوگ کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں جو ہے ان پر ان کا عمل نہیں۔	جواب دین کی کتابوں میں علم ہے اور دین کی کتابوں سے علم حاصل ہوتا ہے اور جو علماء موجودہ دور میں تصانیف کرتے ہیں تو وہ اس پر اجر عظیم پاتے ہیں اور یہ عمل کرنا بالکل توہین نہیں ہے۔ پروپیگنڈا عقیدہ دار نہ سخت گنہگار اور نہ قابلِ جہنم میں سے ہے (یعنی یہ عقیدہ رکھنے والا نہ گنہگار ہے اور نہ جہنم والا)
عقیدہ نمبر ۱۹ علماء و مشائخ اور مدارس والوں کے پاس صرف ایک فیصد لوگ فیض حاصل کرتے ہیں اور ننانوے (۹۹) فیصد لوگوں کو ہم ہدایت دیتے ہیں۔	جواب علماء، مشائخ اور مدرسہ والوں کے پاس ہزارہا لوگ فیض حاصل کر رہے ہیں اور تبلیغی جماعت میں اتنا فیض نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث قدسی میں ہے: إِنَّکَ لَاتَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔[1] اس لئے تبلیغی جماوت کا یہ عقیدہ کفریہ ہے اور غلط ہے کیونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور دوسروں کی طاقت میں نہیں ہے۔
عقیدہ نمبر ۲۰ علماء اور اہل مدارس سنانے والے ہیں جبکہ ہم (تبلیغی جماعت والے) بدلنے والے ہیں، ہم انسان کی زندگی کو بدل دیتے ہیں۔	جواب تبلیغی جماعت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ انسان کی زندگی بدلتے ہیں، یہ دعویٰ کرنا غلط ہے۔ اور قرآن کریم سے باہر ہے۔ کیونکہ ہدایت موصلہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے انسان کی قدرت میں نہیں ہے، توبہ تائب ہونا ضروری ہے۔
عقیدہ نمبر ۲۱ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن پاک میں تین جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کو فرمایا ہے کہ نکلو! پھر یہ آیت پڑھی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرۃ ۱۲۹)	جواب میں نے تفاسیر کا بغور مطالعہ کیا، کسی جگہ میں نے نہیں دیکھا کہ آیت مذکورہ کا یعنی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ کا مفسر نے یہ معنی کیا ہے کہ نکلو! یہ تبلیغ والوں کا تحریف نہیں تو کیا ہے؟ اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے اور دوسرا یہ کہ دیوبندیوں کے مولوی اشرف علی تھانوی نے "تفسیر بیان القرآن" میں صفحہ ۱۲۸ میں لکھا ہے کہ آج کل جو جاہل یا کالجاہل وعظ کرتے چلتے پھرتے ہیں اور غلط روایات واحکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں، سخت گنہگار ہوتے ہیں اور پھر سامعین کو ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۴، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

آیت کے پہلے حصہ کا معنی ہے نکلو! اور پھر علم وذکر بعد کی چیزیں ہیں جن کا ذکر یُزَکِّیھِمْ میں کیا گیا ہے اور یہ بھی موجودہ طرق اربعہ والا ذکر نہیں۔	
عقیدہ نمبر ۲۲ ایک ذمہ دار فرد نے رائیونڈ میں کہا اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھ جیسا ایک طالب علم بھی اُس کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ علماء کا دور ودبدبہ ختم کر دیا گیا ہے صرف درس وتدریس کا دبدبہ رہ گیا ہے۔ یہ تدریس بھی عنقریب ختم کر دی جائے گی، احقر نے پوچھا کہ ذرا مجھے بتادیں کہ کیسے آپ نے علماء کرام کا دبدبہ خرم کر دیا ہے اور ان کی تدریس کیسے ختم کر دیں گے؟ میرے سوال پر ذرا پریشان ہوئے، اور جواب میں کہا کہ ابھی وقت نہیں وقت آنے پر بتادوں گا۔ میں نے عرض کیا وہ وقت کب ہو گا؟ تو اس کا جواب نہیں ملا، یعنی جواب نہیں دیا۔ (یہ مشت نمونہ از خروارہے۔۔۔۔)	جواب **قولہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلة ۱۱)** علماء کا دبدبہ اور درجات کتاب اللہ سے ثابت ہے اور کسی کی طاقت میں نہیں کہ بغیر حکمِ خداوندی علماء کا دبدبہ اور درجات ختم کر دے اور نہ درس وتدریس ختم کر دے، اور یہ تبلیغی جماعت کا اختراع اور خود ساختہ بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم روح البیان میں ہے: **وهم الذين يدورون في البلاد مسيبين خليعي العذار يرتعون في مراتع البهيمية والحيوانية بلا لجام الشريعة وقيد الطريقة وهم يدعون أنهم أهل الحق قد لعب الشيطان بهم فاتخذوا إلههم هواهم۔**[1] **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم!**

فتدبرو ولا تكن من الغافلين

براہِ کرم للہِ اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ کیا ایسے بیانات کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو پھر ایسا بیان کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم اور کیا سزا ہے؟ (استاد الحدیث ابو الحسن، جامعہ اشرفیہ، پشاور)

منجانب:

مولانا محمد یوسف قریشی، مہتمم دار العلوم جامعہ اشرفیہ وخطیب جامع مسجد مہابت خان، چوک یادگار، پشاور

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۱۳۶۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۷) باب نمبر سات: سراج الامۃ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنے شاگردوں کو وصیت کے بیان میں

ھذا کتاب الوصیۃ من الامام الاجل الاعظم ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لاصحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین لما مرض ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال اعلموا اصحابی واخوانی وفقکم اللہ تعالیٰ ان فی مذھب اھل السنۃ والجماعۃ اثنی عشر نوعا من الخصال فمن کان یستقیم علی ھذہ الخصال لایکون مبتدعا ولایکون صاحب الھواء فعلیکم اصحابی واخوانی ان تکونوا فی ھذہ الخصال حتی تکونوا فی شفاعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم القیامۃ۔

ترجمہ: جس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیمار پڑ گئے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا کہ اے میرے شاگردو! اور اس مذہب کی پیروی کرنے والے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ بتحقیق اہل سنت وجماعت کے مذہب میں بارہ (۱۲) اقسام پر مشتمل عقائد اور اعمال موجود ہیں تو جو شخص ان خصائل (اعمال) پر صحیح طریقے سے گامزن ہو (عمل کر جائے) تو ایسا شخص کبھی بھی دین میں صاحب بدعت اور صاحب ہوا نہیں ہو گا تو اے میرے شاگردو اور بھائیو! آپ پر یہ بات لازم ہے کہ آپ سب ان (۱۲) خصائل کو مظبوطی سے تھامے رکھو تاکہ آپ سب کو بروز قیامت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

خصلت (۱): ان (بارہ خصائل) میں سے پہلی قسم "ایمان" ہے اور ایمان زبان سے اقرار (ان سب امور پر کہ جن پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل فرمایا ہو۔) اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اور صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر صرف زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہا جاتا تو سارے منافقین، مؤمنین ہوتے اور اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف نبوت کے ساتھ پہچاننا (بغیر اقرار اور تصدیق کے) ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر صرف معرفت ایمان ہوتی تو (عصر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) اہل کتاب سب مؤمنین ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حق میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ (یعنی ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ ہم صرف دل کی تصدیق کی وجہ سے مسلمان ہیں) اور (مؤمن بہ چیزوں پر) ایمان پر نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ ہی کمی۔ کیونکہ ایمان میں زیادتی، نقصانِ کفر کی صورت میں ہی ممکن ہے اور ایمان میں کمی کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ جب کفر میں اضافہ ہو پس یہ کس طرح جائز ہو گا کہ ایک شخص ایک ہی حالت مومن اور کافر دونوں ہو حقاً (واقع میں) اور مؤمن کے ایمان میں شک نہیں ہے جس طرح کہ کافر کے کفر میں شک نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ان دونوں گروہوں کے بارے میں) یہ لوگ (مؤمنین) سچے ایمان والے ہیں۔ (اور یہ دوسرا گروہ یعنی کافر کہ) یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں جو لوگ گناہگار ہیں (گناہ کبیرہ میں ملوث ہیں) وہ سب مؤمنین ہیں کافر نہیں ہیں۔

تشریح: کرامیہ کا ایک گروہ اس عقیدے پر ہے کہ صرف زبان ہی سے اقرار کر لینا کافی ہے دل سے تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان تمام مؤمن بہ چیزوں پر زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

عن علي بن أبي طالب الإيمانُ عقدٌ بالقلبِ و إقرارٌ باللسانِ و عملٌ بالأركانِ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ دل کے ساتھ تصدیق ہو اور زبان کے ساتھ اقرار ہو اور ارکان پر عمل ہو۔ (لیکن ہمارے نزدیک عمل ایمان کا جزو نہیں ہے)[2]

اور اجماع اس بات پر ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کو ایمان کہتے ہیں اور گناہ کرنے سے مؤمن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، چاہے ایک گناہ بھی ہو البتہ یا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر عذاب دے گا یا اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے گا۔ یہ قول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت ابو الحسن الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے اور ایک گروہ جہمیہ کا ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی دل تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز دل سے ادا کرنی چاہئے ظاہری طور پر نماز ادا کرنا فرض نہیں ہے اور اس طرح حج کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ حج بھی دل سے ادا کرنا چاہئے اس کے ظاہری ارکان ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

و ذهب بعضهم الى انه يسقط عنه العبادات الظاهرة ويكون عبادته التفكر۔

ترجمہ: (اس گروہ جہمیہ کے) بعض لوگ (اعتقادی طور پر) اس طرف گئے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہو گئی ہیں (یعنی ان کی ضرورت نہیں ہے) اور سوچ و تفکر ہی (میں) عبادت ہے۔[3]

یہ گروہ بھی قرآن و حدیث کے مخالف ہے کیونکہ:

و لقوله عليه السلام مَن ترکَ الصلاةَ متعمدًا فقد كفرَ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑی اس نے یقیناً کفر کیا۔[4]

---

1 (غنیۃ الطالبین ص ۱۷۰)

2 (السيوطي (۹۱۱هـ)، الدرر المنتشرة ۳٥•ملا علي قاري (۱۰۱٤هـ)، الأسرار المرفوعة ۱٥۸•الزرقاني (۱۱۲۲هـ)، مختصر المقاصد ۲٥٦•ابن ماجه و شرح العقائد المسمى به نبراس ص ۴۰۱)

3 (شرح العقائد المسمى به نبراس ص ۵۶۲)

4 (الطبراني (۳٦۰هـ)، المعجم الأوسط ۳/۳٤۳•المنذري (٦٥٦هـ)، الترغيب و الترهيب ۱/۲٦۱•النووي (٦۷٦هـ)، الخلاصة ۱/۲٤۸•الهيثمي (۸۰۷هـ)، مجمع الزوائد ۱/۳۰۰•ابن حجر العسقلاني (۸٥۲هـ)، التلخيص الحبير ۲/۷۱۹•الهيتمي المكي (۹۷٤هـ)، الزواجر ۱/۱۳۱•محمد بن محمد الغزي (۱۰٦۱هـ)، إتقان ما يحسن ۲/٤۷٥•محمد جار الله الصعدي (۱۱۸۱هـ)، النوافح العطرة ۳۷۱•ابن الملقن (۷٥۰هـ)، خلاصة البدر المنير ۱/۲۸٤•العراقي (۸۰٦هـ)، تخريج الإحياء ۱/۲۰۱•شرح عقائد المسمى به نبراس ص ۳۵۷)

ایک گروہ جو کہ معتزلہ اور روافض کا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان زیادہ یا کم نہیں ہوتا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

عن أبي هريرة: جاء وفدُ ثقيفٍ إلى رسولِ الله ﷺ فقالوا: يا رسولَ اللهِ، الإيمانُ يزيدُ وينقُصُ؟ فقال: لا، الإيمانُ مُكَمَّلٌ في القلبِ، زيادتُه كفرٌ، ونُقصانُه شِركٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آیا ایمان زیادہ یا کم ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (بلکہ) ایمان (بندے کے) دل میں مکمل ہوتا ہے۔ اس (کے بارے) میں زیادہ ہونے کا عقیدہ کفر ہے اور کم ہونے (کا عقیدہ رکھنا) شرک ہے۔[1]

معتزلہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان اور شرک ایک شخص میں بیک وقت پائے جاتے ہیں یعنی ایک شخص ایک ہی وقت میں مؤمن بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی۔ مگر یہ بات غلط ہے کیونکہ یہ بات نصوص میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جو کہ متن میں بھی بیان ہو چکی ہے۔

ان الكبيرة التى هى غير الكفر لاتخرج العبد المؤمن من الايمان لبقاء التصديق الذى هو حقيقة الايمان خلافا للمعتزلة حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة ليس بمؤمن ولا كافر وهذا هو المنزلة بين المنزلتين۔

ترجمہ: یہ کہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جو کفر کے علاوہ ہیں (یعنی کفر ان میں شامل نہیں کیونکہ کفر تو اکبر الکبائر ہے) اور مؤمن بندہ ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ (کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود) مؤمن کی تصدیق قلبی تو قائم ودائم ہے جو کہ ایمان کی اساس ہے۔ (اور اس عقیدہ میں) معتزلہ خلاف ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے۔ اور (کفر وایمان کے درمیان میں) یہی وہ تیسرا درجہ ہے جو وہ دو درجوں کے درمیان ثابت کرتے ہیں۔[2]

لاهل القبلة فى الايمان مذاهب:

الاول: انه التصديق وهو مذهب الشيخ ابى الحسن الاشعرى رحمه الله تعالىٰ والامام ابى منصور الماتريدى رحمه الله تعاليو فخر الدين الرازى رحمه الله تعاليو القاضى البيضاوى رحمه الله تعاليو مختار الشارح وجمهور المحققين والاقرار عندهم شرط لاجراء الاحكام۔

الثانى: انه التصديق والاقرار وهو مذهب جمهور الفقهاء ومختار المصنف رحمه الله تعاليو امامنا الاعظم ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔

[1] (أخرجه ابن ماجه (٧٤) مختصراً، والجورقاني في «الأباطيل والمناكير» (١/١٤٤)، وأورده ابن حبان في «المجروحين» (١/٢٨٨) باختلاف يسير، تفسير سمرقندى ج٢ ص ٩٩، شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ٤٠٢۔٣ ١٣١ هجرى قمرى فى المطبع الهاشمى الواقع فى بلدة الميرتھ۔)

[2] (شرح العقائد المسمى بالنبراس ص ٣٥٠۔٣ ١٣١ هجرى قمرى فى المطبع الهاشمى الواقع فى بلدة الميرتھ۔)

الثالث: انه التصديق و الاقرار و العمل من اداء المامورات و لو مندوبة و ترك المحظورات بحيث يكون ترك العمل كفرا حتى فعل الصغيرة و ترك المندوب و ينسب الى الخوارج۔

الرابع: كذلك الا ان ترك العمل يخرج عن الايمان و لا يدخل فى الكفر و ينسب الى القاضى عبد الجبار و ابى الهذيل المعتزليين و استبعد الشارح فى شرح المقاصد هذين المذهبين و قال الخروج عن الايمان بترك المندوب مما لا ينبغى ان يكون مذهب العاقل۔

الخامس: انه التصديق و الاقرار و العمل من فعل الواجبات و ترك المحرمات بحيث يكون ترك الواجب و فعل الحرام مخرجا عن الايمان غير مدخل فى الكفر و هو مذهب ابى على الجبائى و ابنه ابى هاشم۔

السادس: انه التصديق و الاقرار بحيث لا يكون ترك الطاعة مخرجا عن الايمان و هو مذهب اكثر السلف و منهم مالك رحمه الله تعالى و الشافعى رحمه الله تعالى و احمد رحمه الله تعالىٰ۔

السابع: انه المعرفة و هو مذهب جهم بن صفوان و المعرفة اقل درجة من التصديق او اعم منه لانها قد تجامع العناد و الانكار۔

الثامن: انه الاقرار فقط و هذا مذهب الكرامية۔

التاسع: انه الاقرار بشرط المعرفة بحيث يكون الشرط خارجا عن الايمان كالوضوء الخارج عن حقيقة الصلوة و هو مذهب الرقاشى۔

العاشر: انه الاقرار بشرط التصديق الحاصل بالاختيار و الكسب و هو مذهب القطان من الاشاعرة هذا ملخص ما نقل عنهم على خلاف الناقلين فى بعضها و الله سبحانه اعلم۔

ترجمہ: بے شک ایمان میں اہل قبلہ کے مذاہب یہ ہیں۔

اول: تصدیق کرنا یہ حضرت شیخ ابو الحسن اشعری اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی اور حضرت فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی اور مختار شارح اور جمہور محققین رحمهم الله تعالىٰ اجمعين کا مذہب ہے اور ان کے نزدیک اقرار کرنا شرط ہے تا کہ احکام کو اجراء ہو سکے۔

دوم: تصدیق اور اقرار کرنا یہ مذہب جمہور فقہاء اور مصنف اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمهم الله تعالىٰ اجمعين نے اختیار کیا ہے۔

سوم: تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا جن پر ہمیں حکم دیا گیا ہے اگرچہ مستحب ہو اور گناہوں کو ترک کرنا اس طرح کہ ترکِ عمل کفر (کے برابر) ہے چاہے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو یا چاہے مستحبات کو ترک کیا ہو اور یہ بات خوارج کی طرف منسوب ہے۔

چہارم: (تیسرے قول ہی کی طرح ہے) لیکن ساتھ یہ بات بھی ہے کہ عمل کو ترک کرنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ بات قاضی عبد الجبار اور ابو ہذیل معتزلین کی طرف منسوب ہے اور شرح مقاصد میں شارح نے ان دو مذاہب سے دوری اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ کسی مستحب عمل کے ترک ہونے سے ایمان خارج ہونا ایسی بات ہے جس کو ایک مذہب تسلیم کر لینا کسی بھی عقلمند شخص کو مناسب نہیں ہے۔

پنجم: تصدیق اور اقرار اور واجب اعمال پر عمل کرنا اور محرمات کو ترک کرنا (اور وہ بھی) یوں کہ ترک واجب اور حرام کام کا کرنا ایمان سے خارج کر دیتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں کرتا اور یہ ابو علی جبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم کا مذہب ہے۔

ششم: تصدیق اور اقرار اور عمل، اس طرح کہ اطاعت، فرمانبرداری کا ترک، ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ یہ اکثر اسلاف جن میں حضرت امام مالک اور شافعی اور حضرت امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین شامل ہیں ان کا مذہب ہے۔

ہفتم: معرفت حاصل کرنا یہ جہم بن صفوان کا مذہب ہے اور معرفت کا درجہ تصدیق سے کم ہے یا یہ کہ (معرفت) تصدیق سے زیادہ عام ہے کیونکہ معرفت، عناد و انکار کی جامع ہے۔

ہشتم: اقرار کرنا فقط یہ کرامیہ کا مذہب ہے۔

نہم: معرفت کی شرط پر اقرار کرنا اور وہ ایسے کہ معرفت کی شرط ہونا ایمان کا جزو نہیں ہے جیسے وضو، جو نماز کی شرط تو ہے لیکن نماز کا حصہ نہیں۔ یہ قول رقاشی کا مذہب ہے۔

دہم: تصدیق کی شرط کے ساتھ اقرار کرنا۔ ایسی تصدیق جو اپنے اختیار اور کسب سے حاصل ہو اور یہ قول اشاعرہ میں سے ایک گروہ قطان کا ہے اور یہ تمام بحث وہ خلاصہ و نچوڑ ہے جو عقلاء کے (اقوال کے) خلاف نقل ہوا ہے۔ **واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔**[1]

خوارج اور روافض کے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)

ولا تدخلہ ای العبد المؤمن فی الکفر خلافا للخوارج ھم فرقہ من اھل القبلۃ خرجوا علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وذلک لان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکما بینھما اباموسی الاشعری وعمرو بن العاص لیسکن الحرب فقالت طائفۃ من اھل حروراء قریۃ عند الکوفۃ ان الفریقین کافران لانھما رضیا بحکم غیر اللہ سبحانہ وقال اللہ تعالیٰ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (یوسف ۴۰،یوسف ۶۷ والانعام ۵۷) فقال علی رضی اللہ تعالی عنہ کلمۃ حق ارید بھا باطل فارسل عبداللہ بن عباس الیھم لیکشف شبھتھم فابوا الا الخروج علیہ فی ربّھم حتیٰ قتل اکثرھم وکانوا اثنی عشر الفا وبقی قوم منھم علی مذھبھم وھم فرق کثیرۃ مجمعون علی تکفیر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعائشۃ وطلحۃ وزبیر ومعاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بانھم اھل الطاعات الکثیرۃ ولکن طاعاتھم لا تنفعھم وانھم من اھل النار وان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقاتلھم ویقتلھم۔

ترجمہ: داخل نہیں ہوتا یعنی مؤمن بندہ کفر میں (داخل نہیں ہوتا) خوارج کو اس بات سے اختلاف ہے (اور خوارج) اہل قبلہ سے ایک فرقہ ہے (جو) امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف (لڑنے کیلئے) نکلے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو حاکم مقرر فرمایا تاکہ جنگ بند ہو جائے پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے حروراء کے ایک گروہ سے جو کوفہ کے نزدیک ایک گاؤں ہے، کہا کہ یہ دونوں گروہ کفار سے ہیں کیونکہ یہ دونوں اللہ سبحانہٗ کے علاوہ کسی غیر کے حکم پر راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔" پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ حق فرمایا اس کا ارادہ باطل کرنے پر۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان (لوگوں) کے پاس بھیجا تاکہ ان کا شبہ ظاہر ہو جائے لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جمع ہو کر لڑنے کے علاوہ کسی بات (کو ماننے) سے انکار کر دیا حتی کہ ان میں سے اکثر کو قتل کر دیا اور یہ (قتل شدہ لوگ) بارہ ہزار تھے اور ان میں سے باقی قوم کو اپنے مذہب پر کر دیا اور اس فرقے کے لوگ بہت زیادہ ہیں اور یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تکفیر کرنے پر جمع ہوئے۔ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دار فرمایا ہے کہ "تحقیق یہ لوگ بہت طاعات گزار ہوں گے مگر ان کی طاعات گزاری سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور یہ لوگ اہل دوزخ سے ہوں گے۔" بتحقیق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور ان کو قتل کیا۔[1]

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰)

جبریہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ:

قالوا لایضر مع الایمان معصیۃ کما لاینفع مع الکفر طاعۃ و ذھب بعضھم الی انہ یسقط عنہ العبادات الظاھرۃ ویکون عبادتہ التفکر و ھذا کفر و ضلال۔

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت کچھ نفع نہیں دیتی اوران میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ انسان سے ظاہری عبادات ساقط ہو چکی ہیں اور انسان کی (اچھے کاموں کی) سوچ و تفکر ہی عبادت ہے (حالانکہ) یہ بات (یعنی ایسا عقیدہ رکھنا) کفر و گمراہی ہے۔[1]

جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مؤمن ہی رہتا ہے البتہ اسے اس کے گناہ کے مطابق سزا ملے گی اور معتزلہ کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ فاسق، مسلم نہیں رہتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ گناہ کا عذاب مکثِ طویل (لمبے عرصے) تک حتمی ہے مگر آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہو جائے گا اس بارے میں سلف صالحین کے اقوال، اجماع اور کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ وارد ہیں۔

ایک فرقہ مرجیہ یا التارکیہ ہے۔

قال لیس للہ عز و جل علی خلقہ فریضہ سوی الایمان بہ فمن أمن بہ فلیفعل ماشآء۔

ترجمہ: یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر ایمان لانے کے سوا کوئی کام فرض نہیں کیا۔ اس لئے جو ایمان لے آئے اس کے جو جی میں آئے کرے (اُس سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی)۔[2] **العیاذ باللہ۔**

اور جہمیہ میں ایک فرقہ صالحیہ ہے یہ لوگ اپنے آپ کو حسین صالحہ کا پیروکار کہتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہی ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ پہچاننا کفر ہے اور ایمان ہی عبادت ہے ایمان کے سوا اور کوئی عبادت نہیں ہے۔[3]

ایک گروہ کرامیہ کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف اقرار یعنی کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں۔

اعلم ان مذھب الکرامیۃ ان الایمان ھو الاقرار فقط۔

ترجمہ: جان لو! کہ کرامیہ فرقے کا مذہب (یعنی عقیدہ) یہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کو کہتے ہیں۔[4]

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۶۳)

[2] (غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳)

[3] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۳۔

[4] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۸۷)

ایک فرقہ خوارج کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

فسی الایمان عندی تصدیق القلب و الاقرار باللسان و العمل بالجوارح فماھیته علی ھذا مرکبته من ثلثة فمن اقل بشی منھا فھو کافر و لذا قالو امرتکب الذنب مطلقا کافر۔

ترجمہ: اوران کے نزدیک ایمان نام ہے دل سے تصدیق کرنے، زبان سے اقرار کرنے اوراعضاءِ جسدی کے ساتھ عمل کرنے کا۔ تواس اعتبار سے ایمان تین چیزوں سے مرکب ہوا (یعنی تصدیق، اقراراور عمل) پس اگران تینوں میں سے کسی نے ایک چیز بھی کم کر دی تووہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لئے یہ گروہ کہتا ہے کہ جو شخص گناہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جائے گا۔[1]

و کذلک الاان ترک العمل سیخرج عن الایمان و لایدخل فی الکفر وینسب الی القاضی عبدالجبار و ابی الھذیل المعتزلیین۔

ترجمہ: (ایمان کے بارے میں دس مذاہب جن میں سے چوتھا مذہب، تیسرے مذہب جیسا ہی ہے) سوائے اس کے کہ (چوتھے مذہب کے نزدیک) اگر عمل کو ترک کیا تووہ شخص ایمان سے خارج ہو جائے گا لیکن کفر میں داخل نہیں ہو گا اوروہ اس بات کو قاضی عبدالجبار اورابوہذیل معتزلین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[2]

ایک فرقہ رقاشی ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انه الاقرار بشرط المعرفة بحیث یکون الشرط خارجا عن الایمان کالوضوء الخارج عن حقیقة الصلوة۔

ترجمہ: بتحقیق اقرار کرنا، معرفت (پہچان) کی شرط کے ساتھ معتبر ہے (یعنی بغیر معرفت کے اقرار کا کچھ فائدہ نہیں) لیکن یہ معرفت کی شرط ایمان کا جزو نہیں جیسے وضوء (کی شرط) نماز کا حصہ نہیں۔[3]

فصل ۲:

العمل غیر الایمان و الایمان غیر العمل بدلیل ان کثیرا من الاوقات یرتفع العمل عن المؤمن و لایجوز ان یقال ارتفع عنه الایمان فان الحائض ترتفع عنھا الصلوة و لایجوز ان یقال ارتفع عنھا الایمان او امر لھا بترک الایمان و قد قال لھا الشارع (علیه الصلوة و السلام) دعی الصوم ثم اقضیه و لایجوز ان یقال دعی الایمان ثم اقضیه ویجوز ان

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)
[2] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)
[3] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)

یقال لیس علی الفقیر الزکوۃ ولا یجوز ان یقال لیس علی الفقیر الایمان ولو قال تقدیر الخیر والشر من غیر اللہ تعالیٰ کان کافرا باللہ وبطل توحیدہ لو کان لہ التوحید۔

ترجمہ: عمل ایمان کے بغیر ہے (یعنی عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے) اور ایمان، عمل کے بغیر بھی معتبر ہے (ایمان لانا، عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فائدہ مند ہے) اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اوقات مؤمن سے عمل رہ جاتے ہیں لیکن (عمل کے چھوٹ جانے سے) یوں کہنا جائز نہیں کہ اس مؤمن سے ایمان چھوٹ گیا ہے کیونکہ حائضہ عورت سے نماز (کا عمل) ساقط ہو جاتا ہے لیکن یہ کہنا (کسی صورت بھی) جائز نہیں کہ اس عورت سے ایمان ساقط ہو گیا ہے یا (نماز کے چھوٹ جانے کی وجہ سے) اس کے ایمان کے چھوٹ جانے کا حکم لگا دیا جائے (اس لئے کہ نماز کا عمل اور چیز ہے جبکہ ایمان دیگر چیز ہے) اور بے شک شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے اس (حائضہ) کو فرمایا کہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں قضا کرلے (لیکن یہ کہنا کسی بھی صورت میں) جائز نہیں کہ تو ایمان چھوڑ دے اور بعد میں ایمان کی قضا لے آ۔ اور (ایمان و عمل کے الگ الگ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ) یوں کہنا تو جائز ہے کہ فقیر پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے (کیونکہ زکوٰۃ ایک عمل یا فعل ہے) لیکن یہ کہنا جائز نہیں کہ فقیر پر ایمان لانا فرض نہیں (کیونکہ ایمان، عمل کے علاوہ شیئے ہے جو کہ عمل نہ کرنے کے باوجود بھی فرض ہے) اور اگر کوئی توحید والا شخص (یعنی مسلمان) یوں کہہ دے کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توحید باطل ہو جائے گی۔

تشریح:

ایمان: جو شخص اللہ تعالی کی وحدانیت اور حضور کریم ﷺ کی رسالت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے مطابق وہ مسلمان ہے۔ لیکن اگر ایک گناہ بھی قصداً کیا جیسے نماز اور روزہ قصداً چھوڑ دیا تو اس کی سزا اسے ضرور ملے گی۔

بعض مذاہب اس بات کو تسلیم نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں کہ عمل کے بغیر کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا۔

والمعتزلۃ والخوارج الجاعلین العمل رکنا ثالثا۔

ترجمہ: معتزلہ اور خوارج عمل کو (ایمان) رکن ثالث کہتے ہیں۔[1]

اہل سنت والجماعت کی طرف سے (عمل کے بغیر بھی ایمان کے معتبر ہونے کی) دلیل یہ ہے کہ وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر ایمان لاتا ہے اور کوئی نیک عمل کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو ایسا شخص مومن کہلاتا ہے اور جنت کا حق دار ہو جاتا ہے اگر عمل ایمان کا جزو مانا جائے تو پھر شخص مذکور کو بے ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ وہ عمل کے بغیر ہی مر گیا اور یہ بات محال ہے کہ ایک شخص کلمہ پڑھ کر مر جائے تو پھر بھی اسے مومن نہ کہا جائے۔

حدثنا أبو محمد بن حيان، ثنا سلم بن عصام، عن عمه، ثنا الحكم، عن زفر، عن أبي حنيفة، عن عبد الله بن أبي حبيبة، سمعت أبا الدرداء، حدثنا ابن المقرئ، ثنا بشر الرواسي، ثنا مصعب بن عبد الله الواسطي، ثنا يزيد بن هارون، ثنا أبو حنيفة، ثنا عبد الله بن أبي حبيبة، قال قال أبو الدرداء: كنت رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: «يا أبا الدرداء من شهد أن لا إله إلا الله مخلصا، وجبت له الجنة»، قلت: وإن زنى، وإن سرق فقال: «وإن رغم أنف أبي الدرداء» وزاد الحماني، ويزيد بن هارون، في حديثيهما، وكان أبو الدرداء يقوم كل جمعة عند منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقولها ويضع أصبعه على أنفه۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سواری پر سوار تھا آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شخص یہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کیلئے جنت واجب ہو گئی (حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تھوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہو گئی میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس کیلئے جنت واجب ہو گئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے (اس بار) آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابو الدرداء کی ناک گرد آلود ہو۔ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۱۳۹)

کے شاگرد عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔[1]

دوسری اہم دلیل: مومنین کے ان بچوں کی ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور عقیدے کے مطابق ایسے بچے مومن کہلاتے ہیں حالانکہ انہوں نے کوئی عمل نہیں کیا ہوتا۔ اگر عمل کو ایمان کا جزو مان لیا جائے تو ان بچوں کو کافر کہنا پڑے گا جو کہ عمل کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے جبکہ یہ بات محال ہے اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔

بعض مذاہب (مثلاً روافض) کہتے ہیں کہ بعض اشخاص سے بھی نقصان اور فائدہ ہوتا ہے جس طرح جادو کرنے سے ہوتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کاہن وجادوگر کہے کہ اس شیطانی طاقت کی وجہ سے فائدہ یا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی بات کرنا باطل ہے کیونکہ یہ شخص خیر وشر کو صرف شیطانی عمل جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۲۹) فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (۳۰) إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (النبا ۳۱)

”اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے۔ اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب، بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے۔“

جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک خیر وشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دعا، صدقہ اور نیک عمل وغیرہ فائدہ دیتا ہے۔

شرح العقائد النسفی میں یہ بات حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

فقال: "ما من عبد قال لا إله إلا الله ثم مات على ذلک إلا دخل الجنة۔

”فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو کہے کہ لا إله إلا الله اور پھر مر جائے تو (وہ جہنم میں چلا جائے بلکہ) وہ جنت میں داخل ہو گا۔“[2]

---

1 (مسند امام اعظم ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ج ۱ ص ۳۸۳ و ص ۱۴ باب عدم الخلود المومنین فی النار)

2 (مشکوۃ کتاب الایمان فصل الاول متفق علیہ)

قدریہ وہ گروہ ہے جس کے لوگ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال چاہے خیر ہوں یا شر اللہ تعالیٰ ان کا خالق نہیں ہے بلکہ اس کا خالق خود بندہ ہے۔ معتزلہ اور امامیہ اس عقیدے میں شریک ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا راستہ لوگوں کو دکھایا ہے اور ان کو امر کیا ہے کہ وہ اس راستے کو اختیار کریں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شر کے کام بھی لوگوں کو بتا دیئے ہیں اور لوگوں کو ان کاموں سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اعمال کی تفویض بندوں کو دی ہے اگر یہ خیر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں اور اگر شر کے کام کرتے ہیں تو بھی خالق خود ہی ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام افعال چاہے کفر ہو یا اسلام ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

واللہ تعالیٰ خالق افعال العباد کلھامن الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان لا کمازعمت المعتزلۃ ان العبدخالق لافعالہ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے سارے افعال چاہے کفر ہوں یا ایمان، طاعت ہو یا نافرمانی سب کا خالق ہے اس طرح نہیں جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أَفَمَنۡ يَخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (النحل ۱۷)

"تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔"

مجوسی لوگ جہان کے دو خدا مانتے ہیں ایک خیر کے کاموں کا خالق دوسرا شر کے کاموں کا خالق اور قدریہ خلق اشیاء میں سب بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا شریک جانتے ہیں۔

معتزلہ اور مجوسی متعدد خداؤں کو ثابت کرتے ہیں

ان مشائخ ماوراءالنھر بالغوافی تضلیلھم فی ھذہ المسئلۃ حتی قالوا ان المجوس اسعدای احسن حالا منھم حیث لم یثبتوا الاشریکا واحدا وھو اھرمن والمعتزلۃ اثبتوا شرکاء لاتحصیٰ۔

ترجمہ: بتحقیق ماوراءالنہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک

[1] (العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۱)

کیاہے جو کہ "اہر من" ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ٹھہرادیتے ہیں۔)[1]

نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يجيء قوم يقولون: لا قدر، ثم يخرجون منه إلى الزندقة، فإذا لقيتموهم فلا تسلموا عليهم، وإن مرضوا فلا تعودوهم، وإن ماتوا فلا تشهدوا جنائزهم فإنهم شيعة الدجال، ومجوس هذه الأمة، حقاً على الله أن يلحقهم به))۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ تقدیر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیق ہو جائیں گے جب ان سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملادے گا۔[2]

عن سالم، عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن القدرية وقال: ((ما من نبي بعثه الله تعالى قبلي إلا حذر أمته منهم ولعنهم))۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر لعنت فرمائی اور نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنھوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔[3]

ایک گروہ خوارج کا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ:

انہ التصدیق و الاقرار و العمل من اداء المامورات و لو مندوبۃ و ترک المخطورات بحیث یکون ترک العمل کفرا حتی فعل الصغیرۃ و ترک المندوب۔

1 (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵)
2 (مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ)
3 (مسند امام اعظم للحارثی ص ۲۳ باب ذم القدریۃ)

ترجمہ: کہ (دل سے) تصدیق اور (زبان سے) اقرار کرنا اور ماموارت پر عمل کرنا اگرچہ مستحب عمل ہی ہو (ایمان) ہے اور گناہوں کا ترک کرنا (بھی ایمان میں داخل کرتا ہے) تو اس حساب سے عمل کا ترک کرنا کفر ہے چاہے وہ ایک چھوٹا ہی عمل ہو یا چاہے مستحب ہی کیوں نہ ہو۔[1]

(یعنی یہ گروہ عمل کو ایمان کا جزو تسلیم کرتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو کافر کہتا ہے جبکہ ان کے رد میں ہمارے قوی دلائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔)

ایک فرقہ جبائی ابن ابی ہاشم ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ:

انہ التصدیق و الاقرار و العمل من فعل الواجبات و ترک المحرمات بحیث یکون ترک الواجب و فعل الحرام مخرجا عن الایمان غیر مدخل فی الکفر۔

ترجمہ: بے شک تصدیق اور اقرار اور عمل کرنا واجب اعمال میں سے ہے اور حرام کاموں کا اس طرح ترک کرنا کہ واجب بھی ترک ہو اور حرام کام بھی (سرزد) ہو جائے تو اس طرح انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ (لیکن) کفر میں داخل نہیں ہوتا۔[2]

اور ایک فرقہ معتزلہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ:

فالقائل یکون العبد خالقا لافعالہ یکون من المشرکین لان قولہ زید خالق لفعلہ کقولہ زید مستحق للعبادۃ دون المؤحدین مع ان المذہب عدم تکفیر المعزلۃ لانہم من اہل القبلۃ۔

ترجمہ: پس یہ کہنے والا کہ "بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے" مشرک ہو جاتا ہے اس لئے یہ قول کہ "زید اپنے فعل کا خالق ہے" ایسے ہے جیسے (یہ قول ہو کہ) زید مستحقِ عبادت ہے۔ یہ قول موحدین کا نہیں ہو سکتا لیکن معتزلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ تو اہل قبلہ ہیں۔[3]

لان المعتزلۃ تمسکوا بنصوص الوعید علی انہ یجب عقاب العاصی علی اللہ تعالیٰ ومذہب اہل سنت و الجماعت انہ لا یجب علی اللہ تعالیٰ شئی۔[4]

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)

[2] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۹۹)

[3] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۶۴)

[4] العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۸۴۔

ترجمہ: کیونکہ معتزلہ نصوصِ وعید کے ساتھ دلیل دیتے ہیں کہ گناہ گار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔[1]

معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ:

ان مرتکب الکبیرۃ لیس بمؤمن ولا کافر وھذہ ھو المنزلۃ بین المنزلتین۔

ترجمہ: بے شک گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو تو مؤمن (رہتا) ہے اور نہ کافر (ہوتا) ہے اور یہ درجہ (ایمان و کفر کے) دو درجوں کے درمیان ایک تیسرا درجہ ثابت کرنا ہے۔[2]

ایک فرقہ خوارج ہے جو کہ (۲۰) فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کا عقیدہ ہے کہ:

فانھم ذھبوا الی ان مرتکب الکبیرۃ بل الصغیرۃ ایضاً کافر ولا واسطۃ بین الایمان والکفر لنا۔

ترجمہ: یہ خوارج عقیدے کے لحاظ سے اس طرف گئے ہیں کہ (نہ صرف) گناہِ کبیرہ کرنے والا بلکہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب بھی کافر ہے اور ہمارے لئے ایمان و کفر میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔[3]

فصل نمبر ۳

نقربان الاعمال ثلثۃ فریضۃ وفضیلۃ ومعصیۃ ۔فالفریضۃ :بامر اللہ تعالیٰ ومشیتہ ومحبتہ ورضائہ وقضائہ وتقدیرہ وارادتہ وتوفیقہ وتخلیقہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔واما الفضیلۃ :فلیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ وبمحبتہ وبرضائہ وبقضائہ وبتقدیرہ وبتوفیقہ وتخلیقہ وارادتہ وحکمہ وعلمہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔واما المعصیۃ :لیست بامر اللہ تعالیٰ ولکن بمشیتہ لابمحبتہ وبقضائہ لابرضائہ وبتقدیرہ وتخلیقہ لابتوفیقہ الخ وبخذلانہ لابمعونتہ وکتابتہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (بندوں) کے اعمال تین قسم کے ہیں۔(پہلی قسم) فرض ہے (واجبات بھی فرض ہی کے زمرے میں ہیں) اور (دوسری قسم) فضیلت ہے (جو کہ سنت، مستحب اور نوافل سے کو شامل ہے) اور (تیسری قسم) گناہ ہے (جو کہ گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ سب کو شامل ہے)۔

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۸۴)

[2] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰)

[3] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۳۵۰)

پس فرض وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اوراس کی مشیت اوراس کی محبت اوراس کی رضااوراس کی قضااوراس کی تقدیر اوراس کے ارادے اوراس کی توفیق اوراس کی تخلیق (پیدا کرنا) اوراس کے حکم اوراس کے علم میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض عمل کرنے پر حکم فرمایا ہے اوراس پر علم رکھتا ہے) اور یہ (فرض) لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

اور فضیلت والے (جیسے سنت و مستحبات اور نوافل) اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہیں (کیونکہ امر تو وجوب کیلئے ہوتا ہے جبکہ یہ افعال تو واجب نہیں ہیں) مگر اس کی مشیت اوراس کی محبت اوراس کی رضااوراس کی قضااوراس کی تقدیر اوراس کی توفیق اوراس کی تخلیق (پیدا کرنا) اوراس کے ارادے اور حکم اوراس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔

مگر (گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہے نہ کہ اس کی محبت سے (اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کو محبوب نہیں رکھتا)۔ اور گناہ اس کی قضاء و تقدیر سے ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ اور پیدا کرنا اور تقدیر (اللہ تعالیٰ کی) طرف سے ہے نہ کہ اس کی توفیق سے۔ اوراس (اللہ تعالیٰ کے خذلان (عدم التوفیق) سے ہے نہ کہ اس کی مدد سے اور (یہ معصیت بھی) لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

تشریح:

لوح محفوظ اور قلم اور وہ سب اشیاء جو لوح محفوظ میں تحریر ہیں وہ حق اور سچ ہیں اوران سب پر ہمارا ایمان ہے اور گناہ کرنا اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قُلۡ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأۡمُرُ بِٱلۡفَحۡشَآءِۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعۡلَمُونَ (الاعراف ۲۸)

تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

اعمال کے بارے میں مندرجہ بالا متن میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جبکہ قدریہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ عمل چاہے نیک ہو یا بد بندہ اپنے اعمال کا خود فاعل ہے کیونکہ بندہ اپنے ارادے سے ہی نیک یا برا عمل کرتا ہے جبکہ روافض اور معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اچھا عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جبکہ برا عمل انسان کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ کوئی بھی عمل پہلے سے لوح محفوظ میں درج نہیں ہوتا بلکہ عمل کے واقع ہو جانے کے بعد لوح محفوظ میں درج کیا جاتا ہے۔

اور ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ نیک اور برا عمل پہلے سے ہی لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور ہم سے اللہ تعالیٰ صادر فرماتا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور یہ کہ یہ جبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے ہمارے لئے برائی لکھ دی ہے۔ (لہذا ہم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔)

جبریہ کا عقیدہ ہے کہ مخلوق کو نیکی کا ثواب ملے گا اور لیکن برائی پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ کفار اور گناہ گار معذور ہیں ان سے سوال نہیں ہو گا اس لئے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبور ہے اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص ابن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ جیسے کفر کے ساتھ طاعت نفع نہیں دیتی ایمان کے ساتھ معصیت بھی نقصان نہیں دیتی، ان سب نے فرمایا۔ اور اس مسئلہ کا نام مسئلہ عبادلہ ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ مرجیہ پر ستر پیغمبروں نے لعنت کی۔

مرجیہ کے دو گروہ ہیں: (۱) مرجیہ مرحومہ (۲) ملعونہ۔

مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں اور مرجیہ ملعونہ جن پر لعنت کی گئی یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت نقصان نہیں دیتی اور عاصی پر عذاب نہیں ہو گا۔

عثمان ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ مرجیہ ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ مرجیہ دو قسم کے ہیں۔ ملعونہ، ہم اس سے بیزار ہیں اور ایک مرجیہ مرحومہ وہ اصحاب رسول ﷺ ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں یہ بھی لکھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی ایسا ہی کہا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدۃ ۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

پھر مرجیہ اور جبریہ کے کلام سے جو کفر ہے وہ یہ ہے کہ نیکی اور برائی حقیقت میں بندے کے افعال نہیں ہیں اور جو بندہ کرتا ہے فاعل اللہ تعالیٰ ہے، لہذا یہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو موصوف بہ قبائح کیا ہے، زنا وغیرہ سے کہ جیسے وہ خالق ہے ایسے ہی وہ فاعل بھی ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ان کو قبائح اور زنا وغیرہ پر عذاب دے تو یہ ظلم ہو گا اور یہ عقیدۂ کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ فعل بندے سے مجازاً ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت میں ہمیں استطاعت نہیں، بندہ درخت کی مانند ہے، جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ ہلتا ہے تو ایسے ہی بندہ درخت کی طرح مجبور ہے اور یہ کفر ہے، اس لئے کہ یہ تثلیث ہے اور کفر و معاصی اور برائیوں پر مجبور کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کیلئے جائز نہیں کہ وہ سزا دے اور جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو پیدا کرکے فارغ ہو گیا ہے اور تخلیق کرکے اب آرام کر رہا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے اور جو چیز اپنے وقت میں ظاہر ہو رہی ہے، بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ہو رہی ہے اور یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو شغل اور فراغت کے وصف سے موصوف کیا ہے اور انہوں نے امر و نہی کے زوال کا عقیدہ رکھا اور اسی طرح ربوبیت و فعل کے زوال کا اعتقاد کیا، یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ میں جلائے گا اور انہیں مارے گا اور زندہ کرے گا، پھر ان کو جلا اور مرا ہوا باقی رکھے گا اور یہ عقیدہ کفر ہے، اس لئے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دے گا، مگر افعال پر نہیں، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جو دل میں خیر و شر کا خطرہ گزرے تو اس کا اتباع جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا، یہ بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے وحی اور امر کو دل کے ساتھ ثابت کیا اور الہام کو جائز رکھا اور یہ کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ بندہ جب غایت محبت کو پہنچتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور جام محبت نوش کرتا ہے تو اس سے شرعی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے اور اس سے عبادت اٹھ جاتی ہے اور تفکر ہی اس کی عبادت ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ بعض نے کہا: تفکر ادائے فرض سے افضل ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا مال مشترک ہے، تمام بنی آدم اس میں شریک ہیں، مال دنیا آدم و حوا کی وراثت ہے اور جو کوئی جس چیز کو لے لے وہ اسی کا حق ہے اور کسی کو منع کرنے کا حق اور جواز نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ جس نے علم سیکھا تو وہ لوگوں کے مال میں شریک ہے اور کہتے ہیں کہ جو اس کو منع کرے کافر ہو جائے گا اور یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: بندہ ایمان اور کفر کے بغیر اور کسی چیز کا مکلف نہیں ہے، یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا کہ عبادات کا امر تکرار کو واجب نہیں کرتا اور یہ کفر ہے۔

اور بعض نے کہا کہ مؤمن حقیقت میں مؤمن نہیں ہے اور نہ ہی کافر، حقیقت میں کافر ہے کیونکہ آخرت میں ان میں تغیر جائز ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

بعض نے کہا: اپنے ایمان میں بھی شک ہے اور انہوں نے کہا کہ ایمان اور شہادت کیا یہ ایمان ہے، کیا کفر زائل ہو جائے گا؟ یہ بھی کفر ہے۔ ان کے کلام میں کچھ چیزیں وہ ہیں جو بدعت ہیں کفر نہیں ہیں مثلاً جیسے کہ ان کا کہنا کہ ثواب اور عتاب تقسیم کر دیا گیا ہے نہ زیادہ ہو نہ کم برابر ہے کوئی کرے یا نہ کرے اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ افعال کیلئے تاثیر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **کل میسر لما خلق لہ**۔ ہر ایک کیلئے آسان کر دیا گیا ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض نے کہا کہ قضاء سبقت کر گئی ہے، نیک بخت کیلئے نیک بختی ہے اور بد بخت کیلئے بد بختی ہے۔

بعض (مرجیہ) کہتے ہیں: ایمان یہ ہے کہ حق وباطل میں سے تمام چیزوں کی پہچان ہو جائے اور اس کا وہ عالم ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں اور یہ مسئلہ مسئلہ تقلید ہے۔

اور بعض نے کہا: ایمان عمل ہے، اقرار اور تصدیق کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بھی کفر ہے، اس لیے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے اور بعض نے کہا کہ ایمان میں استثناء و تخصیص جائز ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قیاس حجت نہیں، ایسے ہی رافضیوں نے قیاس کا انکار کیا کہ وہ حجت نہیں تو اگر ہر قیاس مراد ہے اور ہر قیاس کا انکار کیا تو یہ کفر ہے اس لئے کہ قیاس حجت ہے اور (اس حجت ہونا) نص سے ثابت ہے اور اگر بعض قیاس مراد ہے تو کفر نہیں، بدعت ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**۔[1]

انمایتوجہ علی الجبریۃ القائلین بنفی الکسب والاختیار ان الانسان عندھم کالجماد۔

ترجمہ: بتحقیق جبریہ کی طرف متوجہ ہوں جو کہتے ہیں کہ (انسان) کسب اور اختیار کوئی حیثیت نہیں رکھتا (اور) یہ کہ ان (جبریہ) کے نزدیک انسان (محض) ایک بے جان چیز کی طرح ہے۔ (یعنی انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں دیا گیا۔)[2]

---

[1] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۴۰۰۔

[2] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۵)

ہمارے اور کرامیہ کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ:

افعال العباد کلھا بارادتہ تعالی و مشیتہ قدسبق انھماعندناعبارۃ عن معناواحد خلافاالکرامیۃ زعموا ان المشیۃ قدیمۃ و الارادۃ حادثۃ۔

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک بندوں کے سارے افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے ہیں اور بتحقیق یہ (تفصیل) پہلے گزر چکی ہے اور یہ (ارادہ ومشیت) ایک ہی معنی میں ہیں۔ (لیکن) کرامیہ فرقہ کا یہ گمان (یعنی یہ عقیدہ) ہے کہ مشیت قدیمی (ازلی) ہے جبکہ ارادہٗ (خداوندی) حادث ہے۔[1]

اور نجاریہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

محمدبن الحسین النجار من انہ مریدبذاتہ لا بصفتہ و لایخفیٰ ان کون الذات عین الصفات مذھب المعتزلۃ و الفلاسفۃ۔

ترجمہ: محمد بن حسین النجار (معتزلی کا عقیدہ ہے کہ) انسان، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ اس کی صفات کا اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ذاتِ خداوندی جل جلالہ، عین صفات ہے (یعنی ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں)۔[2] **(العیاذ باللہ)**

اور فرقہ جبائیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ:

وعبدالجبار من انہ مرید بارادۃ حادثۃ لا فی محل ای قائمۃ بنفسھا لانھا لو حدثت فی ذاتہ تعالیٰ لزم قیام الحوادث بہ تعالیٰ او فی محل غیر الذاتہ لزم اتصاف ھذہ الغیر بصفتہ اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: اور عبد الجبار (کے مذہب کا عقیدہ یہ ہے کہ) انسان (اللہ تعالیٰ کے) حادث ارادے کی میلان رکھتا ہے نہ کہ محل کی طرف یعنی (ایسا محل جو کہ) اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں حدوث ہو سکے تو پھر یہ بات لازم آئے گی کہ اس کی ذات محلِ حوادث ہو اور اگر بغیر محلِ ذات کے ارادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات میں حدوث لازم ہو گا۔[3]

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۶۷)

[2] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶)

[3] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۴۶)

ارادے کی دو اقسام:

۱۔ ارادۂ کونیہ ۲۔ ارادۂ دینیہ

۱۔ ارادۂ کونیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ (الانعام ۱۲۵)

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

۲۔ ارادۂ دینیہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (البقرۃ ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

فصل نمبر ۴

نقر بان اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ من غیر ان یکون لہ حاجۃ او استقرار علیہ وھو الحافظ للعرش و غیر العرش فلو کان محتاجا لماقدر علی ایجاد العالم و تدبیرہ کالمخلوق و لو صار محتاجا الی الجلوس و القرار فقبل خلق العرش این کان اللہ تعالیٰ فھو منزہ عن ذلک علوا کبیرا۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ **اللہ تعالیٰ علی العرش استویٰ** بغیر اس کے کہ (اللہ تعالیٰ) عرش کا محتاج ہو یا اس پر بیٹھا ہو (جس طرح کہ مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ عرش اور غیر عرش (سب کائنات) کا حافظ ہے تو اگر (اللہ تعالیٰ) عرش کو پیدا کرنے اور عالم کی کارسازی پر قادر نہ ہوتا جس طرح دوسری مخلوق۔ (کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتی۔ اس بات سے حاصل یہ ہے کہ یہ ایک بدیہی یعنی کھلی اور ظاہری بات ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی غیر کو محتاج ہو تو وہ ممکنات میں سے ہو گی اور ہر ممکن چیز مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہو سکتی تو اسلئے اللہ تعالیٰ کا عرش کیلئے محتاج ہونا باطل بات ہے۔)

اور اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھنے اور آرام کرنے کا محتاج سمجھا جائے (تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ عرش پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا پس (ثابت ہوا کہ) (اللہ تعالیٰ) تو اس حالت سے منزہ و پاک اور بلند و بالا ہے۔

تشریح:

ہم الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ ۵) پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ لامکان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو جسم ہے اور نہ ہی وہ کوئی مکان و جہت رکھتا ہے۔

لیکن مجسمیہ کا گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم، بدن، ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کان اور چہرہ رکھتا ہے۔

اور جہمیہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے وجود کے ساتھ) ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴) اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔" اور وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ۔ (الزخرف ۸۴) اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا" اور إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل ۱۲۸) بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔"

اور جبکہ اہل سنت والجماعت (احناف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کا عقیدہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات کریمہ متشابہات میں سے ہیں جن کی کیفیت اور درست مفہوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک لامکاں ذات ہے وہ نہ تو عرش کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کیلئے کوئی سمت متعین ہے اس لئے اگر کوئی گمراہ اور باطل عقیدے والا، یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے تو اس طرح وہ شخص اللہ تعالیٰ کیلئے ایک مکان ثابت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے مخلوق کی طرح تنزل اور جسم کا قائل ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے حامل گروہ (فرقہ جہمیہ) کے بارے میں فرمایا کہ ذلک من غلو و افراطھم۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حنفی مذہب غلو اور افراط سے بری ہے۔

العرش هو الجسم العظيم الذى شرفه الله سبحانه وجعله لنفسه كالسرير للملك مع تنزهه عن الجلوس والمكان كجعله الكعبة بيتا وزعم الحكماء انه فلك الافلاك المتحرك من المشرق الى المغرب ـ واعلم ان تفصيل الاجسام العلوية مما لا يعلمه الا الله سبحانه ذكره القرطبى وعن أنس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: (ليلة أسري بي رأيت تحت العرش سبعين مدينة كل مدينة مثل مدائنكم هذه سبعين مرة مملوءة من الملائكة يسبحون الله ويقدسونه ويقولون في تسبيحهم اللهم اغفر لمن شهد الجمعة اللهم اغفر لمن اغتسل يوم الجمعة)۔

ترجمہ: عرش ایک ایسا جسمِ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرف وبزرگی عنایت کی ہے اوراسے اپنے لیے وہ مرتبہ دیا ہے جیسے کسی بادشاہ کے تخت کامرتبہ ہوتاہے لیکن اس کے باوجودوہ (اللہ تعالیٰ) عرش پر بیٹھنے اوراسے اپنامکان بنانے سے پاک اور بلندہے جیساکہ اس نے کعبہ معظمہ کواپناگھر فرمایاہے(لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتاہے بلکہ اس کواپناگھر کہناایک اضافت تشریفی ہے)اور حکماء(یونانی فلاسفہ) گمان کرتے ہیں کہ فلک الافلاک (یعنی آسمان) مشرق سے مغرب کی طرف متحرک ہیں اور جان لیں کہ بڑے بڑے اجسام (یعنی سورج وچانداورآسمان وستارے وغیرہ) کے حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی (بہتر) جانتاہے۔اور تفسیر قرطبی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایاکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ معراج کی رات میں نے عرش عظیم کے نیچے ستر (۷۰) شہر دیکھے۔ان میں سے ہر شہر تمہاری پوری دنیا جیساتھاجوکہ ملائکہ سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ (فرشتے) اللہ تعالیٰ کی حمدبیان کرتے تھے اوراپنی حمدوثنامیں کہتے تھے کہ ”اے اللہ!اس شخص کوبخش دے جوجمعہ المبارک (کی نمازمیں) حاضرہواوراس شخص کی مغفرت فرماجوجمعہ کے دن غسل کرے“۔[1]

قولہ تعالیٰ یداللہ فوق ایدیھم فانھاماولۃ بالقدرۃ وقولہ الرحمن علی العرش استویٰ فان الاستواء ماول بالعظمۃ التامۃ والقدرۃ القاھرۃ لماتمکن فی النفوس من ان العرش اعظم المخلوقات وارفعھا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”اللہ تعالیٰ کاہاتھ ان کے ہاتھوں پرہے“ تواس کی یہ تاویل قدرت خداوندی پرہے اوراس کا یہ قول کہ ”رحمن عرش پر قائم ہے“ تواستواء سے یہاں مراد کامل ومکمل عظمتِ خداوندی اوراس کی قدرتِ قاہرہ ہے جونفوس پراس طرح متمکن ہے کہ عرش عظیم تمام مخلوقات سے عظیم تراورارفع واعلیٰ ہے۔[2]

فصل نمبر ۵:

نقربان القران کلام اللہ تعالیٰ ووحیہ وتنزیلہ وصفتہ لاھوولاغیرہ بل ھوصفتہ علی التحقیق مکتوب فی المصاحف مقرؤبالالسن محفوظ فی الصدورغیرحلول فیھاوالحروف والحبروالکاغذوالکتاب کلھامخلوقۃ لانھاافعال العبادوکلام اللہ تعالیٰ غیرمخلوق لان الکتابۃ والحروف والکلمات والآیات کلھاالۃ القرآن لحاجۃ العباد الیہ وکلام اللہ تعالیٰ قائم بذاتہ ومعناہ مفھوم بھذہ الاشیاء فمن قال بان کلام اللہ تعالیٰ مخلوق فھوکافرباللہ العظیم واللہ تعالیٰ معبودلایزال عماکان وکلامہ مقرؤومکتوب محفوظ من غیرمزایلۃ عنہ۔

---

[1] (العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص۳۷۴،تفسیرالقرطبی ج۱۸ ص۱۹ ۱ تحت سورۃالجمعۃالآیۃ ۱ ۱)

[2] (العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص۷ ۳۱)

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی اور اس کی نازل کی ہوئی (کتاب) ہے (اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام) صفات کی طرح نہ عین ذات ہے اور نہ ذات سے جدا بلکہ یہ (قرآن اللہ تعالیٰ) کی صفت ہے تحقیق کی بناء پر۔ (قرآن اور کلام اللہ سے مراد قرآن نفسی اور کلامِ لفظی ہے)۔ یہ (قرآن) مصاحف میں لکھا گیا ہے اور زبان سے اس کی قرأت کی جاتی ہے اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے لیکن ان میں حلول کرنے والا نہیں۔ اس کے حروف اور سیاہی اور کاغذ اور کتابت یہ سب مخلوق (حادث اور نئی اشیاء) ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور کلام اللہ غیر مخلوق (حادث اور نئی چیز) نہیں ہے کیونکہ کتابت اور حروف اور کلمات اور آیات سب قرآن کو سمجھنے کیلئے ایک واسطہ ہیں کیونکہ بندے ان سب چیزوں کے حاجت مند ہیں اور کلام اللہ (کلامِ نفسی) تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اللہ کے معنی مذکورہ اشیاء سے سمجھے جاتے ہیں پس جو شخص اس طرح کہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کافر ہے اور اللہ تعالیٰ معبود ہے اور ہمیشہ معبود رہے گا اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھا اور لکھا جاتا ہے اور زوال سے محفوظ ہے۔

تشریح:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحیٔ جلی کے ذریعے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

۷۲ فرقوں میں سے ایک کہتا ہے کہ صفتِ کلام (یعنی قرآن کریم) عین ذات خدا ہے یعنی وہ صفاتِ خدا کو عین خدا کہتے ہیں جبکہ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

دوسرا گروہ (جسے جہمیۂ مطلق کہتے ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے جدا اور الگ چیز مانتا ہے حالانکہ جو چیز قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہو وہ مخلوق اور حادث ہوتی ہے اور اور چونکہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے اس لئے جہمیہ کا مندرجہ بالا عقیدہ بھی باطل ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم۔

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے اور جس نے کہا کہ وہ (قرآن کریم) مخلوق تو وہ (کہنے والا) اللہ تعالیٰ سے کافر ہو گا۔[1]

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۲۲۲)

اس لئے ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتیہ ہے اور یہ مخلوق وحادث نہیں ہے البتہ اس کا کاغذ، حروف، آیات، کلمات، سیاہی اور کتابت یہ سب مخلوق ہیں کیونکہ یہ سب بندوں کے افعال ہیں اور بندوں کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں اور یہ سب چیزیں قرآن کریم کو سمجھنے کا واسطہ اور ذریعہ ہیں۔

اور ایک باطل گروہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام اللہ چونکہ نازل ہو چکا ہے اس لئے اب یہ اللہ تعالیٰ سے جدا ہے۔

اور ہم (اہل والجماعت) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ تو عینِ ذات ہیں اور نہ ہی ذات سے جدا ہیں۔

جہمیہ کا فرقہ عرش الٰہی، کرسی، میزان، حساب وکتاب اور قبر کے عذاب سے بھی منکر ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ دونوں مخلوق نہیں کیونکہ اگر یہ مخلوق ہوتیں تو ان کو ضرور فنا ہوتی۔

جبکہ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی فنا کرنے پر قادر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ (۲۶) وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن ۲۷)

ترجمہ: زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص ۸۸)

ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کو پورا کرنے کیلئے جنت ودوزخ کو بھی ایک لحظہ کیلئے فنا کرے گا تاہم سزا وجزا کیلئے ان کو دوبارہ قائم کر دے گا اور یہ لوگ اعتراف بالقلب کے قائل ہیں اور زبان سے اقرار کے قائل نہیں اور یہ گروہ تمام صفات سے منکر ہے۔[1]

فصل نمبر ۶:

نقر بان افضل هذه الامة بعد نبينا محمد عليه الصلوة والسلام ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين لقوله تعالىٰ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (۱۱) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (۱۲) ثُلَّةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ (الوقعه ۱۳) كل من سبق فهو افضل ويحبهم كل مومن تقى ويبغضهم كل منافق شقى۔

---

[1] غنیۃ الطالبین ص ۶۸۔

ترجمہ: ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اس امت (امت محمدی ﷺ) میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بعد افضل ترین انسان ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں (اور ان چار خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس ترتیب کیلئے) اللہ تعالیٰ کے کلام کی یہ آیت دلیل ہے۔ "اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بار گاہ ہیں چین کے باغوں میں" (ان میں سے) جس نے (ایمان) کی طرف سبقت کی وہی افضل ہے ہر وہ مؤمن جو تقویٰ دار ہو وہ ان (مبارک ذوات کے ساتھ) محبت کرتا ہے اور ہر منافق بد بخت ان (مبارک ذوات کے ساتھ) بغض رکھتا ہے۔

تشریح:

روافض کے تمام گروہ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت کے (پہلے) حق دار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

اور روافض کا ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔

و انما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلافة کتاب معتمد فی الفقه الحنفی و غیره کاحیاء العلوم للامام الغزالی (رحمه الله تعالیٰ) انه لا یجوز اللعن علیه و لا علی الحجاج بن یوسف لان النبی ﷺ نهی عن لعن المصلین۔

ترجمہ: اور اختلاف کی یہ بات یزید بن معاویہ کے بارے میں ہے حتیٰ کہ فقہ حنفی کی معتمد کتاب خلاصۃ الکتاب وغیرہ اور جیسے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب احیاء العلوم ہے میں لکھا ہے کہ ان (یزید بن معاویہ) پر اور حجاج بن یوسف پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے نمازیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔[1]

علم عقائد کی وہ قدیم ترین کتاب جس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حوالے دیئے ہیں اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا درس دیا کرتے تھے۔[2]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشبی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے اخیر نصف کے عظیم عالم نے یزید کے بارے میں لکھا ہے:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے یا نہیں؟

(ا) بعض نے کہا: لعنت جائز نہیں اس لئے کہ کئی سال تک مسلمانوں کا امام بنا رہا۔

---

[1] (العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۵۱)

[2] تمہید ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ تصنیف امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی کشبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۲) بعض نے کہا کہ یزید پر لعنت جائز ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو جائز رکھا اور اس پر راضی ہوا۔

(۳) اور بعض نے کہا کہ یزید نے لوگوں کو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ حکم دیا تھا کہ ان سے بیعت لے لو یا ان کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔ ان خوشامدیوں اور بدبختوں نے اس کے حکم کے بغیر قتل کر دیا اور یہ بھی ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر راضی ہوا۔ پس صحیح یہ ہے کہ اگر یزید نے قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حکم دیا اور ان کے قتل پر راضی ہوا اور اس نے اہل بیعت پر لعنت کو جائز رکھا تو یزید پر لعنت جائز ہے ورنہ پھر نہیں۔

اور ایسے ہی جس نے قتل کیا اور قتل کو حلال نہیں سمجھا اس پر بھی لعنت جائز نہیں اور قتل حلال سمجھا تو وہ کافر ہے، اس پر لعنت بھی جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ جل شانہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

علماء کے یزید کی تکفیر اور اس کی لعن کے بارے میں تین گروہ ہیں:

امام احمد اسے کافر اور لعنت اس پر جائز کہتے ہیں؛ اس لئے کہ اس نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کہا: "میں نے ان کو اس کا بدلہ دیا جو انہوں نے قریش کے بزرگوں اور سرداروں کے ساتھ جنگ بدر میں کیا تھا" اور یہ بات **فی الواقع** کفر ہے، سوا اِس کے اور افعال واقوال اس رُوسِیاہ سے منقول ہیں جو کفر وارتداد پر صریح دال ہوں، شراب اور حرام کاری اس کے وقت میں علانیہ جاری ہوئی اور بے حرمتی حرمین شریفین اور وہاں کے باشندوں کی اس کے لشکر کے ہاتھ سے واقع ہوئی۔[1]

اور بعض علماء اس کی تکفیر ولعن سے انکار کرتے اور کہتے ہیں: اجازت ان حرکتوں اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی اس سے بدلیلِ قطعی ثابت نہیں اور یہ کلمہ کہ "میں نے ان سے جنگ بدر کا بدلہ لیا"، برتقدیر ثبوت، اَحاد کے مرتبہ سے متجاوز نہیں ہو سکتا **والیقین لایزول إلاّ بیقین مثلہ** (اور یقینی بات کو رد کرنے کیلئے اسی کی مثل یقینی بات درکار ہوتی ہے) **کما تقرر في موضعہ۔**

غایت کار اس کا یہ ہے کہ فاسق وفاجر تھا اور احکام شرعیہ پر قائم نہ تھا اور فاسق پر لعنت جائز نہیں۔

[1] (انظر "منح الروض الأزهر"، الکبيرة لاتخرج عن الإيمان، ص ٧٣، و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة...إلخ، ص ٢٢٠)

فاضل قونوی "شرح عمدۃ النسفی" میں لکھتے ہیں: صاحبِ کبیرہ پر لعنت نہ کی جائے کہ ایمان اس کا اس کے ساتھ ہے، ارتکابِ کبیرہ سے کم نہیں ہوتا اور مسلمان پر لعنت جائز نہیں۔[1]

ملا علی قاری "شرح فقہ اکبر" میں قولِ شارح "عقائد" کا یعنی: **نحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه فلعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعوانه** مع اس کے دلائل کے رَد کرتے ہیں اور "خلاصہ" وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حجاج ویزید پر لعنت کرنا نہ چاہیے اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل قبلہ کی لعنت سے ممانعت فرمائی ہے اور جو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لعنت کرنا بعض اہل قبلہ پر منقول ہے؛ اس سبب سے ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام لوگوں کا حال جانتے تھے اور لوگ نہیں جانتے شاید وہ شخص منافق ہو یا بَاِعلامِ الٰہی اس کا کفر پر مرنا معلوم ہو۔[2]

امام غزالی "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ حکم یزید کا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کیلئے اصلاً ثابت نہیں اور بلا تحقیقات مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ کی جائز نہیں **إلى أن قال** لعنِ اشخاص میں خطر ہے پس اجتناب چاہیے اور ترکِ لعن ابلیس میں بھی خطر نہیں **فضلاً عن غيره** (جب ابلیس کو کوئی لعنت نہ کرنے میں ایمان کو کوئی خطرہ نہیں تو دوسروں کو لعنت نہ کرنے میں ایمان کو خطرہ کیسے ہو سکتا ہے!) **والله تعالى أعلم۔ ۱۲ منه قدس سره العزيز۔**[3]

اور بعض علماء اس کی تکفیر ولعن میں توقف (سکوت اختیار) کرتے ہیں اور یہی راجح اور یہی اَسلم اور یہی ہمارے ائمہ ہدیٰ کا مذہب اَصح واَقوم ہے۔[4]

اس خبیث نے مسلم بن عقبہ مرّی کو مدینہ سکینہ پر بھیج کر ۷۰۰ استرہ سو مہاجرین واَنصار وتابعین کِبار کو شہید کرایا۔ تین روز اہلِ مدینہ لوٹ اور قتل اور انواعِ مصائب میں مبتلا رہے اور فوجِ اشقیاء نے مسجدِ اقدس میں گھوڑے باندھے اور کسی کو وہاں نماز نہ پڑھنے دی، اہل حرم سے یزید کی غلامی پر بجبر بیعت لی کہ چاہے بیچے، چاہے آزاد کرے، جو کہتا میں خدا اور سول ﷺ کے حکم پر بیعت کرتا ہوں اسے شہید کرتے۔[5]

---

[1] ("منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٣، (نقلاً عن القونوي).)

[2] ("منح الروض الأزهر"، الكبيرة لا تخرج عن الإيمان، ص ٧٢-٧٣، ملتقطاً.)

[3] ("إحياء علوم الدين"، كتاب آفات اللسان، الآفة الثامنة: اللعن، ج٣، ص ١٥٤)

[4] ("المسامرة بشرح المسايرة"، ما جرى بين علي ومعاوية رضي الله عنهما، ص ٣١٥-٣١٦. و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة... إلخ، ص ٢٢١)

[5] ("فتح الباري"، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيأً... إلخ، تحت الحديث: ٧١١٤، ج١٣، ص ٦٠-٦١. و"البداية والنهاية"، وقعة الحرث، ج٥، ص ٧٣١-٧٣٢. و"الصواعق المحرقة"، الخاتمة في بيان اعتقاد أهل السنة... إلخ، ص ٢٢١-٢٢٢.)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر کی بے حرمتی کر چکے، خانہ خدا پر چلے راہ میں مسلم بن عقبہ مر گیا، حصین بن نمیر نے مع فوجِ کثیر مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ کو جلا دیا اور وہاں کے رہنے والوں پر طرح طرح کا ظلم و ستم کیا۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[1]

ملائکہ وانبیاء کہ بحکمِ جناب کبریا کسی پر لعنت کرتے ہیں بسببِ امتثالِ امر (حکم بجالانے) کے مشکور وماجور ہوتے ہیں جس طرح زبانیہ دوزخ (وہ فرشتے جو دوزخیوں کو آگ میں دھکیلیں گے) اور وہ فرشتے جو عذاب پر مامور ہیں اپنے کام میں محمود ہیں گویا یہ بھی کافروں کے حق میں ایک قسم کا عذاب ہے کہ مقبولانِ جنابِ احدیت اس کے ایصال پر مامور وماجور ہوتے ہیں، دوسرے شخص کو کہ قیدیوں کی تعذیب پر مقرر نہیں ان کو مارنا اور ایذا دینا موجبِ اجر نہیں اور آیہ کریمہ: (عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ) (ترجمہ کنزالایمان: "ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔"((پ۲، البقرۃ :۱۶۱)) اخبار ہے نہ کہ امر کہ سب آدمیوں کا مامور بنص ہونا ثابت ہو، فَتَفَكَّرْ۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔[2]

کسی بھی مومن کو یہ بات زیب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔[3]

یعنی اہلسنّت کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو برا بھلا کہیں یا گالی دیں یا لعنت کریں بلکہ ہم اہلسنّت کا شیوہ تو ان چیزوں سے دور رہنا ہے۔[4]

شیعہ خوارج کو کافر کہتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور خوارج شیعہ کو کافر وملعون جانتے ہیں بلکہ اپنے مذہب والوں کی لعن وتشنیع میں باک (خوف) نہیں کرتے، جو شخص انکے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ لعن وتکفیر تمام اہلِ بدعت خصوصاً شیعہ کا وظیفہ ہے۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔

روافض کے اسی عقیدہ کی ایک کڑی فرقہ عبدیہ کا وہ قول ہے جس میں وہ حضور نبی کریم ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نصوص سے انحراف کرکے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑا اور دوسروں کو خلیفہ بنایا اس لئے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیزار ہونا ضروری ہے۔ **(نعوذباللہ من ذلک)**

---

[1] (انظر "فتح الباري"، کتاب التفسير، باب قوله: ثاني اثنين...إلخ، تحت الحديث: ۴۶۶۶، ج۸، ص ۲۷۹.)

[2] "مرآة الجنان"، السنة: ۵۰۴، ج۳، ص ۱۳۴.

[3] "سنن الترمذي"، کتاب الطب، باب ما جاء في اللعن والطعن، ج۳، الحديث: ۲۰۲۶، ص ۴۱۰.

[4] "أشعة اللمعات"، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان من الغيبة والشتم، ج۴، ص ۱۷. "إحياء العلوم"، کتاب آفات اللسان، ج۳، ص ۱۵۴.

ایک فرقہ مشبہہ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملے میں ہمیں شبہ ہے اس لئے ہم ان دونوں سے بیزار ہیں۔

عن عبداللہ بن مغفل قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اللہ اللہ في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى اللہ، ومن آذى اللہ فيوشک أن يأخذه))۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ اللہ میرے بعد میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور انہیں ہدف ملامت نہ بنانا۔ اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے بغض کیا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی گویا کہ اس نے مجھے ایذا اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اللہ تعالیٰ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دے گا۔[1]

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

من سب أصحابي فعليه لعنة اللہ والملائكة والناس أجمعين۔

ترجمہ: جو شخص میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔[2]

وقال إن شرار أمتي أجرؤهم على صحابتي۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے) فرمایا بے شک میری امت کا شریر ترین (امتی) وہ ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر زبان درازی کرتا ہے۔[3]

إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة اللہ على شركم (خط - عن ابن عمر)۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے) فرمایا جس وقت آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں دیتے ہوں تو آپ ان سے کہیں کہ آپ کے شر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔[4]

---

[1] (''سنن الترمذي''، كتاب المناقب، باب من سبّ أصحاب النبيصلى اللہ عليه وسلم، الحديث: ۳۸۸۸، ج۵، ص۴۶۳. العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص۵۴۷)

[2] (رواہ الطبرانی ج۱۲ ص ۸۹، العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸)

[3] (رواہ ابن عدی وشرح العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸، جامع صغیر رقم ۲۲۸۱، جامع المعراج ص ۱۴۳)

[4] (العقائدالمسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۳۲)

وقال لعن اللہ من سب اصحابی۔

ترجمہ: اور (حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے) فرمایا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے۔[1]

قال النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم حبہ وشکرہ واجب علی امتی۔

حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ محبت اور ان کا شکر ادا کرنا میری امت پر واجب ہے۔[2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں: ''حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب ہیں''۔[3]

مفتری کی سزا

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کسی نے کوئی دوسری بات کی تو وہ مُفْتَرِی یعنی الزام لگانے والا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جو الزام لگانے والے کی سزا ہے''۔[4]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا اِصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے استفسار کیا: ''اس امت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟'' فرمایا: ''اس اُمت میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں، ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر میں۔ (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ

---

1 (رواہ الطبرانی۔ العقائد المسمیٰ بالنبراس ص ۵۴۸)

2 (رواہ ابن عساکر وشرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۴۹)

3 (سنن الترمذی، کتاب المناقب، مناقب ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۳۶۷۶، ج۵، ص ۳۷۲)

4 (کنز العمال، کتاب الفضائل، باب فضائل الصحابۃ، فضل الصدیق، الحدیث: ۳۵۶۲۲، ج۶، الجزء: ۱۲، ص ۲۲۳، جمع الجوامع، مسند عمر بن الخطاب، الحدیث: ۱۰۵۸، ج ۱۱، ص ۲۱۹)

اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[1]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما

فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارک میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شمار کرتے ان کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو۔[2] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اصحاب میں بہت زیادہ میل جول رکھنے والے تھے اور ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی اس وقت ہم مراتب صحابہ یوں بیان کیا کرتے تھے، اس امت میں نبیٔ کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اور ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ افضل ہیں۔ پھر ہم خاموش ہو جاتے۔[3]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا محمد بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے پوچھا: "نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "ابو بکر" میں نے کہا: "پھر کون؟ " فرمایا: "عمر"۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر میں نے دوبارہ پوچھا کہ "پھر کون؟ " تو شاید آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا نام لے لیں گے، اس لیے میں نے فوراً کہا: "حضرت سیدنا عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بعد تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی سب سے افضل ہیں؟" ارشاد فرمایا: "میں تو ایک عام سا آدمی ہوں۔[4]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا اصبغ بن نباتہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی: "اے امیر

---

[1] (الریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۵۷)

[2] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، الحدیث: ۳۶۵۵، ج ۲، ص ۵۱۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۳۴۶)

[3] (کنز العمال، کتاب الفضائل، جامع الخلفاء، الحدیث: ۳۶۷۱۷، ج ۷، الجزء: ۱۳، ص ۱۰۵)

[4] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۶۷۱، ج ۲، ص ۵۲۲)

المؤمنین! رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ "آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ابو بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کیا: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔" میں نے عرض کی: "پھر کون؟" آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "میں۔" (یعنی حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم)[1]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے آگے چل رہا تھا تو نبیوں کے سردار سرکار والا تبار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اے ابو درداء! تم اس کے آگے چل رہے ہوں جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے، نبیوں اور مرسلین کے بعد کسی پر نہ تو سورج طلوع ہوا اور نہ ہی غروب ہوا کہ وہ ابو بکر سے **افضل** ہو۔[2]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ میں نے نبیٔ کریم رؤف، رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "نبی کے علاوہ تمام لوگوں میں سب سے **افضل ابو بکر** ہیں۔[3]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام

ایک دن نبیٔ اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر توجہ فرمائی تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نظر نہ آئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کا نام لے کر دو (۲) بار پکارا، پھر ارشاد فرمایا: "بیشک روح القدس جبریل امین عَلَیْہِ السَّلَام نے تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابو بکر صدیق ہیں۔"[4]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا عمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے پوچھا: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

[1] (تاریخ مدینۃ دمشق، ج۴۴، ص ۱۹۶)

[2] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، بقیہ قولہ مروابابکران یصلی، الرقم: ۱۳۵، ج ا، ص ۱۵۲)

[3] (جمع الجوامع، الھمزۃ مع الباء، الحدیث: ۱۲۰، ج ا، ص ۳۸، تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۲۱۲)

[4] (المعجم الاوسط، من اسمہ محمد، الحدیث: ۶۴۴۸، ج۵، ص ۱۸)

وَسَلَّم !لوگوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "عائشہ" میں نے کہا: "مردوں میں؟" فرمایا: "ان کے والد (یعنی ابو بکر صدیق)" میں نے پوچھا: "پھر کون؟" ارشاد فرمایا: "عمر بن خطاب۔" (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُم) [1]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حسان بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ

فرماتے ہیں:

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ — فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَابَكْرٍ بِمَا

فَعَلَا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ اَتْقَاهَا وَاَعْدَلَهَا — بَعْدَ النَّبِيِّ وَاَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

ترجمہ: "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے کارناموں کو یاد کر جو نبی کریم رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔" [2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ

حضرت سیدنا ابو بکر بن عیاش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا ابو حصین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کو یہ فرماتے سنا:

"وَاللهِ مَا وَلَدَ لِاٰدَمَ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ۔

یعنی انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت سیدنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اولاد میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔" [3]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ نسفی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی

حضرت امام ابن ہمام عمر بن محمود نسفی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: "نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد افضل البشر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُم ہیں۔ [4]"

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی لو کنت متخذا، الحدیث: ۳۶۶۲، ج ۲، ص ۵۱۹)

[2] (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، استنشادہ فی مدح الصدیق، الحدیث: ۴۴۷۰، ج ۴، ص ۷)

[3] (فضائل الصحابۃ للامام احمد بن حنبل، و من فضائل عمر بن الخطاب من حدیث أبي بکر بن مالک۔۔الخ، الرقم: ۵۹۸، ج ۱، ص ۳۹۴)

[4] (شرح العقائد النسفیۃ، ص ۳۱۸)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام اعظم نعمان بن ثابت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام لوگوں سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں، پھر عمر بن خطاب، پھر عثمان بن عفان ذوالنورین، پھر علی ابن ابی طالب رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[1]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شافعی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''تمام صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان و تابعین عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[2]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: ''انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟'' فرمایا: ''حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ۔[3]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام طحاوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت سیدنا امام ابو جعفر طحاوی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے پہلے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور کہ آپ کو تمام اُمت پر افضلیت و سبقت حاصل ہے، پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لیے خلافت ثابت کرتے ہیں۔[4]''

---

[1] (شرح الفقه الاكبر، ص ۶۱)

[2] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر بعد النبی، ج۸، ص ۱۵)

[3] (الصواعق المحرقة، الباب الثالث، ص۵۷)

[4] (شرح العقيدة الطحاوية، ص ۴۷۱)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام ابو بکر باقلانی رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "اہل سنت و جماعت اَسلاف کا حق پہنچاتے ہیں وہ اسلاف جن کو اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے لیے منتخب فرمایا تھا وہ ان کے فضائل بیان کرتے ہیں اور ان میں جو اختلافات واقع ہوئے ہیں خواہ چھوٹوں میں یا بڑوں میں اہلسنت وجماعت ان اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق کو، پھر حضرت سیدنا عثمان کو پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب خلفاء راشدین ومہدیین ہیں اور نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اہلسنت وجماعت ان تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں اور ان پر دلالت کرنے والی اور شان خلفاء میں وارد شدہ احادیث کو جھٹلاتے نہیں ہیں جو حضور اکرم، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ثابت ہے۔[1]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ تقی الدین رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "اِنَّ اَبَابَکْر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَفْضَلُ مِنْ سَائِرِ الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَسَائِرِ اُمَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَصْحَابِھِم۔"

یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تمام اُمت محمدیہ سے اور تمام انبیاء کی ساری امتوں اور ان کے اصحاب سے افضل ہیں، کیونکہ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اس طرح لازم تھے جس طرح سایہ جسم کو لازم ہوتا ہے حتی کہ میثاق انبیاء میں اور اسی لیے آپ نے سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کی۔"[2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عبد البر رَحْمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "حضور نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بعد جن صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو چھوڑا اُن میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اس بات پر علماء کرام کی جماعت کا اجماع ہے اور اہل علم کے ایک بہت بڑے گروہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق وعمر

---

[1] (کتاب التمهید، ص ۲۹۵)

[2] (الیواقیت والجواهر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)

فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا ہیں۔[1]

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابو شکور سالمی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

اِمامُ المتکلمین علامہ ابو شکور سالمی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: ''اہل سنت و جماعت نے کہا ہے کہ انبیاء و رسل اور فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں۔[2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام غزالی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

فرماتے ہیں: ''نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ ہیں۔[3]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام کمال الدین رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

فرماتے ہیں: ''جان لو کہ دو جہاں کے تاجور، سلطانِ بحر و بر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رِضۡوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمۡ اَجۡمَعِیۡن ہیں اور اس پر احادیث سے بے شمار دلائل موجود ہیں جو مجموعی طور پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔[4]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام قاضی عیاض رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ

حضرت امام قاضی عیاض مالکی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ حدیث پاک نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام جہانوں پر ماسوائے انبیاء و مرسلین کے منتخب فرمایا ہے اور ان میں سے چار کو میرے لیے چن لیا ہے وہ چار ابو بکر، عمر، عثمان، علی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی

---

[1] (التمہید لما فی الموطا من المعانی والمسانید، حدیث الرابع عشر، ج۸، ص ۵۵۳)
[2] (تمہید ابو شکور سالمی، ص ۳۶۴)
[3] (احیاء العلوم، کتاب قواعد العقائد، الرکن الرابع، الاصل السابع، ج ۱، ص ۱۵۸)
[4] (الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹)

بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔[1]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان غوث اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی غوث الاعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: "عشرہ مبشرہ میں سے افضل ترین چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اور ان چاروں کے لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے خلافت ثابت ہے۔[2]"

افضلیت صدیق اکبر بزبان حافظ ابن عساکر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "حضور اکرم نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو غلبہ دیا اور انہیں مرتدین پر غالب کیا اور مسلمانوں نے ان کو خلافت میں اسی طرح مقدم کیا ہے جس طرح کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو غار میں مقدم کیا پھر امام برحق حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو رونق بخشے آپ کے قاتلین نے ظلم وتعدی سے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شہید کیا پھر حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پس رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد یہ ائمہ ہیں۔[3]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام شرف الدین نووی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: "اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں۔[4]

---

[1] (الشفابتعریف حقوق المصطفی، ج ۲، ص ۵۴)

[2] (الغنیۃ، العقائدو الفرق الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۷، ۱۵۸)

[3] (تبیین کذب المفتری، باب ما وصف من مجانبتہ لأھل البدع، ص ۱۶۰)

[4] (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج ۸، الجزء: ۱۵، ص ۱۴۸)

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام محمد بن حسین بغوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: ''حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم انبیاء و مرسلین کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اور پھر ان چاروں میں افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب سے ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پہلے خلیفہ ہیں لہٰذا وہ سب سے افضل ان کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، ان کے بعد حضرت سیدنا علی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم افضل ہیں۔[1]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ ابن حجر عسقلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں:

اِنَّ الْاِجْمَاعَ انْعَقَدَ بَیْنَ اَھْلِ السُّنَّۃِ اَنَّ تَرْتِیْبَھُمْ فِي الْفَضْلِ کَتَرْتِیْبِھِمْ فِي الْخِلَافَۃِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

یعنی اہل سنت وجماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم)۔[2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام جلال الدین سیوطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: ''اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔[3]''

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام عبد الوہاب شعرانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اُمت کے اولیاء کرام میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ

---

[1] (شرح السنۃ للبغوی، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ج ۱، ص ۱۸۲)
[2] (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث: ۳۶۷۸، ج۷، ص ۲۹)
[3] (تاریخ الخلفاء، ص ۳۴)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔[1] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: "یہ آیت مبارکہ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ ان دونوں آیتوں کا معنی ہے کہ "اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا کہ جن پر تیرا انعام ہوا۔" اور دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا: (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ (پ۵، النساء:۶۹) "یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور صدیق پر انعام فرمایا۔ اور اس بات میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں کہ صدیقین کے امام اور ان کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ہیں۔ تو اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم وہ ہدایت طلب کریں جس پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور تمام صدیقین تھے، کیونکہ اگر وہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء جائز ہی نہ ہوتی، لہٰذا ثابت ہوا کہ سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت مبارکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔[2]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ مصلی مبارک سے پیچھے ہٹے اور حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو آگے کیا تو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "ابو بکر کے سوا کوئی اور امامت کرے اللہ اور سب مومن انکار کرتے ہیں۔[3] "

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ قسطلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

حضرت علامہ احمد بن محمد بن ابو بکر بن عبد الملک قسطلانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔[4] "

---

[1] (الیواقیت و الجواھر، المبحث الثالث و الاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۸)

[2] (التفسیر الکبیر، الفاتحۃ: ۶، ۵، ج ۱، ص ۲۲۱)

[3] (شرح الفقہ الاکبر، ص ۶۴)

[4] (ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، تحت الحدیث: ۳۶۹۸، ج ۸، ص ۲۱۵)

افضلیت صدیق اکبر بزبان میر سید عبد الواحد بلگرامی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اُن کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور اُن کے بعد سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔[1]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان شیخ عبد الحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”خلفاء اَربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن ہیں۔[2]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی پھر حضرت علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہیں۔[3]“

افضلیت صدیق اکبر بزبان علامہ عبد العزیز پرہاروی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”صوفیاء کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امت میں سیدنا ابو بکر صدیق پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سب سے افضل ہیں۔“[4]

افضلیت صدیق اکبر بزبان پیر مہر علی شاہ گولڑوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

فرماتے ہیں: ”آیت ”(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ) الآیۃ(پ۲۶، الفتح:۲۹)“مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں۔“میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلفائے اربعہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی ترتیب خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔ چنانچہ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ سے خلیفۂ اول (حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ مراد ہیں) اَشِدَّآءُ

---

[1] (سبع سنابل، ص۷)

[2] (تکمیل الایمان، ص۱۰۴)

[3] (تفہیمات الٰھیہ، ج ۱، ص ۱۲۸)

[4] (النبراس شرح شرح العقائد، ص ۴۹۲)

عَلَی الْکُفَّار سے خلیفہ ثانی (حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے خلیفہ ثالث (حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) اور تَرٰاھُمْ رُکَّعاً سُجَّداً۔۔اِلَخ۔ سے خلیفہ رابع (حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم) کے صفات مخصوصہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ معیت اور صحبت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، کفار پر شدت میں حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، حلم وکرم میں حضرت سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور عبادت واخلاص میں حضرت سیدنا مولائے علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ خصوصی شان رکھتے تھے۔[1]

افضلیت صدیق اکبر بزبان اعلی حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہ عَلَیْہِمْ کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم تمام مخلوقِ الٰہی سے افضل ہیں، پھر اُن کی باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔''[2]

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الافاضل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: ''اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ہیں اُن کے بعد حضرت عمر اُن کے بعد حضرت عثمان اور اُن کے بعد حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[3] ''

افضلیت صدیق اکبر بزبان صدر الشریعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''بعد انبیاء ومرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس وجن وملک (فرشتوں) سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولی علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم۔[4]''

---

[1] (مِہر منیر، ص ۴۲۴، اللباب فی علوم الکتاب، الفتح: ۲۹، ج۱۷، ص۵۱۷)
[2] (فتاوی رضویہ، ج۲۸، ص ۴۷۸)
[3] (سوانح کربلا، ص۳۸)
[4] (بہار شریعت، ج۱، ص ۲۴۱)

سیدنا صدیق اکبر و عمر فاروق کی افضلیت قطعی ہے

حضرت علامہ شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”(حضرت سیدنا صدیق و عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب ہے۔[1]“

جہاں نہایتیں و غایتیں ختم وہاں مقام صدیق شروع

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانۂ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”میں کہتا ہوں اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم مراتب ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقاء کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں، لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں، اس لیے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ امام القوم سیدی محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کے لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے اور ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرم محمدٌ رَّسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درمیان کوئی نہیں۔[2]“

مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ ارشاد فرماتے ہیں: ”بالجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف (ضعیف حدیثیں) سن سکیں بلکہ مواقف و شرح مواقف میں تو تصریح کی کہ باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح (خبر واحد صحیح حدیثیں) بھی نامسموع۔[3]“

صدیق اولین ہیں خلافت کے تاجدار
بعد ان کے عمر و عثمان وحیدر ہیں بالیقین
اللہ اللہ ان کی عظمت اور شان سربلند
انبیاء کے بعد ان کا کوئی ہمسر نہیں

[1] (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص ۸۱)
[2] (فتاوی رضویہ، ج۲۸، ص۶۸۳)
[3] (فتاوی رضویہ، ج۵، ص ۵۸۱)

صدیق اکبر صوفیاء کی نظر میں، صوفی بننے کے لیے نقش صدیق کی اتباع

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ”اگر کوئی حقیقی صوفی بننا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے نقش قدم پر چلے کہ صفا صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہو جائے اور اس کی فرع یہ ہے کہ دل دنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور یہ دونوں صفتیں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی ہیں تو جو اس طریقے والے ہیں آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ان کے امام ہیں۔[1]“

خوف وامید کی اعلیٰ مثال

حضرت سیدنا مطرف بن عبد اللہ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: ”اگر آسمان سے کوئی یہ آواز بلند صدا دے کہ جنت میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور اس کے فضل سے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا اور اگر آسمان سے یہ آواز آئے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہو گا تو مجھے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور عقاب کے سبب یہ ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی میں ہی نہ ہوں۔“ حضرت مطرف رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”بخدا! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف اور اس کی رحمت سے امید کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں مل سکے گی۔[2]“

صدیق اکبر جیسے بن جاؤ

حضرت سیدنا ابو العباس عطاء رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: (کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ) (ال عمران ۷۹) ”اللہ والے ہو جاؤ۔“ کہ اس فرمان میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کن لوگوں جیسا ہونے کا حکم ارشاد فرمارہاہے؟ تو آپ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس آیت میں یہ حکم دیا جارہاہے کہ تم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسے بن جاؤ، کیونکہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دنیا سے وصال ظاہری ہوا تو تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان شدت غم سے نڈھال تھے اور کچھ دیر کے لیے انہیں ایسا لگا جیسے اب دنیا سے اسلام کا نام ونشان ختم ہو جائے گا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے

---

[1] (کشف المحجوب، ص ۳۲، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج ۳، ص ۸۰)

[2] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۳)

لیے اس سے بڑھ کر کوئی صدمہ نہ تھا۔ ایسے کٹھن وقت میں صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی ایسے تھے جنہوں نے نہایت ہی صبر و تحمل اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پایا اور باہر آکر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے مجمع سے یہ خطاب فرمایا کہ "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔[1]"

اس سے پتا چلا کہ ربانی یعنی اللہ والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے دل پر حوادثِ زمانہ کا کوئی اثر نہ ہو سکے یعنی اس کا دل اس کا اثر قبول نہ کرے خواہ پوری زمین اِدھر سے اُدھر ہی کیوں نہ ہو جائے۔[2]

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی بولنے والے پہلے شخص

حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ "اس اُمت کی پہلی شخصیت جس نے اشارے میں صوفیاء کی بولی سے کام لیا وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔ چنانچہ صوفیاء کرام نے اسی بولی سے ایسے ایسے لطائف اخذ کیے جس سے بڑے بڑے عقل مند حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔"

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی پہلی بولی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بولی

حضرت شیخ ابو نصر عبد اللہ بن علی سراج طوسی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابو بکر واسطی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی زبان پر سب سے پہلے صوفیاء کی بولی ظاہر ہوئی تو یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دلائی تو مختلف صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے حسب استطاعت اپنا اپنا مال بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا اور اس وقت حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لا کر حضور نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اور سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب پوچھا کہ: "اے صدیق! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟" اس پر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے صوفیاء کی وہ بولی بولتے ہوئے عرض کی: "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! گھر والوں کے

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب المغازی، مرض النبی و وفاتہ، الحدیث: ۴۴۵۴، ج۳، ص ۱۵۸، عمدۃ القاری، ج ۲۶، ص ۳۶۷)

[2] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چھوڑ کر آیا ہوں۔[1]"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے اس قول میں سب سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر فرمایا اور پھر ساتھ ہی حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام مبارک لے دیا اور خدا کی قسم! عقیدۂ توحید رکھنے والوں کے لیے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انفرادیت بتانے کا اس سے بڑھ کر کوئی اور اشارہ ممکن ہی نہیں۔ علاوہ ازیں آپ کی حیات طیبہ میں اور بھی ارشادات ملتے ہیں جن سے صوفیاء نے بہت لطیف مسائل نکالے ہیں۔ اہل تحقیق صوفیاء انہیں جانتے اور خوب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان صوفیاء کا ان اشارات سے تعلق بھی ہے اور انہوں نے ان کو اپنا بھی رکھا ہے۔[2]

حیات صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اشارات صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ

انہی اشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری پر جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دل لرز گئے اور انہیں آپ کے وصال اور دنیا سے پردہ فرمانے پر خدشہ محسوس ہوا کہ اسلام کہیں ختم ہی نہ ہو جائے تو اس وقت آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا تھا: "اگر تم لوگ اپنے آقا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پوجا کرتے ہو تو سن لو کہ وہ وصال فرما گئے ہیں اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتے ہو تو یقین رکھو کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہ آئے گی۔" اس میں نہایت باریک اشارہ یہ تھا کہ آپ توحید الٰہی پر ثابت قدم تھے اور یہی نہیں بلکہ آپ نے تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا بھی اس عقیدۂ توحید پر یقین مضبوط فرمادیا۔

صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی، دوسری مثال

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی بولی بولی انہیں بولیوں میں سے ایک بولی یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب نبیٔ کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرتے ہوئے عرض کی کہ "الٰہی! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر مخلص بندے شہید ہوگئے تو اس سرزمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ الٰہی! رحم فرما! کرم فرما! اور تو نے جس مدد کا وعدہ فرمایا تھا اسے پورا فرما۔" تو اس وقت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی تھے جنہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی: "یارسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بارگاہ الٰہی میں جو التجاء

---

[1] (سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)

[2] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۴)

کر چکے وہ کافی ہے، اب بس کیجئے، اس سے زیادہ کچھ نہ کہیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔" اللہ تعالٰی نے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا اس آیت مبارکہ میں مذکور ہے: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (پ ۹، الانفال: ۱۲) "جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔[1]"

اس آیت مبارکہ میں وعدۂ امداد الٰہی کی تصدیق تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان میں سے صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہی نے کی تھی، دیگر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم اس وقت انتہائی پریشان ہو چکے تھے، وعدۂ امداد الٰہی کی اسی تصدیق قلبی سے آپ کے ایمان کی پختگی اور خصوصی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔[2]

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی ہر حالت اور کیفیت کے اعتبار سے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کامل واکمل تھے پھر کیا وجہ ہے کہ غزوۂ بدر کے دن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار و بے چین تھے اور بارگاہ رب العلمین میں گریہ وزاری فرما رہے تھے، جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بالکل مطمئن اور پرسکون تھے بلکہ خود آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حوصلہ دیتے نظر آرہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبیٔ کریم رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقابلے میں معرفت الٰہی کے علوم یقیناً زیادہ جانتے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ جبکہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے زیادہ علم والے اور قوی ایمان کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وعدہ الٰہی پر حقیقی ایمان کی وجہ سے ثابت قدم تھے لیکن حضور نبیٔ اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ اللہ تعالٰی کی معرفت کا زیادہ علم رکھتے تھے کہ وہ رب عَزَّوَجَلَّ جبار و قہار ہے، وہ غنی یعنی بے پرواہ

---

[1] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الانفال، الحدیث: ۳۰۹۲، ج۵، ص ۵۵)

[2] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۵)

ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں، جب چاہے، جیسے چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بے قرار تھے۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ علم تھا جو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور کسی دوسرے صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب شدید آندھی آتی تو باوجودیکہ آندھیاں آتی ہی رہتی تھیں آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرۂ مبارکہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا حالانکہ اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ کئی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہوتے تھے اور کسی کو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ پھر حضور اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے خود یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ”جو کچھ میں جانتا ہوں تمہیں اس کا علم نہیں، اگر تم جان جاتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور تم بلند پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر روتے رہتے نیز تمہیں اپنے بستروں پر بھی کبھی چین نہ آتا۔[1]“

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین الہام

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے اور مخصوص بندوں کے دل میں بعض اوقات سوتے یا جاگتے میں کوئی بات اِلقا ہوتی ہے یعنی دل میں ڈالی جاتی ہے اِسے الہام کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وہ واحد صحابی تھے جو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں الہام و فراست کی خصوصیت رکھتے تھے اور آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ساتھ تین ۳ موقعوں پر الہام و فراست کا ظہور ہوا۔

(۱) مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال ظاہری کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تو دیگر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے یہ رائے دی کہ زکوٰۃ روکنے والے مرتدوں سے ابھی جنگ نہ کی جائے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ان سے جنگ کرنے پر فوراً تیار ہوگئے اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ”اگر انہوں نے رسی کا ایک ٹکڑا بھی دینے سے انکار کیا جو وہ رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں بطور زکوٰۃ ادا کرتے تھے تو میں اُن سے تلوار کے ذریعے جہاد کروں گا۔“ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی رائے درست ثابت ہوئی اور صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے مخالفت میں مشورہ دینے کے باوجود آپ کی رائے کو درست تسلیم کیا اور آپ کی رائے پر اکٹھے ہوگئے کیونکہ انہیں

[1] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۶)

پتہ چل گیا تھا کہ آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔[1]

(۲) جیش اسامہ کی روانگی

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار کی سرکوبی کے لیے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل ایک لشکر حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا تھا جو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے انتقال کے بعد راستے میں شش و پنج کا شکار ہو گیا تھا۔ جب تمام صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لشکر کو واپس بلانے پر اصرار کیا تو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا کہ "جس کام کا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پختہ ارادہ فرمالیا تھا میں اسے ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔[2]"

(۳) قبل وصال بیٹی کی خوشخبری

آپ کی فراست کا تیسرا موقع وہ تھا جب بوقت وصال آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اے عائشہ! میرے انتقال کے بعد مال وراثت کو اپنے دو بھائیوں اور دونوں بہنوں سب میں برابر برابر تقسیم کر دینا۔" حالانکہ حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو دو بھائیوں اور صرف ایک بہن کا پتہ تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے نکاح میں بنت خارجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی تھیں جو اس وقت حاملہ تھیں اور اس حمل کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بچی ہو گی۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے الہام اور فراست کامل کے مطابق ویسا ہی ہوا کہ بچی کی پیدائش ہوئی۔[3]

اسی لیے نبیِّ کریم، رؤفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد نور بار ہے کہ "اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے۔[4]"

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ایسے اور بھی کمالات موجود ہیں جن کا تعلق اہل حقائق اور اہل دل سے ہے۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا الاالہ الااللہ۔۔۔الخ، الحدیث: ۳۲، ج ۱، ص ۳۱، الریاض النضرة، ج ۱، ص ۱۴۷)

[2] (تاریخ مدینة دمشق، ج۸، ص ۶۲، الطبقات الکبری، الطبقة الثانیة من المهاجرین، ج ۴، ص ۵۰)

[3] (تاریخ الخلفاء، الخلفاء الراشدون، ابو بکر الصدیق، فصل فی مرضه الخ، ص ۶۳، شرح الزرقانی علی المؤطا، ج ۴ ص ۶۱)

[4] (سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب و من سورة الحجر، الحدیث: ۳۱۳۸، ج۵، ص ۸۸)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین امتیاز صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

☆... حضرت سیدنا بکر بن عبد اللہ مزنی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں اس لحاظ سے امتیاز نہیں رکھتے تھے کہ وہ روزے کثرت سے رکھتے اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں بلکہ یہ تو ان کے دل میں ایک خاص راز تھا جس کی وجہ سے وہ امتیاز رکھتے تھے۔''

☆ ... کسی صوفی کا اس امتیاز میں یہ قول ملتا ہے کہ ''آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دل میں محبت خداوندی موجزن تھی اور خلوص دل رکھتے تھے۔''

☆... حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جاتا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ لوگوں سے فرماتے: ''اے لوگو! وہ آگ بجھادو جسے تم نے جلا رکھا ہے۔'' (یعنی نماز کا وقت ہوتے ہی جو کام جیسا ہے ویسا ہی چھوڑ دو)[1]

کھاتے ہی فوراً قے کر دی

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ شبہ والا کھانا کھالیا تھا جب علم ہوا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فوراً قے کر دی۔ پھر فرمایا: ''اگر یہ کھانا نکالنے میں میری جان بھی نکل جاتی تو میں اسے نکال کر ہی دم لیتا کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے میں نے سن رکھا ہے کہ جس پیٹ میں حرام کا کھانا چلا جائے تو اس سے آگ ہی بہتر رہے گی۔[2] ''

کاش میں ایک سبزہ ہوتا

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ عذاب الٰہی اور یوم حساب کے ڈر سے فرمایا کرتے تھے: ''کاش میں سبزہ ہوتا اور چوپائے مجھے کھا جاتے بلکہ میں پیدا ہی نہ ہوتا تو بہتر تھا۔[3] ''

---

[1] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۸)

[2] (صحیح البخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاھلیۃ، الحدیث: ۳۸۴۲، ج ۲، ص ۵۷۱، منہاج العابدین، الفصل الخامس فی البطن و حفظہ، ص ۸۸)

[3] (جمع الجوامع، مسند ابی بکر الصدیق، الحدیث: ۱۷۴، ج ۱۱، ص ۴۱، الطبقات الکبری، ذکر وصیۃ ابی بکر، ج ۳، ص ۱۴۸)

صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور تین آیتیں

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قرآن کریم کی تین آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

پہلی آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یونس ۱۰۷)

”اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”اس آیت سے مجھے پتہ چل گیا کہ اگر اللہ تعالٰی میرا بھلا کرنا چاہے تو اس کے سوا اس بھلائی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن اگر اس کے حکم میں میرے لیے تکلیف لکھی ہے تو اسے بھی اسی کے سوا کوئی نہیں ٹال سکے گا۔“

دوسری آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (پ ۲، البقرة: ۱۵۲) ”تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔“ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”جب میں نے یہ آیت پڑھ لی تو میں نے اللہ تعالٰی کے سوا ہر چیز کی یاد کو ترک کر دیا اور اسی کا ذکر کرنے لگا۔“

تیسری آیت

اللہ تعالٰی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

(وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ (ہود ۶)

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”جب سے میں نے یہ آیت پڑھ لی ہے تو خدا کی قسم! میں نے روزی کی فکر کرنا چھوڑ دی۔[1]“

دنیاداروں کی مذمت میں صدیق اکبر کے اشعار

کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دنیا داروں کی مذمت میں چند اشعار فرمائے جن کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

”اے دنیا اور اس کی زیب وزینت اپنا کر ناز کرنے والے! سن لے کہ مٹی ہی مٹی کی شان ہے تو اس میں عظمت کیسی؟ کوئی شریف آدمی دیکھنا چاہو تو ایسے بادشاہ کی طرف دیکھا کرو جو مسکین نما لباس پہنا کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہو گا جو لوگوں پر مہربان ہو گا اور دین و دنیا میں یہی اصلاح کر سکے گا۔“[2]

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بہترین راہنما

حضرت جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے توحید کا مفہوم سمجھانے کے لیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا یہ فرمان سب سے بہترین راہنما ہے کہ ”ذات الٰہی کتنی ستھری ہے جس نے اپنی پہچان کا صرف ایک ہی بہتر طریقہ بتلا دیا ہے کہ اس کی پہچان سے عاجز ہو جاؤ۔[3]“

صدیق اکبر مرید صادق ہیں

حضرت سیدنا شیخ محی الدین ابن عربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”دوسروں پر فضیلت سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی دلالت آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا نبی کریم، رؤف رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں مرید صادق کی طرح ہونا ہے جبکہ شیخ کی معیت میں اس کی فتوحات کامل ہو جائیں اور اسی وجہ سے آپ مستحق خلافت ہوئے۔ پس حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم واصل بحق نہیں ہوئے حتی کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ہر طرح سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مشاہدہ ایک عبد مخلص کی صورت میں

[1] (اللمع فی التصوف، ص ۲۳۹)
[2] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)
[3] (اللمع فی التصوف، ص ۲۴۰)

کیا جسے اللہ تعالیٰ کی معیت میں اگر کوئی حرکت یا سکون ہے تو صرف اسی کی اجازت سے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی بالفعل دلیل

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر فضیلت کی بالفعل دلیل وہ ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب مال طلب فرمایا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سارا مال لا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جبکہ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے گھر کا آدھا مال پیش کر دیا۔[1]

سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں کے مال میں ان کے لیے کوئی حد مقرر نہ فرمائی بلکہ دونوں پر یہ امر مخفی رکھا تاکہ ہر ایک عزم کے مطابق کام کرے۔ اگر سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے آپ دونوں کے لیے کوئی حد مقرر فرمائی ہوتی تو یہ اس سے آگے نہ بڑھتے اور یوں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت بھی سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ظاہر نہ ہوتی۔ پس آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس امر کو مبہم رکھنے میں صرف یہی ارادہ فرمایا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی فضیلت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ظاہر کر کے بیان کر دی جائے۔

قول صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں انتہائی ادب

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس قول میں کہ "گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں" انتہائی ادب ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملایا۔

اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ان کے مال سے کوئی چیز لوٹا دی تو آپ نے اسے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دست کرم سے قبول کیا ہوتا کیونکہ آپ نے رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنے اہل خانہ کی کفایت کرتے چھوڑا ہے۔ تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے مال میں فیصلہ نہیں کیا مگر اس کی حیثیت سے جسے مال کے مالک نے اپنا نائب بنایا ہو۔ پس اے بھائی! غور کر کہ مراتب امور کے متعلق سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا عرفان کس قدر مضبوط ہے اور اسی وجہ سے آپ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ

---

[1] (سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، الحدیث: ۳۶۹۵، ج۵، ص ۳۸۰)

پر فضیلت پائی۔ حالانکہ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا خیال تھا کہ آج وہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے سبقت لے جائیں گے تو جب یہ نصف مال لانے کا واقعہ رونما ہوا تو سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کہنے لگے کہ آج کے بعد میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر سبقت حاصل نہیں کر سکوں گا اور یہ مقام انہیں سونپ دیا۔ پھر رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ان کے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ کی اور یہ اس لیے تاکہ محبت میں سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سچائی پر جو کہ آپ کے علم میں ہے حاضرین کو متنبہ فرمادیں۔ پس اگر آپ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر ان کے مال میں سے کچھ واپس کر دیتے تو سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں یہ احتمال راہ پاسکتا تھا کہ آپ کے دل میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ نرمی کا خیال آیا اور آپ نے سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر اسے بدلہ کے طور پر اس لیے پیش کر دیا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مال دینے میں ان کا نفس ہر طرح سے کھلا ہوا نہیں ہے جیسا کہ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لیے ایسا واقعہ گزرا کہ وہ ایک دفعہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں اپنا سارا مال لے آئے تو آپ نے اسے واپس کر دیا اور اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے متعلق علم رکھتے کہ وہ اپنے لیے آپ کے ہوتے ہوئے کوئی ملکیت نہیں دیکھتے جیسے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے تو اس پر آپ واپس نہ کرتے۔

استحقاق امامت کا عرفان

جان لے کہ ایک شخص کے لیے استحقاق امامت چند امور کے ساتھ پہچانا جاتا ہے ایک یہ کہ ایسی شخصیت ظاہر کر کے مقرر کرے جس کا قول قبول کرنا واجب ہو۔ جیسے نبی یا امام عادل۔ ایک یہ کہ مسلمان اس کی امامت پر اجماع کریں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد بالاجماع سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جو کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ظاہر کرنے پر امام ہوئے۔ پھر سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ، آپ حضرت سیدنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی نص کے ساتھ۔ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اس جماعت کی نص کے ساتھ جن کے درمیان باہمی مشورہ سے امر متعین کیا گیا۔ بے شک آپ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور معتبر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا علی مرتضی کی امامت پر اجماع کیا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

عَنْہُما۔ پس یہ چاروں خلفاء راشدین ہیں۔[1]

ہوئے فاروق و عثمان و علی جب داخل بیعت — بنا فخر سلاسل صدیق اکبر کا

بَیاں ہو کس زبان سے مرتبہ صدیق اکبر کا — ہے یار غار، محبوبِ خدا صدیق اکبر کا

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب

حضرت سیدنا عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ ”حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کا نام عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّۃ بن کعب ہے۔“ مرہ بن کعب تک آپ کے سلسلہ نسب میں کل چھ واسطے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب میں بھی مرہ بن کعب تک چھ ہی واسطے ہیں اور مرہ بن کعب پر جا کر آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کا سلسلہ سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد عثمان کی کنیت ابو قحافہ ہے، آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی والدہ ماجدہ کا نام اُمُّ الخَیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب ہے۔ ام الخیر سلمیٰ کی والدہ (یعنی امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی نانی) کا نام دلاف ہے اور یہی امیمہ بنت عبید بن ناقد خزاعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی دادی (یعنی حضرت سیدنا ابو قحافہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کی والدہ) کا نام امینہ بنت عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عُویج بن عدی بن کعب ہے۔[2]

---

[1] (الیواقیت والجواہر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۳۲۹ ملخصا)

[2] (المعجم الکبیر، نسبۃ ابی بکر الصدیق واسمہ، الحدیث: ۱، ج ۱، ص ۵۱، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج ۴، ص ۱۴۴)

سرکار صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ تعالٰی عَنْہ کے ساتویں پشت میں ملنے کا شجرہ نسب ملاحظہ کیجئے:

نقشہ شجرۂ نسب		
حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	ابو قحافہ عثمان (والد)	ام الخیر سلمی (والدہ)
حضرت سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عامر	صخر
حضرت سیدنا ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	عمرو	عامر
حضرت سیدنا عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ		کعب
حضرت سیدنا قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		سعد
حضرت سیدنا کلاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		تیم
حضرت سیدنا مرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا لوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا غالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ		
حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ		

حضرت سیدنا مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ۵۸ ویں پشت میں تھے۔[1]

[1] فیضان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

لم ینقل عن السلف المجتهدین و العلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویة (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) و احزابہ لان غایة امرھم البغی و الخروج علی الامام و ھو لا یوجب اللعن۔

ترجمہ: اسلاف، مجتہدین اور علماء و صالحین میں سے کسی سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے کیونکہ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گروہ) نے امام وقت (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے صرف بغاوت و خروج کیا جس سے لعن لازم نہیں آتا۔[1]

ذھب العمریة و الواصلیة من المعتزلة الی ان الفریقین فاسقان حتی قال واصل بن عطاء لو شھد الجمیع علی باقة بقل لم اقبل شھادتھم و ذھب الخوارج الی ان الفریقین کافران و ذھب الروافض الی ان من علیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فھو کافر و قال اھل السنة کان الحق مع علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ان من حاربہ مخطی فی الاجتھاد فھو معذور و ان کلا من الفریقین عادل صالح و لا یجوز الطعن فی احد منھم للاحادیث المشھورة فی مدح الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم و النھی عن و ھذا ھو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال۔

ترجمہ: عمریہ اور معتزلہ میں سے واصلیہ کہتے ہیں کہ دونوں گروہ (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) فاسق تھے (نعوذ باللہ) حتیٰ کہ واصل بن عطا نے کہا کہ اگر سب لوگ ان (مذکورہ) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پاکدامنی کی گواہی دیں بھی تو میں کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا اور خوارج کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کافر ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور روافض کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ کی وہ کافر ہے اور اہل سنت نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور جنہوں نے ان سے جھگڑا کیا وہ اجتہادی طور پر غلطی پر تھے۔ پس وہ معذور (تصور) ہوتے ہیں اور بے شک دونوں فریق عادل و صالح تھے۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدح و توصیف اور ان کو گالی نہ دینے کے معاملہ میں احادیث مشہورہ موجود ہیں اور یہی بات حق و سچ ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔[2]

قال مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شتم احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ ابابکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص فان قال کانوا علی کفر و ضلال قتل و ان شتمھم بغیر ھذا من مشاتمة الناس فنکل نکالاً شدیداً۔ انتھیٰ۔

---

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۰)

[2] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۰۳)

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت معاویہ یا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دے (یا) اگر کہے کہ یہ لوگ کفر و گمراہی پر تھے تو اس شخص کو قتل کر دیا جائے اور اگر ان الفاظ کے علاوہ عام لوگوں کی گالیوں کی طرح گالی دے تو اس کو عبرتناک سزا دی جائے۔[1]

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم یظهر الکذب حتی ان الرجل لیحلف و لا یستحلف و یشهد و لا یستشهد الا من سره بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة فان الشیطان مع الفذ و هو من الاثنین ابعد و لا یخلون رجل بامراة فان الشیطان ثالثهم و من سرقة حسنة و ساوت سئة فهو مؤمن۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کی عزت و احترام کرو کیونکہ وہ تم لوگوں میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعظیم کرو جو ان کے بعد ہوں گے۔(یعنی تابعین کرام رضی اللہ تعالی عنہم) پھر کذب ظاہر ہو جائے گا حتی کہ ایک شخص قسم کھائے گا حالانکہ اسے قسم کھانے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔ اور ایک شخص گواہی دے گا حالانکہ اسے گواہی دینے کا نہیں کہا گیا ہو گا۔ اور آگاہ رہو کہ جو شخص جنت میں جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ رہے۔ کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے اور کوئی مرد، عورتوں کے ساتھ اکٹھا نہ ہو کیونکہ (اگر ایسا کرے گا تو) ان میں شیطان تیسرا ہو گا۔(یعنی گمراہ کرے گا) اور جس نے بھلائی کی چوری کی اور اس سے غلطی بھی سرزد ہو گئی تو وہ مؤمن ہے۔(یعنی گناہ کرنے سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ مؤمن ہی کہلائے گا)۔[2]

و قد حدث فی شر القرون فقة زائغة یسبون الائمة و یذمون التقلید و یدعون الناس الی ترکه مع ان جل مطاعنهم و کل دلائلهم مبنیة علی التقلید لمن سبقهم لأنهم یقولون: خالف أبو حنیفة فی المسألة الفلانیة الحدیث الصحیح۔ فان قلت کیف عرفت أنه حدیث صحیح؟ و یقولون: صححه الحافظ فی "الفتح" و صححه فلان و فلان۔ و لا یعرفون أنه لما لم یجز لهم تقلید أبی حنیفة کیف جاز لهم تقلید مثل ابن حجر؟ و لما حرمتم التقلید فکیف وجب علی أبی حنیفة تقلید ابن حجر و أمثاله فی تصحیح ما یصححون و تضعیف ما یضعفون؟

---

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۱)

[2] (رواه النسائی۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۵۵۱)

ترجمہ: بتحقیق زمانے (کے گزرنے کی وجہ سے) پیدا ہونے والے شر میں ایک فرقہ زائغہ پیدا ہوا (جس کے ماننے والے) اماماں دین کو گالیاں دیتے ہیں اور تقلید کو برا جانتے ہیں اور لوگوں کو بھی ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں باوجودیکہ ان کے طعنے واضح و آشکار ہیں اور جو شخص ان کی طرف میلان رکھے اس کیلئے ان کے دلائل تقلید پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فلاں فلاں مسئلے میں صحیح حدیث کے خلاف کیا اگر ان سے کہا جائے کہ آپ نے صحیح حدیث کو کیسے پہچانا؟ تو کہتے ہیں کہ اس (حدیث) کو حافظ (ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے "کتاب الفتح" میں صحیح شمار کیا ہے اور فلاں فلاں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے (اس لئے ہمیں اس کے صحیح ہونے کا علم ہوا) انہیں خبر نہیں کہ جب ان کے نزدیک امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہی نہیں تو ان کیلئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ (اور ان کی طرح کے دوسرے فقہاء) کی تقلید کرنی کیسے جائز ہوئی؟ اور جب وہ تقلید کو حرام کہتے ہیں تو جن احادیث کو وہ صحیح قرار دے رہے ہیں ان کی صحت میں اور جن کو یہ ضعیف قرار دے رہے ہیں ان کو ضعیف کہنے میں (حضرت امام اعظم) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ پر علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنا کیسے واجب ہو گا؟[1]

فرقہ حشویہ کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم نہیں ہیں (نعوذ باللہ من شرورھم)

وقال الامام الشیخ ابو منصور الماتریدی الانبیاء احق بالعصمة من الملائکة لان الامم مامورون بالاتباع للانبیاء لا الملائکة واختار القاضی عیاض عصمتھم بعد الوحی عن کل صغیرة وکبیرة ونسبه الی طائفة من المحققین وقال قد اختلف فی عصمتھم قبل النبوة والصحیح ان شاء اللہ تعالیٰ تنزیھھم من کل عیب انتھیٰ۔

ترجمہ: حضرت امام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عصمت میں ملائکہ سے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ امت کو انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ملائکہ کی تابعداری کا۔ قاضی عیاض نے انبیاء علیہم السلام کا وحی آنے کے بعد سارے صغیرہ و کبیرہ سے عصمت اختیار کیا ہے اور اس بات کو محققین کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے قبل ان کی عصمت کے بارے میں محققین کے اس گروہ نے اختلاف کیا ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ (انبیاء علیہم السلام) تمام عیوب سے پاک ہیں۔[2]

---

[1] (مقدمة اعلاء السنن فوائد فی علوم الفقه ج ۲۱ ص ۷)

[2] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۵۴)

فرقۂ ناجیہ اہل وسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی خلافت کی وہ ترتیب جو متن میں بیان ہوئی ہے وہی حق ہے اور اس امت کے بہترین انسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

جیسا کہ احادیث میں ہے کہ:

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال ابوبکر و عمر خیر الاولین و الآخرین و خیر اهل السموات و خیر اهل الارضین الا النبیین و المرسلین۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے علاوہ سب پہلوں اور پچھلوں سے بہتر و ممتاز ہیں اور (نہ صرف یہ بلکہ) زمین و آسمان والوں سے بھی۔[1]

علامات اهل السنة و الجماعة تفضیل الشیخین ابی بکر و عمر رضی الله تعالی عنهما و محبة الختنین عثمان و علی رضی الله تعالیٰ عنهما و الختن بفتحتین زوج البنت و دلیل توقفهم الاکتفا بذکر المحبة فیهما من غیر تعرض للتفضیل کما فی الشیخین و حسبک دلیلا علی الاهتمام بمسئلة الافضلیة انها من علامات السنة و الانصاف اصله جعل الشئی نصفین ثم اطلق علی الصلح بین الخصوم بقسمة المتاع فیه بینهما نصفین ثم اطلق علی العدل بین الخصمین انه ان ارید بالافضلیة کثرة الثواب ای کثرة الجزاء علی اعمال الخیر من الدرجات الرفیعة فی الجنان و کثرة التقرب الی الرحمن فللتوقف جهة لان کثرة الثواب لا تعرف بالعقل و لذا توقف الامام مالک قیل له ای الناس افضل بعد نبیهم فقال ابوبکر و عمر رضی الله تعالیٰ عنهما بلا شک فقیل له و عثمان و علی رضی الله تعالیٰ عنهما قال ما ادرکت احدا اقتدی به بفضیل احدهما علی الآخر و کذا توقف امام الحرمین و ابو عباس القلانسی۔

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کی نشانیاں یہ ہیں کہ فضیلت شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محبت ختنین حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ختن کا لفظ زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جس کے معنی ہیں بیٹی کا شوہر (یعنی داماد)۔ اور ان دونوں کی محبت پر بغیر تعرض کے فضیلت کیلئے دلیل توقف سے اکتفا کیا ہے جس طرح شیخین اور یہ دلیل کافی ہے کہ اس مسئلہ اور ان دونوں کی فضیلت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر علامات اہل سنت کا اہتمام ہو جائے اور انصاف کی اصل (یعنی انصاف کی تعریف) یہ ہے کہ کسی چیز کو نصف نصف (دو حصوں میں) تقسیم کرنا (انصاف کہلاتا ہے) پھر ان دونوں کے

[1] (رواہ الحاکم، ابن عدی، الخطیب، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۸۴)

جھگڑے کے درمیان صلح پر نصف نصف متاع تقسیم کرنے پر اطلاق کیا پھر ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان عدل کا اطلاق ہوا بے شک افضلیت کے ارادہ کا زیادہ ثواب ہے یعنی جنت میں درجات عالیہ سے اعمالِ خیر میں زیادہ اجر ہے اور رحمن کے زیادہ قریب ہونا ہے۔ پس توقف اس وجہ سے ہے کہ زیادہ ثواب کا اندازہ عقل سے نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توقف کیا کسی نے حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے لوگوں میں کون افضل ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بغیر شک وشبہ کے حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں کہ ان دونوں میں سے کون ایک دوسرے پر فضیلت رکھتا ہے اور ان میں سے پہلے کس کی اقتداء کروں اور اسی طرح امام حرمین اور ابو عباس قلانسی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔[1]

حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال کنا نقول ورسول اللہ ﷺ حی افضل امتہ بعدہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیبلغ ذلک رسول اللہ ﷺ فلا ینکرہ رواہ الترمذی وثانیھما نصوص السلف فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خیر الناس فی ھذہ الامۃ بعد ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم انا رواہ الحافظ ابو سعید السمان کما فی فضل الخطاب بل حکی ابو منصور البغدادی الاجماع علی ان عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زندہ تھے اور ہم کہتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پس ہماری یہ بات رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے (ہماری) اس بات سے انکار نہیں فرمایا۔ (رواہ الترمذی) اور اس بارے میں دوسری دلیل نصوص سلف ہے پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس امت کے بہترین لوگوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میں (حضرت علی رضی

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۰)

اللہ تعالیٰ عنہ)(رواہ حافظ ابو سعید سمان) جس طرح فضیلتِ خطاب میں بلکہ ابو منصور بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکایت کیا اس پر اجماع ہے کہ بے شک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں۔[1]

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال اجمع المهاجرون و الانصار علی ان خیر هذہ الامة ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رواہ خشیمة بن سعد و قال الامام النووی فی شرح مسلم الصحیح المشهور تقدیم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتھیٰ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار اس بات پر متفق ہوگئے کہ اس امت میں بہترین حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔(رواہ خشیمہ بن سعد)اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے کہ صحیح اور مشہور بات حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقدم ہونا ہے۔[2]

اختلف الروایات فیه علی اقوال فاحدها: انه بایعه فی الاول فعن ابی سعید الخدری قال فی حدیث السقیفة صعد ابو بکر المنبر فنظر فی وجوہ القوم فلم یر علیا فدعاہ فجاء فقال یا ابن عم رسول اللہ ﷺ اردت ان نفرق المسلمین فقال لا تثریب یا خلیفة رسول اللہ ﷺ فبایعه رواہ الحاکم و البیهقی و صحه ابن حبان و انما توقف ساعة لاشتغاله بغسل النبی ﷺ ثانیهما: انه بائع بعد ستة اشهر بعد موت فاطمة الزهراء رضی اللہ تعالیٰ عنها و هذا فی صحیح البخاری و مسلم و ثالثهما: و هو الصحیح الجامع بین القولین انه بایعه فی اول الامر ثم تأخر عن صحبة حتی اعاد البیعة بعد ستة اشهر۔

ترجمہ: ان اقوال کے بارے میں مختلف روایات ہیں پس ان میں سے اول: بے شک آپ نے پہلے بیعت کی پس حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا حدیث سقیفہ میں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھے اور اپنی قوم کے چہروں کی طرف دیکھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ پایا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)نے ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو طلب کیا جب وہ آگئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد کیا آپ کا ارادہ ہے کہ مسلمانوں میں جدائی پیدا کریں ؟تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، تثریب (سرزنش، ملامت، طعنہ، لپٹنا) نہیں پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۱)

[2] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۲)

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان (حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بیعت کی رواہ حاکم و بیہقی اور ابن حبان نے صحیح فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو غسل دینے میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ دیر توقف کیا۔[1]

دوم: بتحقیق آپ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے چھ ماہ بعد بیعت کی اور یہ صحیح البخاری اور مسلم میں ہے۔

سوم: اور یہ بات دو اقوال کے درمیان صحیح اور جامع ہے کہ بے شک (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلافت کی ابتداء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر لی تھی پھر صحبت اختیار کرنے میں تاخیر ہو گئی حتی کہ چھ ماہ بعد بیعت کا اعادہ کیا۔

فصل نمبر ۷:

نقر بان العبد مع اعماله و اقرار ہ و معرفته مخلوق فلما كان الفاعل مخلوقا اولى ان يكون فعله ايضاً مخلوقا ولم يكن لهم طاقة لانهم ضعفاء عاجزون واللہ تعالیٰ خالقهم ورازقهم لقوله تعالیٰ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم ۴۰)۔ والكسب بالعمل حلال وجمع المال من الحرام حرام الخلق على ثلثة اصناف المؤمن المخلص فی ایمانه والكافر المجاهر فی كفره والمنافق المداهن فی نفاقه واللہ تعالیٰ فرض على المؤمن العمل وعلى الكافر الايمان وعلى المنافق الاخلاص لقوله تعالیٰ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ (البقرة ۲۱) معناه یاایها المؤمنون اطيعوا وایها الكافرون امنوا وایها المنافقون اخلصوا۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ بندہ اپنے اعمال اور اقرار اور معرفت کے ساتھ مخلوق ہے پس جب فاعل (بندہ) مخلوق ہو تو اس (بندے) کا فعل بھی بطریق اولیٰ مخلوق ہو گا اور یہ بندے (کسی چیز کو خلق کرنے کی) طاقت نہیں رکھتے کیونکہ مخلوق کمزور اور عاجز ہے (اس لئے کسی چیز کو خلق کرنے کی طاقت نہیں رکھتے) اور اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا" اور کسب کرنا (کسی بھی فن یعنی مزدوری، نجاری، تجارت اور درزی گری وغیرہ کے ذریعہ سے رزق کمانا) حلال ہے اور حرام طریقے کے ذریعہ سے مال جمع کرنا حرام ہے (جیسے چوری، رشوت، سود اور زنا وغیرہ کے ذریعہ سے)۔

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۴۹۴)

مخلوق (انسان، ملائکہ اور جنات) کی تین اقسام ہیں

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں (ان میں نفاق نہیں ہوتا)۔

(دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو کافر ہوں اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے والے ہوں (یعنی علی الاعلان کہتے ہوں کہ ہم دہری، ہندو، یہودی یا نصرانی ہیں)۔

(تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں) جو منافق ہوں (باطن اور دل میں کافر ہوں اور ظاہری طور پر مسلمان ہوں)۔ اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن پر صرف عمل (نماز اور روزہ وغیرہ) فرض کیا ہے اور کافر پر ایمان لانا (فرض کیا ہے) اور منافق پر اخلاص (فرض کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اے لوگو اپنے رب کو پوجو" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اے ایمان والو (اللہ تعالیٰ کی) اطاعت کرو (نماز روزہ وغیرہ ادا کرو اور زنا، قتل، شراب اور چوری وغیرہ سے پرہیز کرو)۔ اور اے کفار ایمان لاؤ۔ اور اے منافقین ایمان میں اخلاص لاؤ اور نفاق کو چھوڑ دو۔

تشریح

قدریہ اور ملاحدہ کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں جب ہم کوئی کام کاج کرتے ہیں تو اس کے ذریعہ سے ہم رزق حاصل کر لیتے ہیں اور اسی طرح ہم نیکی اور بدی دونوں پر بھی قادر ہیں۔

اور بعض گروہ کہتے ہیں کہ کام کاج سے تو مال ہی جمع ہوتا ہے چاہے وہ کام حرام ہو یا حلال، جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا لازمی اور ضروری ہے پھر حرام سے بچنا اور حلال کو کرنا ضروی ہے۔

مرجیہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ضروری ہے باقی کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

اور فرقہ سائبہ جو کہ مرجیہ فرقے کی ہی ایک شاخ ہے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایمان کا جزو نہیں ہے اور ہم (اہل سنت والجماعت) کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ کے تمام اوامر کو ظاہراً و باطناً اور دل و زبان سے تسلیم کرتے اور نواہی سے اجتناب کرتے ہیں اس لئے کہ شریعت پر عمل کرنا اور نواہی سے بچنا مسلمان پر فرض ہے۔

فصل نمبر ۸

نقر بان الاستطاعة مع الفعل لا قبل الفعل و لا بعد الفعل لانه لو کان قبل الفعل لکان العبد مستغنیا عن اللہ تعالیٰ وقت الفعل و هذا خلاف النص لقوله تعالیٰ وَ اللّٰہُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد ۳۸) و لو کان بعد الفعل لکان من المحال حصول الفعل بلا استطاعة۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ (کسی کام کو کرنے کی) طاقت، اس کام کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ (یہ طاقت) نہ تو اس فعل سے پہلے ہوتی ہے اور نہ ہی بعد میں ۔ کیونکہ اگر فعل سے پہلے طاقت ہوتی تو بندہ اس فعل کے وقت اللہ تعالیٰ سے غنی (لاپرواہ) ہوتا (یعنی جب بندے میں پہلے سے طاقت موجود ہوتی تو وہ فعل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج نہ ہوتا) جبکہ یہ بات آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج" اور اگر وہ طاقت (یا کام کرنے کی قدرت) فعل کے بعد پیدا ہو تو یہ بات ناممکن ہے کیونکہ طاقت و قدرت کے بغیر کسی کام کو سر انجام دینا محال ہے۔

تشریح

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو اوپر متن ہی میں بیان ہو گیا ہے جس میں مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تاہم ہم اس موضوع پر دوسرے فرقوں کے عقائد درج ذیل ہیں۔ معتزلہ کے گروہ کا عقیدہ ہے کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے جبکہ یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔

مضطریہ جو کہ جبریہ گروہ کی ایک شاخ ہے وہ کہتے ہیں کہ

قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔

ترجمہ: انسان کے پاس تمام افعال کی طاقت اللہ کی طاقت کے برابر نہیں ہے (بلکہ بعض افعال کی طاقت انسان کو دی گئی ہے)۔[1]

اسی طرح جبریہ فرقے کا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے

والافعالية- قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔

[1] (الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص ۴۸)

ترجمہ: افعال واعمال تو ہم سے ہی ادا ہوتے ہیں لیکن ان کو کرنے کی طاقت ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ہم (طاقت واستطاعت میں) چوپائیوں کی طرح ہیں جو نکیل کے ساتھ باندھے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی جیسے چوپائے بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے کسی فعل کی طاقت نہیں رکھتے ایسے ہی انسان بھی بے بس ہے)۔[1]

جبریہ فرقے کا ایک گروہ جس کا نام منبہ ہے ان کا اور مجوسی فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ

ذهب المجوس الی ان للعالم فاعلین احدهما الله تعالیٰ و هو فاعل الخیر و خالق الحیوان النافع و الثانی الشیطان و هو فاعل الشر و خالق الحیوان ضار۔

ترجمہ: مجوسی کہتے ہیں کہ جہان کے دو فاعل ہیں (یعنی دو خدا) ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ ہے جو خیر و بھلائی کا بھی فاعل ہے اور نفع دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے جبکہ دوسرا فاعل شیطان ہے جو شر (اور گناہوں کے کاموں) کا فاعل بھی ہے اور نقصان دینے والے حیوانات کا بھی خالق ہے۔[2]

علامہ محمد عبد العزیز الفرہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

فانهم یعتقدون آلهین یزدان خالق الخیر و اهرمن خالق الشر۔

ترجمہ: یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معبود دو ہیں ایک یزدان، جو خیر و بھلائی کا خالق ہے اور دوسرا اَہر من جو کہ شر کا پیدا کرنے والا ہے۔[3]

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ بندہ اور اس کے افعال واعمال کا خالق حقیقی اور مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے البتہ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اسی لئے ثواب و عقاب کا حق دار ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصفت ٩٦)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ۔ (الانعام ١٠٢)

---

1 (الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج۴ ص ۴۸)

2 (شرح العقائد النسفیة ج ۹ ص ١٦١ طبع مکتبة العلم کانسی روڈ کوئٹہ)

3 (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ٢٦٥)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو۔

تیسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوا اِلٰـھَینِ اثْنَینِ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (النحل ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالق حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذاتِ بابرکات ہے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ماوراء النہر کے مشائخ نے مجوسیوں اور معتزلہ کا ان الفاظ سے موازنہ کیا ہے۔

ان مشائخ ماوراء النہر قد بالغوا فی تضلیلھم فی ھذہ المسئلۃ حتی قالوا ان المجوس اسعد ای احسن حالا منھم حیث لم یثبتوا الا شریکا واحدا و ھو اھرمن و المعتزلۃ اثبتوا اشرکاء لا تحصیٰ۔

ترجمہ: بتحقیق ماوراء النہر کے مشائخ نے (معتزلہ) کی گمراہی میں بہت مبالغہ (یعنی تاکید) فرمائی ہے حتیٰ کہ مجوسیوں کے بارے میں فرمایا کہ معتزلہ سے ان مجوسیوں کا حال بہت اچھا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ایک ہی شریک کیا ہے جو کہ "اہرمن" ہے جبکہ معتزلہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے شمار شرکاء ثابت کرتے ہیں (یعنی انسانوں کو، کیونکہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر اسے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت میں شریک ٹھہرا دیتے ہیں)۔[1]

لیکن معتزلہ بندے کو خالق بالذات نہیں کہتے بلکہ حادث جانتے ہیں تاہم جمہور متکلمین نے ان کے اس قول سے ان کو مشرک قرار دیا ہے۔

فصل نمبر ۹

نقر بان المسح علی الخفین جائز للمقیم یوما و لیلۃ و للمسافر ثلثۃ ایام و لیالیھا لان الحدیث ورد ھکذا و من انکر فانہ یخشی علیہ الکفر لانہ ثبت بالخبر المتواتر و القصر و الافطار رخصۃ فی السفر بنص الکتاب لقولہ تعالیٰ و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ و فی الافطار قولہ تعالیٰ فَمَن کَانَ مِنکُم مَّرِیضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ (البقرۃ ۱۸۴)

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ موزوں پر مسح کرنا مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین راتیں جائز کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے تو جو شخص (موزوں پر مسح) سے منکر ہو (جیسے روافض) تو بتحقیق اس طرح

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۶۵)

کے شخص پر کفر کا ڈر ہے کیونکہ (موزوں پر مسح) کرنا حدیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور قصر کرنا (چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر کے ادا کرنا) اور سفر میں روزہ نہ رکھنے میں رخصت ہے اور یہ رخصت صریح الفاظ میں قرآن سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں''۔

تشریح

روافض موزوں پر مسح کرنے سے انکار کرتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ننگے پاؤں پر ہی مسح کرتے ہیں۔موزوں پر مسح کے بارے میں روافض کے گروہوں میں بھی اختلاف ہے۔

اور بعض گروہوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رخصت کے دنوں میں یا بیماری اور سفر میں روزہ رکھنا گناہ ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے **یخشی علیه الکفر** کے الفاظ فرمائے ہیں اور اس طرح قطعی حکم نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہے اس کی وجہ جاننے سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ حدیثِ متواترہ کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم کی متواتر حدیث لفظاً اور معناً ہوتی ہے جس کا منکر یقینی کافر ہے۔اور دوسری قسم کی متواتر حدیث ازروئے معناً ہوتی ہے نہ کہ لفظاً۔یعنی احادیث واردہ کے الفاظ مختلف ہوں مگر اس کے معنی کسی چیز کی جانب راجع ہوتے ہوں تو اس طرح کی حدیثِ متواترہ کے منکر پر کفر کا ڈر ہے اور موزوں پر مسح کرنے والی حدیث دوسری قسم سے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سفر میں چار رکعت فرض کو پورا ادا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (الطلاق ١)

اور جو اللّٰہ کی حدّوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں سفر کی مسافت بوجھ لادے ہوئے اونٹ کی چال سے تین دن کی ہے اور آرام کرنے کا دورانیہ اس میں سے خارج ہے چنانچہ یہ مسافت تخمیناً تین فرسخ بنتی ہے جس کی مقدار ۴۸ میل یا ۷۷ کلو میٹر ہے۔

گاڑی یا جہاز کی مسافت میں تین دنوں کی شرط نہیں ہے بلکہ اگر تیز رفتار گاڑی یا جہاز نے یہ مسافت ایک دن یا اس سے کم میں طے کر لی تو بھی یہ شخص مسافر ہی شمار ہو گا۔

فصل نمبر ۱۰

نقر بان اللہ تعالیٰ امر القلم بان یکتب فقال القلم ماذا اکتب یا ربی فقال اللہ تعالیٰ ماھو کائن الی یوم القیمۃ لقولہ تعالیٰ وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَ كُلُّ صَغِيرٍ وَّ كَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿القمر ۵۳﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو اس بات کا امر فرمایا کہ لکھو تو قلم نے عرض کیا "اے میرے رب میں کیا لکھوں" تو اللہ تعالیٰ نے (قلم کو) فرمایا کہ قیامت کے دن تک ہونے والی ہر چیز کی (تقدیر) لکھ دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔"

تشریح

حضرت فارابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"**لاتظنن ان القلم آلۃ جمادیۃ**" آپ یہ گمان نہ کریں کہ قلم بے جان چیزوں میں سے ایک آلہ ہے جیسے کہ ہمارے ہاں قلم کی جنس موجود ہے بلکہ وہ قلم جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ فرشتوں میں سے ایک نورانی فرشتہ ہے جو کہ فہم وادراک اور سوال وجواب کے قابل ہے۔

اہل وسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لوح محفوظ میں ان باتوں کے لکھنے کا حکماً امر نہیں فرمایا بلکہ قلم کو لوح محفوظ میں ان سب چیزوں کے اوصاف لکھنے کا امر فرمایا جیسے خوبی اور برائی، طول و عرض، چھوٹا پن اور بڑا پن (مثلاً ٹیلہ چھوٹا اور پہاڑ بڑا ہے) کمی اور کثرت (مثلاً علماء کم اور عوام زیادہ ہیں) ہلکا پن اور بھاری پن (مثلاً قلم ہلکا ہے اور کتاب بھاری ہے) گرمی اور ٹھنڈک (مثلاً آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی ہے) عبادت اور نافرمانی (مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے حضور نبی کریم ﷺ پر بغیر کسی سوچ کے ایمان لائیں گے اور اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغات کریں گے اور اسی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ ابو جہل لعین اپنے ارادے، اختیار اور اپنے کسب سے اسلام منکر ہو گا اور حضور نبی کریم ﷺ کی بہت نصیحتوں اور اپنے اختیار کے باوجود کفر سے ایمان لائے گا) ارادہ اور قدرت (مثلاً کسی کام کیلئے ارادہ کرنا جیسے نماز یا کسی کام پر قادر ہونا جیسے تندرست انسان نماز ادا کرنے پر قادر ہوتا ہے) اور کسب یا دوسرے غیر مذکورہ اوصاف جیسے (سفید، سیاہ، اور سرخ وغیرہ) احوال (مثلاً زید تندرست

ہے یا غنی ہے اور عمر بیمار یا مسکین ہے) اوراخلاق (مثلاً زید بہت اخلاق والا، سخی اور حلیم ہے اور عمر بہت بدمزاج، بخیل اور غضبناک ہے)۔

لوح محفوظ میں کسی کام کے واقع ہونے پر مطلق حکم نہیں دیا گیا(کہ زید حتماً کافر ہو جائے گا اور عمر حتماً مسلمان ہو گا۔ بغیر وصف اور سبب کے) (کہ زید اور عمر کو ارادے اور کسب میں اختیار حاصل ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح بھی نہیں لکھا کہ زید مؤمن ہو گا اور عمر کافر ہو گا کیونکہ اگر ایسا لکھا گیا ہوتا تو ایمان لانے پر مجبور ہوتا اور عمر کافر ہونے پر مجبور ہوتا اس لئے کہ جس چیز کے ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہو وہ حتماً واقع ہوتی ہے علاوہ ازیں جس چیز کا اللہ تعالیٰ حکم دے تو اس کے حکم کا رد کرنے والا کوئی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ زید اپنے اختیار اور قدرت سے ایمان لائے گا اور ایمان کا ارادہ کرے گا اور کفر کا ارادہ نہیں کرے گا اور لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے کہ عمر اپنے اختیار اور قدرت سے کفر کا راستہ اختیار کرے گا اور یہ کفر کا ارادہ کرے گا اور ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرے گا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے افعال میں جبر نہیں ہے اور دوسرا مقصد جبریہ فرقے کے عقائد کو باطل ثابت کرنا ہے کیونکہ جبریہ فرقے کا عقیدہ ہے کہ:

کمازعمت الجبریة انه لافعل للعبداصلاوان حرکاته بمنزلة حرکات الجمادات لاقدرة علیها ولا قصد او الاختیار وهذاباطل لانانفرق بالضرورة بین حرکة البطش وحرکة الارتعاش ونعلم ان الاولیٰ باختیاره دون الثانی۔

ترجمہ: جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ کا کوئی (اختیاری) فعل ہے ہی نہیں اور اس کی حرکات، جمادات کی حرکات کی طرح ہیں۔ ان پر اسے نہ قدرت ہے نہ قصد ہے نہ اختیار جبکہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ ہم بدیہی (واضح) طور پر حرکتِ بطش (حملہ اور گرفت) اور حرکتِ رعشہ کے درمیان فرق کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری نہیں۔[1]

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۱۲۵)

جبریہ کا گروہ قطعاً کافر ہے اور اس کی چند وجوہات ہیں

ا۔ جبریہ کا گروہ ان آیات سے انکار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿الواقعة ۲۴﴾

صلہ ان کے اعمال کا۔

فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (الكهف ۲۹)

تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

جبریہ کا گروہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بھیجے جانے سے بھی انکار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو نہیں بھیجا۔

۲۔ جبریہ کے گروہ کے مطابق جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر یا اسلام لانے پر مجبور ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی طرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بھیجنا بے فائدہ ہوا۔

۳۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کیلئے کتابوں کا نازل کرنا بھی لغو ہے کیونکہ جب کتابوں میں درج اوامر ونواہی کا ان کو اختیار ہی نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ کیا؟

۴۔ جبریہ کے مذہب کے مطابق ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ بھی لغو ہے کیونکہ یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جمادات کو ثواب وعقاب نہیں دیا جائے گا بلکہ بے زبان حیوانات بھی اس سے آزاد ہیں۔

غاية التحقيق فی شرح العقائد يقول الفقير سامحه القدير قد قال الامام ابو حامد محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فی احياء العلوم يلزم السكوت فی هذه المسئلة ای مسئلة القدر ولو يتكلم فيها يلزم وقوف الكلام عند قول الحنيفة رحمہ اللہ تعالی والتجاوز عنه ضلال وزندقة۔

ترجمہ: غایۃ التحقیق فی شرح العقائد میں فقیر (اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے) حضرت امام ابو حامد محمد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ (مسئلہ قدر) میں خاموشی اختیار کرنی چاہیئے اور اگر اس (مسئلہ قدر) میں کوئی کلام کرے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس پر اس میں سکوت کرنا لازم ہے اور اگر کسی نے اس میں تجاوز کیا تو وہ گمراہ اور زندیق ہے۔

اور اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ کیا تو روز قیامت اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا اور جو تقدیر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ نہیں کرے گا اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔(رواہ ابن ماجہ)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف (فارسی) میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مقصد جس کو صاحب مشکوۃ نے بھی روایت کیا ہے اس میں قدر کے مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے روکنا ہے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ روزِ قیامت میں اس پر عتاب اور سرزنش ہے تو اس لئے بہتر بات یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رکھا جائے اور اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ سے اجتناب کیا جائے۔

بعض لوگ کبھی کبھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اس حدیث کی رو سے تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قدر کے مسئلہ میں بحث نہیں کرنی چاہیئے تھی اور اسی طرح امتِ مرحومہ کے علماء کرام نے بھی عقائد کی کتب میں قدر کے مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ بحث کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس امت مرحومہ میں اہل بدعت وہوا پیدا ہو گئے تھے جیسے کہ جبریہ، قدریہ اور معتزلہ وغیرہ تو اہل سنت والجماعت کے علماء کرام مجبور ہوئے کہ اپنی کتب میں اس مسئلہ کی توضیح قرآن کریم واحادیث نبویہ ﷺ کے مطابق کریں تاکہ امتِ مرحومہ کو ان فرقوں کی گمراہی اور فتنے سے محفوظ رکھ سکیں اور اگر اہل سنت والجماعت کے علماء کرام اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کر لیتے تو ساری امت گمراہی اور فتنے کے راستے پر گامزن ہو جاتی۔

جآء فی الحدیث مایدل علی النھی ولکن المتاخرین اضطروا الی البحث عنہا رواعلی الجبریۃ والقدریۃ والمذھب فیھا ستۃ۔

فاحدھا: للمعتزلۃ وھو ان الفعل بقدرۃ العبد وحدھا بالایجاب واضطرار۔

ثانیھا: للجبریۃ وھو ان الفعل بقدرۃ اللہ وحدھا ولیس للعبد قدرۃ واختیار بل ھو کالجماد۔

ثالثھا: للاشعری وھو ان الفعل بقدرۃ اللہ وحدھا ولکن للعبد قدرۃ واختیار اذا صرفھا الی الفعل خلق اللہ الفعل منہ فالفعل مخلوق اللہ ومکسوب العبد۔

رابعها: للفلاسفة وينسب الى امام الحرمين وهوان المؤثر قدرة العبد وحدها بالايجاب واستحالة التخلف وقال بعض المحققين مذهب الحكماء ان قدرة العبد كالاسباب والادوات واما مفيد الوجود فليس الا الحق سبحانه قلت وهذا اقريب من مذهب الاشعرى بل كانه هو۔

خامسها: للاستاذ ابى اسحق الاسفرائى وهوان المؤخر مجموع القدرتين لاعلى ان كلا منهما مؤثر مستقل مايزعم فانه محال بل على ان قدرة العبد غير مستقلة بالتاثير فاذا انضمت اليها قدرة الحق سبحانه صارت مؤثرة۔

سادسها: للقاضى ابى بكر الباقلانى وهوان الموثر فى اصل الفعل قدرة الله وفى وصفه قدرة العبد ومثلوه بلفم اليتيم ايذاء وتاديبا فاللطم صار عن قدرة الحق سبحانه وكونه ذنبا او طاعة بقدرة العبد۔

ترجمہ: جس طرح حدیث میں اس (قضاء وقدر کے مسئلہ) میں بحث و مباحثہ سے منع فرمایا گیا ہے مگر علماء متاخرین نے حالتِ اضطرار میں (قضاء وقدر) پر بحث کو جبریہ اور قدریہ پر جائز فرمایا ہے اوران میں چھ مذاہب ہیں جن میں سے:

اول: معتزلہ ہے جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف بندہ کو ہے سب ایجاد فعل اوراضطرار میں۔

دوم: جبریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اکیلا بندہ کچھ نہیں اور بندے کو کچھ قدرت اوراختیار نہیں بلکہ وہ ایک جماد (پتھر) ہے۔

سوم: اشعریہ ہیں جو کہتے ہیں کہ فعل قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر بندہ قادراوراختیاروالاہے جو کہ فعل کو تغیر دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے مخلوق کو خلق کیا پس یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق کاہے اور بندہ کاسب۔

چہارم: فلاسفہ ہیں جو امام حرمین کیلئے نسبت کرتے ہیں کہ ایجاداور طلب حالت مخالفت میں مؤثر قدرت صرف بندے کو ہے اور مذہب کے بعض محققین حکماء نے کہاہے کہ قدرت بندہ جس طرح اسباب اورادوات (بیماریاں) ہیں مفید وجود نہیں مگر حق سبحانہ ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ مذہب اشعریہ کے نزدیک ہے بلکہ انہیں میں سے ہے۔

پنجم: استاذ ابو اسحاق اسفرائی ہیں وہ کہتے ہیں کہ بے شک مؤثر مجموعہ دونوں قدرتیں ہیں نہ کہ دونوں مستقل مؤثر ہیں ان کا گمان ہے کہ یہ محال ہے بلکہ قدرتِ بندہ تاثیر میں غیر مستقل ہے جس وقت قدرت حق سبحانہ ضم ہو جائے تو مؤثر ہو جاتا ہے۔

ششم: قاضی ابی بکر باقلانی ہیں جو کہتے ہیں کہ بے شک اصل میں مؤثرِ فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور وصف میں بندے کی قدرت اور اس کی مثال یتیم کو ایذا اور تکلیف کیلئے تھپڑ مارنا ہے پس یہ تھپڑ حق سبحانہٗ کی قدرت ہو گی اور حالتِ کون اس کی گناہ اور طاعت بندے کی قدرت۔ [1]

فصل نمبر ۱۱

نقربان عذاب القبر کائن لامحالة وسؤال المنکر والنکیر حق لورود الاحادیث والجنة والنار حق وھما مخلوقتان لافناء لھما لقولہ تعالیٰ فی حق الجنة۔ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿آل عمران ۱۳۳﴾ وفی حق النار۔ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿البقرة ۲۴﴾ خلقھما اللہ تعالیٰ للثواب والعقاب والمیزان حق لقولہ تعالیٰ۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿الاعراف ۹﴾ وقرائتہ الکتاب یوم القیامة حق لقولہ تعالیٰ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴿۱۳﴾ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿الاسراء ۱۴﴾

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ قبر کا عذاب ہونا حق ہے ناممکن نہیں ہے (سب کفار اور بعض گناہگار مؤمنوں کیلئے) اور (قبر میں) منکر و نکیر (جو کہ فرشتے ہیں) کا سوال کرنا حق ہے کیونکہ ان کے بارے میں احادیث نبویہ ﷺ میں آیا ہے اور جنت و دوزخ حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں اور دونوں کیلئے فنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا جنت کے بارے میں فرمان ہے کہ "پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے" اور دوزخ کے بارے میں "تیار رکھی ہے کافروں کے لئے" اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ثواب کیلئے (جنت) اور عذاب کیلئے (عذاب) پیدا کیا ہے اور ترازو (اعمال کے تولے جانے کیلئے) حق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلّے بھاری ہوئے وہی مُراد کو پہنچے اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی اُن زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے" اور بروز قیامت اپنے اعمال ناموں کو پڑھنا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کُھلا ہوا پائے گا فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے"

اللھم اجعلنا من الذین ثقلت موازین حسناتھم ولا تجعلنا من الذین خفت موازین حسناتھم اٰمین یارحمن بحرمة شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۲۷۲)

تشریح

جہمیہ کا ایک گروہ لقیریہ، بعض معتزلہ اور روافض یہ چاروں گروہ قبر کے عذاب سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ:

وأنکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض، لأن المیت جماد لا حیاة له ولا إدراک، فتعذیبه محال۔

ترجمہ: اور بعض معتزلہ اور روافض نے قبر کے عذاب سے انکار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک میت بے جان و بے حس جسم ہوتا ہے نہ اس میں حیات ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا ادراک لہذا اس کو عذاب دینا محال ہے۔[1]

لان المیت جماد بالفتح لا حیوة له ولا ادراک و فتعذبیه محال فالنصوص الناطقة به ماولة واجاب الصالحی من المعتزلة وبعض الکرامیة والامام ابن جریر الطبری من اهل السنة بان المیت عذب یعذب بلا حیوة۔

ترجمہ: کیونکہ میت (ایک پتھر کی طرح) بے جان شئے ہے اور اس میں زندگی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی چیز کے ادراک کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اس لئے اسے عذاب دینا محال ہے پس ان کی تاویل پر نصوص ناطق ہیں اور معتزلہ میں سے صالحہ اور بعض کرامیہ اور اہل سنت میں سے امام جریر طبری نے یہ جواب دیا ہے کہ میت کو زندگی عطا کیے بغیر ہی عذاب دیا جاتا ہے۔[2]

لا یستلزم اعادة الروح فی البدن هذا جواب اشکال او رده المعتزلة مستدلین ادراک الالم واللذة فیمکن ان یحصل بادنی تعلق للروح بالبدن سواء کان الروح فوق السماء السابعة او محبوسا فی سجین وشبهوا هذا التعلق بوقوع شعاع الشمس من السماء الرابعة علی الارض وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه وقد اجاب المشائخ من هذه الآیة بوجوه آخر احدها ان حیوة القبر وان کانت عند السوال باعادة الروح فهی حیوة ضعیفة فجاز ان لا یسمی زالها موتا۔

ترجمہ: بدن میں روح کا داخل ہونا لازمی نہیں ہے یہ ایک اشکال کا جواب ہے معتزلہ نے ادراک، درد اور لذت کے دلائل پیش کیے پس ممکن ہے کہ روح کو بدن کے ساتھ ادنیٰ تعلق حاصل ہو صحیح بات یہ ہے کہ روح ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہے یا سجین میں قید ہے اور ان کے اس شبہ کا تعلق سورج کی شعاعوں کا چوتھے آسمان سے زمین پر واقع ہونے سے ہے اور ہمارے نزدیک اس جواب میں ایک بحث ہے اور اس کے بارے میں احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ بے شک جس وقت (مردے سے) سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح بدن کی طرف لوٹ آتی ہے پس ان کا جواب جو کہ (روح کے لوٹنے) سے انکار ہے یہ قبول کرنے کے لائق نہیں ہے اور بتحقیق مشائخ کرام نے کئی ایک وجوہات سے (اس بات کا) جواب دیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ

---

[1] (شرح العقائد النسفیه ص ۱۴۱)

[2] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۱)

قبر میں سوال کے وقت زندگی (ملنا) بھی ایک ضعیف سی زندگی ہی ہے۔ پس اس (زندگی) کے زائل ہونے کو موت کا نام نہ دینا ہی جائز ہے۔[1]

جبکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

أخبر بها الصادق علي ما نطقت به النصوص، قال الله تعالي: (اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَة اَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ) [غافر:46]، وقال الله تعالي: (اُغْرِقُوا فَاُدْخِلُوا نَارًا) [نوح:25]، وقال النبيّ صلّي الله عليه وسلّم: ((استنزهوا عن البول فإنّ عامّة عذاب القبر منه))، وقال الله تعالي: (يُثَبِّتُ الله الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ) [إبراهيم:27] نزلت في عذاب القبر۔

ترجمہ: مخبر صادق نے اس کی خبر دی ہے جیسا کہ نصوص ناطق ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "آگ جس پر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی حکم ہو گا فرعون والوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے" اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "پیشاب سے بچو کیونکہ زیادہ تر قبر کا عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر" یہ آیت قبر کے عذاب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

قبر کے فتنہ سے امن میں رہنے کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

وعن أبی أمامة أن النبي ﷺ قال من رابط في سبيل الله أمنه الله من فتنة القبر۔ رواه الطبراني في الكبير والاوسط۔

ترجمہ: حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بتحقیق نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔[3]

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر۔

1 (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۲۲)

2 (شرح العقائد النسفیہ ص ۱۴۰)

3 (مجمع الزوائد للهیثمی ج ۱۲ ص ۹۲۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جو شخص بھی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے امن میں رکھتا ہے۔[1]

ایک گروہ منصوریہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ جنت و دوزخ ایک وہم و خیال اور تصور ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

معتزلہ کا ایک گروہ ترازو میں اعمال کے تولے جانے سے منکر ہے

(والوزن حقّ) لقوله تعالي: (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ) [الأعراف:8] و((الميزان)) عبارة عمّا يعرف به كيفيّة مقادير الأعمال، والعقل قاصر عن إدراك كيفيته، وأنكرته المعتزلة؛ لأنّ الأعمال أعراض، وإن أمكن إعادتها لم يمكن وزنها؛ ولأنها معلومة لله تعالي، فوزنها عبث. والجواب: أنه قد ورد في الحديث: ((أنّ كتب الأعمال هي التي توزن))، فلا إشكال، وعلي تقدير تسليم كون أفعال الله تعالي معلّلة بالأغراض، لعلّ في الوزن حكمة لا نطّلع عليها، وعدم اطّلاعنا علي الحكمة لا يوجب العبث.

ترجمہ: اور اعمال کا تولا جانا برحق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”اور اس دن تول ضرور ہونی ہے“ اور میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعمال کی مقدار جانی جائے گی اور عقل وزن کا طریقہ جاننے سے قاصر ہے اور معتزلہ نے وزنِ اعمال کا اس لئے انکار کیا کہ اعمال عرض ہیں جن کا دوبارہ موجود کیا جانا اگر ممکن بھی ہو تو ان کا وزن کیا جانا ممکن نہیں، اور اس لئے (ان کا انکار کیا) کہ اعمال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں لہذا ان کو وزن کرنا بے فائدہ ہے۔ اور (اس کا) جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے نامہ ہائے اعمال وزن کیے جائیں گے لہذا اب کوئی اشکال نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل بالاعراض ہونا تسلیم کر لینے کی صورت میں (جواب یہ ہے کہ) ہو سکتا ہے وزن کرنے میں کوئی ایسی حکمت جس سے ہم واقف نہ ہوں اور ہمارا حکمت سے واقف نہ ہونا اس کے عبث اور بے فائدہ ہونے کو واجب نہیں کرتا۔

عندنا انه لایجب علی اللہ سبحانه شئی و اذا قلنا ان المطیع یستحق الجنة و الکافر یستحق النار ان الاول اهل لفضله و الثانی اهل لعدله۔

ترجمہ: ہمارے (یعنی اہل سنت والجماعت کے) نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی لازم و ضروری نہیں (یعنی نہ تو نیکوکاروں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور نہ گناہگاروں کو جہنم میں ڈالنا اس پر لازم ہے) اور جب ہم کہتے ہیں کہ فرمانبردار (بندے) جنت

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۱۶۔ سنن الترمذی ج۳ ص ۳۸۶۔ مشکوۃ المصابیح باب الجمعة ج ۱ ص ۳۰۵)

کے اور کافر جہنم کے حقدار ہیں تو (اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ) پہلی قسم والے (یعنی تابعدار) اللہ تعالیٰ کے فضل کے اہل ہیں اور دوسرے (یعنی کفار) اللہ تعالیٰ کے عدل کے مستحق ہیں (لہذا اب اشکال نہ رہا)۔[1]

فان شاء عفی عنه ای عن صاحب الکبیرۃ امابمحض فضله و امابشفاعة و ان شاء عذبه مدة ثم یدخله الجنة۔

ترجمہ: پس اگر (اللہ تعالیٰ) چاہے تو گناہ کبیرہ کرنے والے کو (بھی) بخش دے لیکن یہ بخشش محض اس کے فضل سے ہو گی اور اگر شفاعت بھی ہو تو (اس صورت میں بھی) اگر وہ چاہے تو کچھ مدت کیلئے عذاب دے دے اور پھر (شفاعت کی وجہ سے) جنت میں داخل کر دے۔[2]

اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

ان مکث بعض العصاۃ فی النار ساعة و بعضهم یوم شهر و بعضهم سنة و اطول مکثهم مدة الدنیا سبعة آلاف سنة۔

ترجمہ: بعض گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں تھوڑے وقت کیلئے ڈالے گا اور بعض کو ایک دن یا مہینہ بھر کیلئے اور بعض کو سال کیلئے اور بعض کی مدتِ جہنم پوری دنیا کے دورانیے کے بھی سات ہزار گنا زیادہ ہو گی۔[3]

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا کافر نہیں ہوتا بلکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے ایسے شخص کی تمام نیکیاں بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ میں رہے گا اور حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بھی محروم رہے گا اسی طرح معتزلہ عذاب قبر اور وزنِ اعمال سے بھی منکر ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علاوہ ازیں ان کے نزدیک زندوں کا مردوں کیلئے دعا یا صدقات و خیرات کرنا کچھ نفع نہیں دیتا اور یہ گروہ ایصال ثواب سے بھی منکر ہے۔

فصل نمبر ۱۲

نقر بان اللہ تعالیٰ یحیی هذه النفوس بعد الموت یبعثهم یوما کان مقداره الف سنة للجزاء و الثواب و اداء الحقوق لقوله تعالیٰ وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبۡعَثُ مَن فِی الۡقُبُورِ ﴿الحج۷﴾ ولقاء اللہ لاهل الجنة بلاکیف ولاشبیه ولاجهة وشفاعة محمد ﷺ حق لکل من اهل الجنة و ان کان صاحب الکبیرۃ وعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها افضل النساء العلمین بعد خدیجة الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه وهی ام المؤمنین ومطهرۃ من القذف و اهل الجنة فی الجنة خالدون و اهل

[1] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰)
[2] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰)
[3] (شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۸۰)

النار فی النار خالدون لقوله تعالیٰ فی حق المؤمنین اولئک اصحب الجنة هم فیها خالدون و فی حق الکافرین اولئک اصحب النار هم فیها خالدون۔

ترجمہ: ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بروز آخرت مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس روز کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور یہ کام جزاء وثواب اور ادائے حقوق کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں'' اور اہل جنت کیلئے اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف اور بلا جہت وبلا مشابہت حق ہے اور اہل جنت کیلئے محمد ﷺ کی شفاعت حق ہے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اور وہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تمام مؤمنین کی ماں ہیں اور (زنا کی) تہمت سے پاک ہیں۔ اہل جنت ہمیشہ جنت میں اور اہل دوزخ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اللہ تعالیٰ کا مومنین کے حق میں فرمان ہے۔ ''وہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے'' اور اللہ تعالیٰ کا کفار کے بارے میں فرمان ہے کہ ''وہ جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے''۔

تشریح

روافض سے گروہ طیار نکلا ہے یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح، اللہ تعالیٰ کی ہی روح ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)[1]

قوله علیه الصلوة و السلام ان الله خلق آدم علی صورته اما من المتشابهات و اما ان یراد بالصورة الصفة فان الله تعالیٰ خلق آدم علیه الصلوة و السلام حیا عالما قادرا قدرة کاسبة۔

ترجمہ: ''حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا مگر یہ بات متشابہات میں سے ہے صورت سے مراد صفت ہے پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا فرمایا حیات کے ساتھ اور علم کسبی کے ساتھ عالم فرمایا اور قدرت کسبی کے ساتھ قادر فرمایا۔''[2]

اسی طرح روافض کا ایک دوسرا گروہ شریعیہ جو شریع سے منسوب ہے اس گروہ کے لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ آدمیوں کی صورت میں اترا ہے یعنی حضرت محمد ﷺ، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صورت میں۔[3]

---

[1] غنیۃ الطالبین ص ۱۶۸۔

[2] (ابو المنتھی ص ۱۵)

[3] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔

اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی موحد گناہِ کبیرہ کرے تو کافر نہیں ہوتا مگر ایسا کرنے سے وہ ایماندار بھی نہیں رہتا۔ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور ہمیشہ کے واسطے اسے آگ میں ڈالا جاتا ہے اور اس گناہِ کبیرہ کے سبب اس کی جتنی نیکیاں ہوتی ہیں وہ سب باطل ہو جاتی ہیں اور رسول مقبول ﷺ کی شفاعت بھی اس کے حق میں نہیں ہوتی یعنی وہ اس شفاعت سے محروم رہتا ہے اور اس گروہ کے اکثر لوگ قبر کے عذاب اور میزانِ عدل سے منکر ہیں۔[1]

عن عثمان بن عفان، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "یشفع یوم القیامة ثلاثة: الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء"۔

ترجمہ: "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پھر علماء پھر شہداء۔[2]

وجاء فی الحدیث بعد ذکر شفاعة المؤمنین واخراجهم عن النار کل من عرفوه فیقول الله عز وجل شفعت الملائکة وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق إلا أرحم الراحمین فیقبض قبضة من النار فیخرج منها قوما لم یعملوا خیرا قط۔

ترجمہ: احادیث میں آیا ہے کہ مؤمنین کیلئے شفاعت اور ان کے جہنم سے نکل آنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اور (دوسرے) مؤمنوں نے بھی شفاعت کرلی اب اللہ ارحم الراحمین کے علاوہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں بچا (یعنی اب میری باری ہے) پھر وہ (اللہ تعالیٰ) جہنم سے (ایک کثیر تعداد میں) لوگوں کو نکال دے گا اور جہنم سے ان لوگوں کو بھی آزاد کر دے گا جنہوں نے (دنیا میں) کبھی بھی کوئی اچھا کام نہیں کیا ہو گا (سوائے کلمہ طیبہ کے)۔[3]

خلافا للمعتزلة فانهم قالوا لا شفاعة لتخلیص المجرم بل الشفاعة لزیادة ثواب المحسن فقط۔

ترجمہ: معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے پس بتحقیق یہ لوگ کہتے ہیں کہ مجرم کی خلاصی کیلئے شفاعت نہیں ہے بلکہ شفاعت تو نیکی کرنے والے کے ثواب میں زیادتی کے لئے ہوتی ہے۔

[1] غنیۃ الطالبین ص ۱۷۶۔

[2] (سنن ابن ماجه ج۴ ص ۲۲۴، شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۷۱)

[3] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰)

ان النبی ﷺ یسجدیوم القیامة ویشفع لاهل النارفیستجاب شفاعته ویؤمرباخراجهم من النارفیخرجهم حتی لایبقیٰ فیهاالاحکم القرآن علیه بالخلودوتفصیله فی البخاری والمسلم۔

ترجمہ: بتحقیق نبی کریم ﷺ قیامت کے دن سجدہ فرمائیں گے اور اہل دوزخ کے لئے شفاعت فرمائیں گے پس آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی اور ان کو دوزخ سے باہر نکالنے کا حکم دیا جائے گا پس سب نکل آئیں گے حتی کہ کوئی بھی باقی نہ رہے گا مگر وہ کہ جس کے بارے میں قرآن کا دوزخ میں داخل ہونے کا حکم ہو اور اس کی تفصیل بخاری و مسلم شریف میں موجود ہے۔[1]

عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه: یصفُ أهلَ النارِ فیمرُّ بهم الرجلُ من أهلِ الجنةِ فیقولُ الرجلُ منهم یا فلانُ أما تعرفُني؟ أنا الذي سقَیتُک شربةً وقال بعضُهم أنا الذي وهبتُ لک وضوءًا فیشفعُ له فیُدخِلُه الجنةَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اہل دوزخ کی صفوف ہوں گی پس اہل جنت میں سے ایک شخص ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان (اہل دوزخ) میں سے ایک شخص اس سے کہے گا کہ اے فلاں آپ نے مجھے پہچانا میں وہ شخص ہوں جس نے شربت پلا کر آپ کی پیاس بجھائی تھی اور ان (گناہ گاروں) میں سے بعض کہیں گے میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو وضو کیلئے پانی ہبہ کیا تھا پس اس کیلئے وہ شفاعت کرے گا تو یہ شخص جنت میں داخل ہو جائے گا۔[2]

والاحادیث فی هذاالمعنی ای مغفرة غیرالشرک ولوکبیرة غیرتائب کثیرة کقوله تعالیٰ لاتقنطوامن رحمة اللہ ان اللہ یغفرالذبوب جمیعاشاملة للصغائروالکبائرمع توبة وبدونهاوقوله ان ربک لذومغفرة للناس علی ظلمهم وعن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: قالَ اللہُ تعالی: منْ علمَ أنِّي ذُو قدرةٍ علی مغفرةِ الذنوبِ غفرتُ لهُ ولا أبالِي، ما لمْ یشرکْ بِي شیئًا۔

ترجمہ: اور اس معنی میں یعنی شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کی مغفرت ہو جانے میں، چاہے وہ گناہِ کبیرہ ہی ہوں، جن سے توبہ بھی نہ کی ہو، تو (اس بارے میں) احادیث بہت زیادہ وارد ہیں جس طرح طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یہ (بخشش) گناہِ صغیرہ اور کبیرہ چاہے توبہ کے ساتھ

---

[1] (شرح العقائدالمسمی بالنبراس ص۳۷۷۔رواه البخاری ومسلم)

[2] (محمدالمناوي (ت۸۰۳)، تخریج أحادیث المصابیح ٥/٥٢• أخرجه ابن ماجه (٣٦٨٥) بنحوه، وأبو یعلی (٤٠٠٦)، والطبراني في «المعجم الأوسط» (٦٥١١) ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، تخریج مشکاة المصابیح ٥/١٩٦• شعیب الأرنؤوط (ت١٤٣٨)، تخریج شرح السنة ٤٣٥٣•)

ہوں یا بغیر توبہ کے سب کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک تیرا رب البتہ بخشش والا ہے لوگوں کی بے جا حرکتوں پر بھی۔ اور روایت کیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے کہ جس شخص کو یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ صاحب قدرت ہے گناہوں پر مغفرت کرنے والا ہے اور بخشش فرمادے گا تو کوئی پرواہ نہیں جبکہ شرک نہ کیا ہو۔[1]

ایک اور گروہ روافض کا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برے الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد دنیا کی تمام عورتوں سے افضل نہیں مانتا حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پاکدامن خاتون ہیں جن کی مدح و توصیف خود قرآن نے سورہ نور میں فرمائی ہے تو جس شخصیت کی تعریف خالق دو جہان بیان فرماتا ہو اس خوش نصیب کے بارے میں نازیبا الفاظ بیان کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔

تقسیم فرقہ و اسماء فرقہ و مذاہبہا فقد ظہر لنا من اصول الفرقۃ۔

ترجمہ: فرقوں کی تقسیم اور فرقوں کے نام اور ان کے مذاہب بتحقیق ہمارے لئے ان فرقوں کے بنیادی عقائد ظاہر ہو چکے ہیں۔

(۱) الحرورية (۲) والقدرية (۳) والجهمية

(۴) والمرجئة (۵) والرافضية (۶) والجبرية

وقد انقسمت كل فرقة منها اثنتى عشرة فرقة فصارت اثنتين وسبعين فرقة انقسمت الحرورية اثنتى عشرة فرقه فأولهم۔

ترجمہ: اور بتحقیق ان فرقوں میں سے ہر ایک کو بارہ (۱۲) فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے تو اس طرح بہتر (۷۲) فرقے بن جاتے ہیں حروریہ کو بارہ (۱۲) فرقوں پر تقسیم کیا گیا جن میں سے پہلا یہ ہے۔

۱۔ الازرقیہ: قالوا لانعلم احدا مؤمنا وکفروا اهل القبلة الا من دان بقولهم۔

ترجمہ: ازرقیہ کہتے ہیں کہ ہم (کسی دوسرے فرقے کے لوگوں میں سے) کسی کو بھی مؤمن نہیں سمجھتے اور (سارے) اہل قبلہ نے کفر (اختیار) کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جو ان (ازرقیہ) کے اقوال (اور عقائد) کے نزدیک ہوں (یعنی جو لوگ، ازرقیہ فرقے کے عقائد کے نزدیک ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور اس کے علاوہ سب کافر ہیں۔) (نعوذ باللہ من ذلک۔)

[1] (السیوطي (ت ۹۱۱)، الجامع الصغیر ۶۰۳۶ صحیح۔ شرح العقائد المسمی بالنبراس ص ۳۶۴)

۲۔الاباضیة:قالوا:من أخذبقولنافھو مؤمن ومن اعرض عنہ فھو منافق۔

ترجمہ: اباضیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ہمارے قول کو اختیار کیا وہ مؤمن ہے اور جس نے اس (ہمارے قول) سے منہ موڑا تو وہ منافق ہے۔

۳۔الثعلبیة:قالوا ان اللہ عزو جل لم یقض ولم یقدر۔

ترجمہ: ثعلبیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نہ تو قضاء لکھی اور نہ ہی قدر (یعنی تقدیر)۔

۴۔الخازمیة:قالوا لاندری ماالایمان والخلق کلھم معذورون۔

ترجمہ: خازمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ ایمان کیا ہے اور ساری مخلوق اس سے معذور ہے۔

۴۔الخلفیة:زعموا ان من ترک الجھاد من ذکر او انثی کفر۔

ترجمہ: خلفیہ فرقے کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ مردوں یا عورتوں میں سے جس نے جہاد کو ترک کیا (تو اس جہاد کا ترک کرنا) کفر ہے۔

۶۔الکوزیة:قالوا:لیس لاحدان یمس احدالانہ لایعرف الطاھر من النجس ولاان یوا کلہ حتی یتوب ویغتسل۔

ترجمہ: کوزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو مس کرے اس لئے کہ وہ طہارت ونجاست میں امتیاز کرنا نہیں جانتا اور (یہ بھی جائز نہیں کہ) وہ اس وقت تک (کچھ) کھائے جب تک توبہ اور غسل نہ کرلے۔

۷۔الکنزیة:قالوا:لایسع احدا ان یعطی مالہ احدالانہ ربمالم یکن مستحقابل یکنزہ فی الارض حتی یظھر اھل الحق۔

ترجمہ: کنزیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا مال دینے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اکثر اوقات (لینے والا) لینے کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ (دینے والا اپنے مال کو) زمین میں (دفن کرکے) ذخیرہ کرلے حتیٰ کہ اس کو کوئی حقدار مل (تو پھر زمین سے نکال کر اس کے حقدار کو دے دے)۔

۸۔الشراخیة:قالوا:لاباس بمس النساءالاجانب لانھن ریاحین۔

ترجمہ: شراخیہ کہتے ہیں کہ عورت کو کسی ایک جانب سے مس کرنے میں کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ (عورت) ایک خوشبو کی مانند ہے۔

۹۔الاخنسیة:قالوا:لایلحق المیت بعدموتہ خیر ولاشر۔

ترجمہ: اخنسیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ مردے کو مرنے کے بعد خیر وشر لاحق نہیں ہوتا۔

۱۰۔الحکمیة:قالوا:من حاکم الی مخلوق فھو کافر۔

ترجمہ:حکمیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص مخلوق پر حاکم ہو وہ کافر ہے۔

۱۱۔المعتزلة:قالوا:اشتبه علینا امر علی و معاویة فنحن نتبرا من الفریقین۔

ترجمہ: معتزلہ کہتے ہیں کہ (حضرت) علی اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معاملہ میں ہمیں اشتباہ ہے اس لئے ہم ان دونوں گروہوں سے بیزار (لاتعلق) ہیں۔

۱۲۔المیمونیة:قالوا:لاامام الابرضا اھل محبتنا۔

ترجمہ: میمونیہ فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ محبت کرنے والے لوگوں کی رضامندی کے بغیر کوئی امام نہیں (بن سکتا)۔

انقسمت القدریة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ:قدریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔الاحمریة:وھی التی زعمت ان فی شرط العدل من اللہ ان یملک عبادہ امورھم ویحول بینھم وبین معاصیھم۔

ترجمہ: احمریہ وہ فرقہ ہے جس کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کیلئے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے امور کا اختیار و ملکیت انہی بندوں کے پاس ہو تا کہ وہ اختیار ان بندوں اور ان کے گناہوں کے درمیان آڑ بن جائے۔

۲۔الثنویة:وھی التی زعمت ان الخیر من اللہ والشر من الشیطان۔

ترجمہ: یہ وہ فرقہ ہے جو گمان کرتا ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر شیطان کی طرف سے۔

۳۔المعتزلة:وھم الذین قالوا بخلق القرآن وجحدوا صفات الربوبیة۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی انکار کیا ہے۔

۴۔الکیسانیة:وھم الذین قالوا لا ندری ھذہ الافعال من اللہ او من العباد ولا نعلم یثاب الناس بعد او یعاقبون۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یا بندوں کی طرف سے اور ہم نہیں جانتے کہ لوگوں کو بعد میں ثواب دیا جائے گا یا عذاب۔

۵۔الشیطانیة:قالوا ان اللہ تعالیٰ لم یخلق الشیطان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا نہیں کیا۔

۶۔الشریکیة:قالوا ان السیئات کلھا مقدرة الا الکفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ کفر کے بغیر باقی سب گناہ اور برائیاں تقدیر میں لکھ دی گئی ہیں۔

۷۔الوھمیة:قالوا لیس لافعال الخلق و کلامھم ذات و لا للحسنة و السیئة ذات۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال اور کلام کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی نیکی اور شر کا کوئی وجود ہے۔

۸۔الزبریة:قالوا کل کتاب نزل من عنداللہ فالعمل بہ حق ناسخا کان او منسوخا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے پس ان کتابوں پر عمل کرنا حق ہے چاہے یہ (کتابیں) ناسخ ہوں یا منسوخ۔

۹۔المسعدیة:زعموا ان من عصی ثم تاب لم تقبل توبتہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں۔

۱۰۔الناکثیة:زعموا ان من نکث بیعة رسول اللہ ﷺ فلا اثم علیہ۔

ترجمہ: یہ فرقہ خیال کرتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی بیعت توڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

۱۱۔القاسطیة:تبعوا ابراھیم بن النظام فی قولہ من زعم ان اللہ شئی فھو کافر۔

ترجمہ: قاسطیہ نے اس قول میں ابراہیم بن نظام کی پیروی کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز ہونے کا گمان کرے وہ کافر ہے۔

۱۲۔المتبریة:قالوا لا تقبل اللہ توبة العاصی۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔[1]

انقسمت الجھمیة اثنتی عشرة فرقہ۔

ترجمہ: جہمیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔المعطلة:زعموا ان کل ما یقع علیہ وھم الانسان فھو مخلوق و ان من ادعی ان اللہ یری فھو کافر۔

ترجمہ: معطلہ کا خیال ہے کہ انسان پر جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ مخلوق ہے اور ان کا یہ بھی گمان ہے کہ جس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ دیکھا جائے گا (یعنی نظر آئے گا) تو (اس طرح کہنے والا) کافر ہو جائے گا۔

۲۔المریسیة:قالوا اکثر صفات اللہ تعالیٰ مخلوقة۔

---

[1] (المعتمد فی المعتقد معروف بہ رسالہ توریشتی مطبع مظہر العجائب مدراس 1286ھ ترکی چھاپ ص 220)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔

۳۔الملتزقة: جعلوا الباری سبحانه فی کل مکان۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ میں ثابت کرتے ہیں۔

۴۔الواردیة: قالوا لایدخل النار من عرف ربه ومن دخلها لم یخرج منها ابدا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو پہچان لے وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو سکتا اور جو شخص دوزخ میں داخل ہو گیا تو وہ اس سے ساری عمر نہیں نکلے گا۔

۵۔الزنادقة: قالوا لیس لاحد ان نثبت لنفسه ربالان الاثبات لایکون الابعد ادراک الحواس ومالایدرک لایثبت۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جائز نہیں کہ ہم اپنے لئے رب کو ثابت کریں کیونکہ کسی چیز کو ثابت کرنا جو اس کے ادراک کے بعد ہی ممکن ہے (پہلے ممکن نہیں) اور جس چیز کا ادراک نہ ہو وہ ثابت نہیں کی جا سکتی (مقصد یہ کہ چونکہ انسان اپنے ظاہری حواس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لئے جائز نہیں کہ وہ ادراک کے بغیر رب کو ثابت کرتا پھرے) (نعوذ باللہ من ذلک۔)

۶۔الحرقیة: زعموا ان الکافر تحرقه النار مرة واحدة ثم یبقی محترقا ابدا لایجد حر النار۔

ترجمہ: ان کا گمان (عقیدہ یہ) ہے کہ کافر صرف ایک ہی دفعہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور پھر وہ ہمیشہ جلی ہوئی حالت میں رہے گا (لیکن) آگ کی حرارت کو محسوس نہیں کرے گا۔

۷۔المخلوقیة: زعموا ان القرآن مخلوق۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

۸۔الفانیة: زعموا ان الجنة والنار یفنیان ومنهم من قال لم یخلقا۔

ترجمہ: ان کا خیال ہے کہ جنت و دوزخ (بھی ہمیشہ کیلئے) فنا ہو جائیں گی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ یہ (جنت و دوزخ) پیدا ہی نہیں کی گئیں (یا یہ کہ دونوں مخلوق نہیں بلکہ ازلی ہیں) (نعوذ باللہ من ذلک)

۹۔العبدیة: جحدوا الرسل وقالوا انما هم حکماء۔

ترجمہ: انہوں نے رسل سے انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہ (رسول نہیں بلکہ) حکماء تھے۔

۱۰۔الواقفیة: قالوا لانقول ان القرآن مخلوق ولا غیر مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہم نہ (تو) قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق (یعنی ازلی) ہونے کا۔

۱۱۔القبریة:ینکرون عذاب القبر و الشفاعة۔

ترجمہ: یہ قبر کے عذاب اور شفاعت سے انکار کرتے ہیں۔

۱۲۔اللفظیة:قالو الفظنا بالقر آن مخلوق۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ہمارا قرآن کریم کو تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

انقسمت المر جیة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: مرجیہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔التار کیة:قالو الیس للہ تعالیٰ علی خلقه فریضة سوی الایمان به فمن اٰمن به فلیفعل ماشاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور کچھ فرض نہیں ہے پس جو شخص (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لے آئے تو وہ جو چاہے، کرے۔

۲۔السائبیة:قالو اان اللہ تعالیٰ سیب خلقه لیفعلو اماشاؤا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو کھلا چھوڑ دے گا تاکہ جو اس کے دل میں آئے سو کرے۔

۳۔الراجیة:قالو الایسمی الطائع طائعا و لا العاصی عاصیا لانا لا ندری ماله عند اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ تابع کو تابع اور گناہ گار کو گناہ گار کا نام نہیں دینا چاہیئے اس لئے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسے ہیں۔

۴۔السالبیة:قالو االطاعة لیست من الایمان۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اطاعت ایمان کا حصہ نہیں ہے۔

۵۔البهیشیة:قالو االایمان علم و من لا یعلم الحق من الباطل و الحلال من الحرام فهو کافر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک علم (کا نام) ہے اور جو شخص حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے جدا نہ سمجھے تو وہ کافر ہے۔

۶۔العملیة:قالو االایمان عمل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

۷۔المنقوصیة:قالو االایمان لا یزید و لا ینقص۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ تو زیادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کم۔

۸۔المستثنیة: قالو االاستثناء من الایمان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ استثناء ایمان میں سے ہے۔

۹۔المشبھة: قالو ابصر کبصر وید کید۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اس طرح ہے جس طرح ہمارا دیکھنا اور اس کا ید اس طرح ہے جس طرح کہ ہمارا ہاتھ ہے۔

۱۰۔الحشویة: قالو احکم الاحادیث کلھا واحد فعندھم ان تارک لنفل کتارک الفرض۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ ساری احادیث کا حکم ایک ہی حدیث کی طرح ہے پس ان لوگوں کے نزدیک نفل کو ترک کرنے والا اس طرح (گناہ گار) ہے جس طرح فرض کو ترک کرنے والا۔

۱۱۔الظاھریة: الذین نفو االقیاس۔

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

۱۲۔البدعیة: اول من ابتدع ھذہ الاحادیث فی ھذہ الامة۔

ترجمہ: یہ وہ گروہ ہے جس نے سب سے پہلے اس امت میں بدعات کو پیدا کیا۔

انقسمت الرافضیة اثنتی عشرة فرقه۔

ترجمہ: روافض کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔العلویة: قالو اان الرسالة کانت الی علی وان جبریل أخطاء۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ رسالت (حضرت) علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھیجی گئی تھی لیکن (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے خطا (غلطی) کر ڈالی (اور رسالت، حضرت رسول اکرم ﷺ کو دے ڈالی) **(نعوذ باللہ من ذلک)**

۲۔الامریة: قالو اان علیا شریک محمد ﷺ فی امرہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ امر رسالت میں شریک تھے۔

۳۔الشیعة: قالو اان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصیّ رسول اللہ ﷺ وولیہ من بعدہ وان الامة کفرت بمبایعة غیرہ۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں اوران کے بعد ان کے ولی ہیں اوریہ امت ان (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے علاوہ دوسرے(صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ بیعت کرکے کافر ہوگئی۔ (نعوذباللہ من ذلک)

۴۔الاسحاقیة:قالواان النبوۃ متصلة الی یوم القیامة وکل من یعلم علم اهل البیت فهو نبی۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ نبوت،قیامت تک (جاری) رہے گی اوراہل بیت میں سے جو(شخص زیادہ)عالم ہوگا، وہ نبی ہوگا۔ (نعوذباللہ من ذلک)

۵۔الناووسیة:قالواعلی افضل الامة فمن فضل غیرہ فقد کفر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساری امت میں سے افضل ہیں پس جس نے(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بغیر کسی اور کو افضل جانا توبتحقیق وہ کافر ہے۔

۶۔الامامیة:قالوالایمکن ان تکون الدنیابغیر الامام من ولدالحسین وان یعلمه جبرائیل علیه الصلوۃ والسلام فاذامات بدل غیرہ مکانه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے کسی (شخص) کے بغیر دنیاکاوجود(باقی) رہنا ممکن نہیں ہے اور ایسے شخص کو حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علم سکھاتے ہیں توجب ایسا شخص فوت ہوجاتاہے توکوئی دوسرا اس کی جگہ مقرر ہوتاہے۔

۷۔الزیدیة:قالواولدالحسین کلهم أئمة فی الصلوات فمتی وجدمنهم احدلم تجزالصلاۃ خلف غیرهم برّهم وفاجرهم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد نماز میں سب ائمہ کے امام ہیں پس جس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادمیں سے کوئی موجود ہوتوکسی دوسرے کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اگرچہ وہ نیکوکار ہویابدکار۔

۸۔العباسیة:زعمواأن العباس کان أولی بالخلافة من غیرہ۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخلوق سے خلافت کے معاملے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ اہل تھے۔

۹۔التناسخیة:قالواالارواح تتناسخ فمن کان محسناخرجت روحه فدخلت فی خلق یسعدبعیشه۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ارواح تناسخ کرتی ہیں پس جو شخص نیکوکار ہو جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی روح مخلوق میں سے کسی شخص میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر اس کی زندگی صحیح گزرتی ہے۔

۱۰۔الرجعية: زعموا ان عليا وأصحابه يرجعون الى الدنيا وينتقمون من اعدائهم۔

ترجمہ: یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم (مرنے کے بعد) اس دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

۱۱۔اللاعنة: يلعنون عثمان وطلحة والزبير والمعاوية وأباموسىٰ وعائشة وغيرهم۔

ترجمہ: یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ **(نعوذ باللہ من شرورھم)**

۱۲۔المتربصة: تشبهوا بزیّ النساک ونصبوا فی کل عصر رجلاً ینسبون الیه الامر یزعمون أنه مهدی هذه الامة فاذا مات نصبوا الاخر۔

ترجمہ: یہ (اپنے آپ کو دودھ پیتے) بچے کی طرح خیال کرتے ہیں اور ہر زمانے میں ایک شخص کو (ایسے) متعین کرتے ہیں کہ تمام امور کو اس کے ساتھ منسوب کرتے ہیں (یعنی اسے ہر معاملہ میں اپنا حاکم تصور کرتے ہیں) اور اس شخص کو اس امت کے مہدی ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور جب وہ مر جاتا ہے تو اس کی جگہ پر کسی دوسرے شخص کو مقرر کر لیتے ہیں۔

انقسمت الجبرية اثنتى عشرة فرقه۔

ترجمہ: جبریہ کو بھی بارہ فرقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔المضطرية: قالوا لا فعل للآدمی بل الله يفعل الكل۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کا کوئی فعل نہیں بلکہ فاعل کل اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔الافعالية: قالوا لنا أفعال ولكن لا أستطاعة لنا فيها وانما نحن كالبهائم نقاد بالجبل۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ افعال تو ہمارے ہی ہیں لیکن ان افعال (کے ادا کرنے میں) ہمیں طاقت واستطاعت حاصل نہیں ہے اور (ہماری حیثیت ایسی ہے گویا) ہم حیوانات ہیں جن کے گلے میں نکیل ہے (مطلب یہ کہ جس طرح حیوانات نکیل کے ساتھ بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنی مرضی کے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتے ایسے ہی انسان بھی بے اختیار ہے)۔

۳۔المفروغية: قالوا كل الاشياء قد خلقت والآن لا يخلق شئى۔

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ تمام اشیاء (پہلے سے) پیدا کر دی گئی ہیں۔ اب پیدا نہیں ہوتیں۔

۴۔النجاریة: زعمت ان اللہ تعالیٰ یعذب الناس علی فعله لا علی فعلهم۔

ترجمہ: ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اپنے فعل پر عذاب دیتا ہے نہ کہ دوسرے لوگوں کے فعل کی وجہ سے۔

۵۔المنانیة: قالوا علیک بما یخطر بقلبک فافعل ما توسمت منه الخیر۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ آپ پر وہ کام لازم ہے جس کا آپ کے دل میں خدشہ ہو (لیکن) آپ کو ایسے کام کرنے چاہیئں جن سے آپ کو خیر پہنچ سکے۔

۶۔الکسبیة: قالوا لا یکتسب العبد ثوابا و لا عقابا۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندہ نہ تو ثواب کا کسب کر سکتا ہے اور نہ ہی عذاب کا۔

۷۔السابقیة: قالوا من شاء فلیعمل و من شاء فلا یعمل فان السعید لا تضره ذنوبه و الشقی لا ینفعه بره۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جو چاہے، وہ عمل کرلے اور جو (نہ) چاہے وہ نہ کرے کیونکہ (جو) نیک بخت ہوگا اسے اس کا گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور جو بد بخت ہوگا اسے اس کی نیکی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

۸۔الحبیة: قالوا من شرب کاس محبة اللہ تعالیٰ سقطت عنه عبادة الارکان۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیالہ پی لیا تو اس سے عبادت کے ارکان ساقط ہو جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

۹۔الخوفیة: قالوا من احب اللہ تعالیٰ لم یسعه ان یخافه لان الحبیب لا یخاف حبیبه۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرلی، اسے کسی قسم کا خوف نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ دوست اپنے دوست سے خوف نہیں رکھتا۔

۱۰۔الفکریة: قالوا من ازداد علما اسقط عنه یقدر ذلک من العباد۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ بندوں میں سے جس کا علم زیادہ ہو اس سے قدرت ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۱۔الخشبیة: قالوا الدنیا بین العباد سواء لا تفاضل بینهم فیما ورثهم ابوهم آدم۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں ک دنیا، بندوں کے درمیان برابر برابر (تقسیم) ہوئی ہے (یعنی) ان (بندوں) کے جد اعلیٰ حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ وراثت ان کیلئے چھوڑ دی ہے اس میں سے کسی ایک کو دوسرے سے فالتو چیز نہیں مل سکتی (بلکہ سب کو برابر برابر حصہ ملتا ہے)۔

۱۲۔المنیة: قالوا امنا الفعل ولنا الاستطاعة۔

ترجمہ: یہ کہتے ہیں کہ فعل (بھی) ہم سے ادا ہوتا ہے اور استطاعت بھی ہمیں (ہی) دی گئی ہے۔[1]

قال أبو الفرج الجوزي: فإن قيل هذه الفرق معروفة، فالجواب أنا نعرف الافتراق وأصول الفرق وأن كل طائفة من الفرق انقسمت إلى فرق، وإن لم نحط بأسماء تلك الفرق ومذاهبها، فقد ظهر لنا من أصول الفرق الحرورية والقدرية والجهمية والمرجئة والرافضة والجبرية۔

وقال بعض أهل العلم: أصل الفرق الضالة هذه الفرق الست، وقد انقسمت كل فرقة منها اثنتي عشرة فرقة، فصارت اثنتين وسبعين فرقة۔

انقسمت الحرورية اثنتي عشرة فرقة، فأولهم الازرقية- قالوا: لا نعلم أحدا مؤمنا، وكفروا أهل القبلة إلا من دان بقولهم۔

والاباضية- قالوا: من أخذ بقولنا فهو مؤمن، ومن أعرض عنه فهو منافق۔

والثعلبية- قالوا: إن الله عزوجل لم يقض ولم يقدر۔

والخازمية- قالوا: لا ندري ما الايمان، والخلق كلهم معذورون۔

والخلفية- زعموا أن من ترك الجهاد من ذكر أو أنثى كفر۔

والكوزية- قالوا: ليس لاحد أن يمس أحدا، لانه لا يعرف الطاهر من النجس ولا أن يؤاكله حتى يتوب ويغتسل۔

والكنزية- قالوا: لا يسع أحدا أن يعطي ماله أحدا، لانه ربما لم يكن مستحقا بل يكنزه في الارض حتى يظهر أهل الحق۔

والشمراخية- قالوا: لا بأس بمس النساء الاجانب لانهن رياحين۔

والاخنسية- قالوا: لا يلحق الميت بعد موته خير ولا شر۔

والحكمية- قالوا: من حاكم

إلى مخلوق فهو كافر۔

والمعتزلة- قالوا: اشتبه علينا أمر علي ومعاوية فنحن نتبرأ من الفريقين۔

والميمونية- قالوا: لا إمام إلا برضا أهل محبتنا۔

وانقسمت القدرية اثنتي عشرة فرقة: الاحمرية- وهي التي زعمت أن في شرط العدل من الله أن يملك عباده أمورهم، ويحول بينهم وبين معاصيهم۔

والثنوية- وهي التي زعمت أن الخير من الله والشر من الشيطان۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن تفسیر القرطبی ج4 ص158 تا160۔

والمعتزلة- وهم الذين قالوا بخلق القرآن وجحدوا [صفات] الربوبية۔

والكيسانية وهم الذين قالوا: لا ندري هذه الافعال من الله أو من العباد، ولا نعلم أثياب؟ الناس بعد أو يعاقبون۔

والشيطانية- قالوا: إن الله تعالى لم يخلق الشيطان۔

والشريكية- قالوا: إن السيئات كلها مقدرة إلا الكفر۔

والوهمية- قالوا: ليس لافعال الخلق وكلامهم ذات، ولا للحسنة والسيئة ذات۔

والزبرية- قالوا: كل كتاب نزل من عند الله فالعمل به حق، ناسخا كان أو منسوخا۔

والمسعدية- زعموا

أن من عصى ثم تاب لم تقبل توبته والناكثية- زعموا أن من نكث بيعة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا إثم عليه

والقاسطية- تبعوا إبراهيم بن النظام في قوله: من زعم

أن الله شئ فهو كافر۔

وانقسمت الجهمية اثنتي عشرة فرقة: المعطلة- زعموا أن كل ما يقع عليه وهم الانسان فهو مخلوق۔

وإن من أدعى أن الله يرى فهو كافر۔

والمريسية قالوا: أكثر صفات الله تعالى مخلوقة۔

والملتزقة- جعلوا الباري سبحانه في كل مكان۔

والواردية- قالوا لا يدخل النار من عرف ربه، ومن دخلها لم يخرج منها أبدا والزنادقة- قالوا: ليس لاحد أن يثبت لنفسه ربا، لان الاثبات لا يكون إلا بعد إدراك الحواس، وما لا يدرك لا يثبت۔

والحرقية- زعموا أن الكافر تحرقه النار مرة واحدة ثم يبقى محترقا أبدا لا يجد حر النار۔

والمخلوقية- زعموا أن القرآن مخلوق۔

والفانية- زعموا أن الجنة والنار يفنيان، ومنهم من قال لم يخلقا۔

والعبدية- جحدوا الرسل وقالوا إنما هم حكماء۔

والواقفية- قالوا: لا نقول إن القرآن مخلوق ولا غير مخلوق۔

والقبرية- ينكرون عذاب القبر والشفاعة۔

واللفظية- قالوا لفظنا بالقرآن مخلوق۔

وانقسمت المرجئة اثنتي عشرة فرقة: التاركية- قالوا ليس لله عز وجل على خلقه فريضة سوى الايمان به، فمن آمن به فليفعل ما شاء۔

والسائبية- قالوا: إن الله تعالى سيب خلقه ليفعلوا ما شاءوا۔

والراجية- قالوا: لا يسمى الطائع طائعا ولا العاصي عاصيا، لانا لا ندري ما له عند الله تعالى۔

والسالبية- قالوا: الطاعة ليست من الايمان۔

والبهيشية- قالوا: الايمان علم ومن لا يعلم الحق من الباطل والحلال من الحرام فهو كافر۔

والعملية- قالوا: الايمان عمل۔

والمنقوصية- قالوا: الايمان لا يزيد ولا ينقص۔

والمستثنية- قالوا: الاستثناء من الايمان۔

والمشبهة- قالوا: بصر كبصر ويد كيد۔

والحشوية- قالوا: حكم الاحاديث كلها واحد، فعندهم أن تارك النفل كتارك الفرض۔

والظاهرية- الذين نفوا القياس۔

والبدعية- أول من ابتدع هذه الاحداث في هذه الامة۔

وانقسمت الرافضة اثنتي عشرة فرقة: العلوية- قالوا: إن الرسالة كانت إلى علي وأن جبريل أخطأ۔

والامرية- قالوا: إن عليا شريك محمد في أمره۔

والشيعة- قالوا: إن عليا رضي الله عنه وصي رسول الله صلى الله عليه وسلم ووليه من بعده، وإن الامة كفرت بمبايعة غيره۔

والاسحاقية- قالوا: إن النبوة متصلة إلى يوم القيامة، وكل من يعلم علم أهل البيت فهو نبي۔

والناووسية- قالوا: علي أفضل الامة، فمن فضل غيره عليه فقد كفر۔

والامامية- قالوا: لا يمكن أن تكون الدنيا بغير إمام من ولد الحسين، وإن الامام يعلمه جبريل عليه السلام، فإذا مات بدل غيره مكانه۔

والزيدية- قالوا: ولد الحسين كلهم أئمة في الصلوات، فمتى وجد منهم أحد لم تجز الصلاة خلف غيرهم، برهم وفاجرهم۔

والعباسية- زعموا أن العباس كان أولى بالخلافة من غيره۔

والتناسخية- قالوا: الارواح تتناسخ، فمن كان محسنا خرجت روحه فدخلت في خلق يسعد بعيشه۔

والرجعية- زعموا أن عليا وأصحابه يرجعون إلى الدنيا، وينتقمون من أعدائهم۔

واللاعنة - يلعنون عثمان وطلحة والزبير ومعاوية وأبا موسى وعائشة وغيرهم والمتربصة - تشبهوا بزي النساك ونصبوا في كل عصر رجلا ينسبون إليه الامر، يزعمون أنه مهدي هذه الامة، فإذا مات نصبوا آخر۔

ثم انقسمت الجبرية اثنتي عشرة فرقة: فمنهم المضطرية- قالوا: لا فعل للآدمي، بل الله يفعل الكل۔

والافعالية-قالوا: لنا أفعال ولكن لا استطاعة لنا فيها، وإنما نحن كالبهائم نقاد بالحبل۔

والمفروغية-قالوا: كل الاشياء قد خلقت، والآن لا يخلق شئ۔

والنجارية-زعمت أن الله تعالى يعذب الناس على فعله لا على فعلهم۔

والمنانية-قالوا:

عليک بما يخطر بقلبک، فافعل ما توسمت منه الخير۔

والكسبية-قالوا: لا يكتسب العبد ثوابا ولا عقابا۔

والسابقية-قالوا: من شاء فليعمل ومن شاء [ف]-لا يعمل، فإن السعيد لا تضره ذنوبه والشقي لا ينفعه بره۔

والحبية-قالوا: من شرب كأس محبة الله تعالى سقطت عنه عبادة الاركان۔

والخوفية-قالوا: من أحب الله تعالى لم يسعه أن يخافه، لان الحبيب لا يخاف حبيبه۔

والفكرية-قالوا: من أزداد علما أسقط عنه بقدر ذلک من العبادة۔

والخشبية-قالوا: الدنيا بين العباد سواء، لا تفاضل بينهم فيما ورثهم أبوهم آدم۔

والمنيه-قالوا: منا الفعل ولنا الاستطاعة۔[1]

ولایت حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

وكثير من الصوفية قدس الله تعالى أسرارهم يشير إلى القول بخلافته كرم الله تعالى وجهه بعد الرسول عليه الصلاة والسلام بلا فصل أيضا إلا أن تلک الخلافة عندهم هي الخلافة الباطنة التي هي خلافة الإرشاد والتربية والإمداد والتصرف الروحاني لا الخلافة الصورية التي هي عبارة عن إقامة الحدود الظاهرة وتجهيز الجيوش والذب عن بيضة الإسلام ومحاربة أعدائه بالسيف والسنان، فإن تلک عندهم على الترتيب الذي وقع كما هو مذهب أهل السنة، والفرق عندهم بين الخلافتين كالفرق بين القشر واللب، فالخلافة الباطنة لب الخلافة الظاهرة، وبها يذب عن حقيقة الإسلام، وبالظاهرة يذب عن صورته، وهي مرتبة القطب في كل عصر، وقد تجتمع مع الخلافة الظاهرة كما اجتمعت في علي كرم الله تعالى وجهه أيام إمارته، وكما تجتمع في المهدي أيام ظهوره، وهي والنبوة رضيعا ثدي، وإلى ذلک الإشارة بما يروونه عنه عليه الصلاة والسلام من قوله: «خلقت أنا وعلي من نور واحد»

وكانت هذه الخلافة فيه كرم الله تعالى وجهه على الوجه الأتم۔

ومن هنا كانت سلاسل أهل الله عز وجل منتهية إليه إلا ما هو أعز من بيض الأنوق، فإنه ينتهي إلى الصديق رضي الله تعالى عنه كسلسلة ساداتنا النقشبندية نفعنا الله تعالى بعلومهم، ومع هذا ترد عليه كرم الله تعالى وجهه أيضا، وبتقسيم الخلافة إلى هذين القسمين جمع بعض العارفين بين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة الأئمة الثلاثة رضي الله تعالى عنهم بعد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم على الترتيب المعلوم، وبين الأحاديث المشعرة أو المصرحة بخلافة

[1] تفسیر القرطبی ج4ص164۔

الأمير كرم الله تعالى وجهه بعده عليه الصلاة والسلام بلا فصل، فحمل الأحاديث الواردة في خلافة الخلفاء الثلاثة على الخلافة الظاهرة، والأحاديث الواردة في خلافة الأمير كرم الله تعالى وجهه على الخلافة الباطنة ولم يعطل شيئا من الأخبار، وقال بحقيقة خلافة الأربعة رضي الله تعالى عنهم أجمعين۔[1]

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدة ۵۵)

ترجمہ: تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے۔

یہ آیت اکثر محدثین کے نزدیک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔

کفار کی قسمیں

جان لو! ہر کافر اللہ عزوجل کا دشمن ہے اور کافروں کی کئی قسمیں ہیں اللہ عزوجل ہر قسم کے کافر اور کفر سے بچائے۔

آمین بحرمۃ سید انبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۱) کافر کی دو قسمیں ہیں:

اول: کافر اصلی دوم: کافر مرتد

کافر اصلی:

وہ ہے جو شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے یہ بھی دو قسم کے ہیں ایک مجاھر دوسرے منافق، مجاہر وہ کافر ہے کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور منافق وہ کافر ہے کہ بظاہر کلمہ پڑھتا ہو اور دل میں منکر ہو یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام میں سے بدتر ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ (النساء ۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔

کافر مجاہر کی چار قسمیں ہیں:

اول: دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

---

[1] روح المعانی۔

دوم: مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اوروں کو معبود جانتا ہے جیسے کہ ہندو بت پرست اور آریہ خود پرست کہ وہ روح اور مادہ کو معبود تو نہیں مگر قدیم اور غیر مخلوق جانتے ہیں۔ دونوں مشرک ہیں سوم، مجوس آتش پرست چہارم، کتابی، یہود ونصاریٰ۔

کافر مرتد:

وہ کافر ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول: مرتد، مجاہر، دوم: مرتد منافق۔

مرتد منافق:

وہ کافر ہے کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول ﷺ یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی شئے کا منکر ہو جیسے آج کل کے وہابی، دیوبندی، رافضی، قادیانی، نیچ پیری، جماعت المسلمین، چکڑالوی وغیرہ حکم دین میں سب سے بدتر کافر مرتد ہیں اور مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہیں۔ یہی ہے کہ ان کی صحبت کی ہزار کافروں کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔[1]

اب قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں ان کا بیان اور ان پر احکام ملاحظہ ہوں۔

آیت قرآن (۱)

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (المنفقون ۱)

جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

آیت قرآن (۲)

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (التوبۃ ۵۶)

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

---

[1] افادات رضویہ، احکام المبین علی الکفار والمرتدین ص ۴۔

ان آیات کریمہ میں ان منافقین کا کلمہ پڑھنا اور قسمیں کھانا ہر گز موجب اسلام نہ ہو بلکہ اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے ہونے کی گواہی دی اور صاف فرمادیا کہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔

آیت قرآن (۳)

يَحْلِفُونَ بِاللهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (التوبۃ ۷۴)

اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔

ان جریر وطبرانی وابو الشیخ وابن مردویہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک پیڑ کے سائے میں تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا عنقریب ایک شخص آئے گا کہ تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا، رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہو وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلا لایا سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا، اس پر اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ آیت اتاری کہ ''اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے۔''

دیکھو! اللہ عزوجل گواہی دیتا ہے کہ نبی ﷺ کی شان میں بے ادبی کا لفظ کلمہ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کا مدعی ہو، کروڑ بار کا کلمہ گو ہو، کافر ہو جاتا ہے۔[1]

آیت قرآن (۴)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (65) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔ (التوبۃ ۶۵-۶۶)

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

---

[1] ماخوذ حسام الحرمین۔

ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں:

انہ قال فی قولہ تعالیٰ وَ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔ قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقۃ فلان بوادی کذا وما یدریہ بالغیب۔

یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہوگئی اس کی تلاش تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے اس پر ایک منافق بولا محمد (ﷺ) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے محمد (ﷺ) غیب کیا جانیں؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیات کریمہ اتاریں کہ کیا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم مسلمان کہلا کر اس لفظ کے کہنے سے کافر ہو گئے۔

دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر ج ۱۰ ص ۱۰۵ اور در منثور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۳ ص ۲۵۴۔

ان آیات قرآنیہ وتفاسیر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی اگرچہ اس قدر ہو کہ وہ غیب کیا جانیں؟ کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور اس کا دعویٰ اسلام کام نہیں آتا۔

اللہ عزوجل نے صاف فرمادیا کہ تم بہانے نہ بناؤ تم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔

کفار سے دوستی کرنے والوں کا سنیں

آیت قرآن (۵)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلۃ ۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ تعالیٰ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہو گا پھر اس کا حکم قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ، بیٹے، بھائی عزیز سب کو گنایا۔

آیت قرآن(۶)

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (التوبة ۲۳)

"اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔"

آیت قرآن(۷)

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ۔ (الممتحنة ۱)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

آیت قرآن(۸)

تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ۔ (الممتحنة ۱)

تم انہیں خفیہ پیام محبّت کا بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اور تم میں جو ایسا کرے وہ بیشک وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

آیت قرآن(۹)

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الممتحنة۳)

ہرگز کام نہ آئیں گے تمہیں تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن تمہیں ان سے الگ کردے گا اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

آیت قرآن(۱۰)

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (المائدة ۵۱)

اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ سے پہلے دو آیات کریمہ میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم اور گمراہ ہی فرمایا تھا مگر اس آیت کریمہ نے تو بالکل تصفیہ فرما دیا کہ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ بھی انہیں میں سے ہے انہیں کی طرح کافر ہے۔(افاضات رضویہ)

آیت قرآن (۱۱)

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ۔(الممتحنة ۴)

بیشک تمہارے لئے اچھی پیروی تھی ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں میں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا بیشک ہم بیزار ہیں تم سے اور ان سے جنہیں اللّٰہ کے سوا پوجتے ہو ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ظاہر ہو گئ ہمیشہ کے لئے جب تک تم ایک اللّٰہ پر ایمان نہ لاؤ۔

آیت قرآن (۱۲)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (الممتحنة ۶)

بیشک تمہارے لئے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللّٰہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو اور جو منہ پھیرے تو بیشک اللّٰہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

اللہ عزوجل تم سے یہ فرمارہا ہے کہ جس طرح میرے خلیل اور ان کے ساتھ والوں نے کہا کہ میرے لئے اپنی قوم کے صاف دشمن ہو گئے اور تنکا توڑ کر ان سے جدائی کر لی اور کھل کر کہہ دیا کہ ہم کو تم سے کچھ علاقہ نہیں، ہم تم سے قطعی بیزار ہیں تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں، یہ تمہارے بھلے کو فرمارہا ہے، مانو تو تمہاری خیر ہے نہ مانو تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری پرواہ نہیں، جہاں وہ میرے دشمن ہوئے تم بھی سہی میں تمام جہاں سے غنی ہوں اور تمام خوبیوں سے موصوف۔

آیت قرآن (۱۳)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔(الانعام ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔

آیت قرآن (۱۴تا۱۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۴) أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۵) اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۱۶) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۷) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (۱۸) اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المجادلة ۱۹)

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوئے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے وہ دانستہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بیشک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تو اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لئے خواری کا عذاب ہے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دیں گے وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بُھلادی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔

آیت قرآن (۲۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (التوبة ۱۲۳)

اے مومنو! جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

مفسرین کرام رحمھم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتال تمام کافروں سے واجب ہے لیکن قریب والے مقدم ہیں پھر جو ان سے متصل ہوں۔

آیت قرآن (۲۱)

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ (التوبة ۲۹)

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔

آیت قرآن (۲۲)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (آل عمران ۲۸)

مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنالیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ سے کچھ علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

شان نزول

حضرت عبادہ بن صامت نے جنگ احزاب کے دن حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں جو میرے حلیف ہیں ان سے دشمن کے مقابلے میں مدد حاصل کروں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور کافروں کو دوست اور مددگار بنانے کی ممانعت فرمائی۔

آیت قرآن (۲۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا (النساء ۱۴۴)

اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کے لئے صریح حجت کرلو۔ یعنی اپنے نفاق کی اور مستحق جہنم بن جاؤ۔ (خزائن العرفان)

آیت قرآن (۲۴)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبۃ ۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ انہیں کھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و مشرک کی نجات کی دعا کرنا بھی منع ہے۔

آیت قرآن (۲۵)

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (التوبۃ ۸۰)

تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستّر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہر گز انھیں نہیں بخشے گا یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔

آیت قرآن (۲۶)

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (التوبة ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میّت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ و رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

آیت قرآن (۲۷)

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ (المجادلة ۲۰)

بیشک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

آیت قرآن (۲۸)

وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الانعام ۶۸)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

آیت قرآن (۲۹)

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

آیت قرآن (۳۰)

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (النساء ۱۴۰)

اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جاتا اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو بے شک اللہ کافروں اور منافقوں

سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ (آہ آہ! حرام تو سب گناہ ہیں لیکن یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انہیں جیسے ہو۔)

آیت قرآن (۳۰)

وَلِتَصۡغَىٰٓ إِلَيۡهِ أَفۡـِٔدَةُ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡأٓخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُواْ مَا هُم مُّقۡتَرِفُونَ (الانعام ۱۱۳)

اور اس لئے کہ اس کی طرف انکے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو اُنہیں گناہ کمانا ہے۔

حدیث شریف (۱)

من سمع بالدجال فلینأمنه فو اللہ ان الرجل لیأتیه وھو یحسب انه مؤمن فیتبعه مما یبعث به من الشبهات۔ رواہ ابو داؤد عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنه و عن الصحابة جمیعا۔

جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اس کے دھوکوں میں پڑ کر اس کا پیرو ہو جائے گا (اسے ابو داؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔)[1]

مسلمانو! کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا۔

حدیث شریف (۲)

یکون فی أخر الزمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا أباؤکم فایاکم و ایاھم لایضلّونکم ولا یفتنونکم۔

آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے، تو ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[2]

---

1 (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳۷)

2 (صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰)

حدیث شریف(۳)

ایاک وقرین السوءفانک بہ تعرف۔رواہ ابن عساکر عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا(اسے ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[1]

حدیث شریف(۴)

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشئی ادل علی الشئی ولاالدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب۔ذکرہ التیسیر۔

کوئی چیز دوسری پر اور نہ دھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر(اس کو تیسیر میں ذکر کیا گیا۔)[2]

حدیث شریف(۵)

اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل۔رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو(اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)[3]

حدیث شریف(۶)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولوا للمنافق یاسید فانہ ان یکن سیدا فقد اسخطتم ربکم عزوجل۔رواہ ابوداؤد والنسائی بسند صحیح عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔(اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔)[4]

---

1 (کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۴۸۴۴ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/۴۳)

2 (التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۱/۴۰۲)

3 (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یومر ان یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۰۸)

4 (سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۲۴)

حدیث شریف(۷)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذا قال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربہ۔** جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔[1]

جان لو! کہ مؤمن کامل اگر محبت کرتاہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اور عداوت کرتاہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور یہی عمل عند اللہ تعالیٰ محبوب ہے جس کے بارے میں متعدد احادیث شاہد ہیں۔ مثلاً:

حدیث شریف(۸)

أَفْضَلُ الأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللهِ وَ الْبُغْضُ فِي اللهِ (أحمد، وأبو داود عن أَبِي ذَرٍّ)۔

تمام عملوں میں سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دوستی رکھنا اور اللہ تعالیٰ عزوجل کے لئے دشمنی رکھنا ہے۔[2]

حدیث شریف(۹)

"من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان"۔

یعنی جس شخص نے کسی کے ساتھ محبت کی تو محض خدا عزوجل کے لئے کی، اگر بغض رکھا تو خدا عزوجل کے لئے، اگر کسی کو کچھ دیا تو خدا عزوجل کے لئے، اگر نہ دیا تو خدا عزوجل کے لئے، اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔[3]

حدیث شریف(۹)

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے گمراہوں اور بے دینوں کے متعلق حکم فرمایا:

"اذاظہرت البدع او الفتن و سب اصحابی فلیظہر العالم علمہ و من لم یفعل ذلک فعلیہ لعنۃ اللہ و الملئکۃ و الناس اجمعین لایقبل اللہ منہ صرفا و لاعدلا، رواہ ابن ابی الدنیا و الحکیم و الشیرازی و ابن عدی و الطبرانی و البیہقی و الخطیب بہزین حکیم عن جدہ و عن ابیہ و ھو عن ابیہ جدمعویہ بن حیدۃ القشری رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔

---

1 (مستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/۳۱۱)(شعب الایمان حدیث ۹۸۸۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۳۰)

2 (أخرجه أحمد(146/5، رقم21341)، وأبو داود(198/4، رقم4599). قال المنذری(14/4))

3 ((سنن ابی داود، کتاب السنة، باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه، الحديث: 4681، ج4، ص290))

جب بد مذہبیاں یا فتنے ظاہر ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم ایسے وقت اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔

حدیث شریف(۱۰)

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

اترعوون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحذره الناس۔

کیا تم بدکار کا ذکر کرنے سے گھبراتے ہو تو پھر کب لوگ اسے پہچانیں گے، لہٰذا بدکار میں جو کچھ نقائص اور خرابیاں ہیں انہیں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔[1]

حدیث شریف(۱۰)

من اعرض عن صاحب بدعة بغضا له فی اللہ ملا اللہ قلبه امنا و ایمانا و من انتهر صاحب بدعة امنه اللہ تعالیٰ یوم انفرع الاکبر و من اهان صاحب بدعة رفعه اللہ فی الجنة مائة درجة و من سلم علی صاحب بدعة او لقیه بالبشریٰ او استقبله بمایسره فقد استخف بما انزل علی محمد صلی اللہ علیه وآله وسلم رواه الخطیب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

جس نے بغض کی بنا پر بد مذہب سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا دل امن و ایمان سے بھر دے گا اور جو شخص کسی بد مذہب کو جھڑکے اللہ تعالیٰ اسے اس بڑی گھبراہٹ کے دن امان دے گا اور جو شخص اہانت کرے کسی بدمذہب کی اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے اور جو شخص کسی بد مذہب کو سلام کرے یا اس سے خوشی کے ساتھ ملے یا اس کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا دل خوش ہو اس نے ہلکی جانی وہ چیز جو اتاری گئی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر۔[2]

حدیث شریف(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام رواه الطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن بسر و ابن عساکر و ابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقة و ابو نعیم فی الحلیة و الحسن بن سفیان فی مسنده عن معاذ بن جبل و السجزی فی

---

[1] (تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۹ محمد بن احمد الرواطی دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۸۲)(نوادر الاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائتہ دار صادر بیروت ص ۲۱۳)

[2] (تاریخ بغداد ترجمه ۵۳۷۸ عبدالرحمن بن نافع دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۶۴)

الابانة عن ابن عمر و کابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین و البیہقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرة مرسلا۔

جس نے کسی بد مذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی (اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبد اللہ بن بسر، ابن عساکر اور ابن عدی نے ام المومنین سیدہ صدیقہ سے، ابو نعیم نے حلیہ میں اور حسن بن سفیان نے مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے، سجزی نے ابانۃ میں حضرت ابن عمر سے اور ابن عدی کی طرح، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابراہیم بن میسرہ سے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ [1]

حدیث شریف (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وعند العقیلی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولاتناکحوھم۔

عقیلی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ پانی نہ پیو، ساتھ کھانا نہ کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔ [2]

زاد ابن حبان عنہ لاتصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔

ابن حبان نے انھیں کی روایت سے زائد کیا ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ [3]

حدیث شریف (۱۳)

ابو حازم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصحاب البدع کلاب اھل النار۔

بد مذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں۔ [4]

---

[1] (شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۷/ ۶۱) (شکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام والسنة فصل سوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی ص ۳۱، کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت ۱/ ۲۱۹) المعجم الاوسط مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا حدیث ۶۷۶۸ مکتبة المعارض الریاض ۷/ ۳۹۶) (حلیة الاولیاء ترجمہ ۳۱۷ حضرت خالد بن معدان دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸)

[2] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

[3] (کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰) (میزان الاعتدال ترجمہ ۱۲۰۳ بشیر بن عبید اللہ القیصر دار المعرفة بیروت ۱/ ۳۲۰)

[4] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دار المعرفة بیروت ۱/ ۵۲۸) (کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ موسسة

حدیث شریف(۱۴)

امام دار قطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمٰعیل نامحمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اھل البدع کلاب اھل النار۔

قاضی حسین بن اسمعیل نے محمد بن عبد اللہ مخرمی سے انھوں نے اسمعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابو غالب سے انھوں نے ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔[1]

حدیث شریف(۱۵)

عن حذیفۃ بن الیمان: لایَقْبَلُ اللہُ لصاحِبِ بدعۃٍ صلاۃً، و لا صومًا، و لا صدقۃً، و لا حَجًّا، و لا عُمْرَۃً، و لا جھادًا، و لا صَرْفًا، و لا عَدْلًا، یَخْرُجُ من الإسلامِ، کما تَخْرُجُ الشَّعْرَۃُ من العَجِینِ۔

اللہ تعالٰی کسی بد مذہب کی نہ نماز قبول کرے نہ روزہ نہ زکوۃ نہ حج نہ عمرہ نہ جہاد نہ فرض نہ نفل بد مذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

حدیث شریف(۱۶)

ابو نعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اھل البدع شر الخلق و الخلیقۃ۔

بد مذہب لوگ سب آدمیوں سے بد تر اور سب جانوروں سے بد تر ہیں۔[2]

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

الخلق الناس و الخلیقۃ البھائم۔

خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں۔[3]

الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸)

[1] (کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ حدیث ۱۱۲۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳)

[2] (حلیۃ الاولیا ترجمہ ابو مسعود موصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/۲۹۱)

[3] (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۱/۳۸۳)

حدیث شریف(۱۷)

عقیلی وابن حبان انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرورِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیاتی قوم یسبونھم وینتقصونھم فلا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تؤاکلوھم ولا تناکحوھم۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب واصہار چُن لئے اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں بُرا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم اُن کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا کھانا نہ شادی بیاہ کرنا۔[1]

حدیث شریف(۱۸)

فلا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہ ان کے کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔[2]

حدیث شریف(۱۹)

عن أبي سعيد الخدري: لاتُصاحِبْ إلّا مُؤمِنًا، ولا يَأكُلُ طعامَكَ إلّا تَقِيٌّ۔

یعنی مومن کے سوا کسی اور کی صحبت میں نہ بیٹھو اور متقی کے سوا تیری دعوت کا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔[3]

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع، تو مبتدع فاسق بھی شرعاواجب اہانت ہے اس کی تعظیم ناجائز ہے ابن شاہین نے کتاب الافراد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فاسقوں کے بارے میں روایت کی۔

حدیث شریف(۲۰)

عن عبدالله بن مسعود: تقرَّبوا إلى الله ببُغضِ أهلِ المعاصي، والْقَوْهم بوجوهٍ مُكْفَهِرّةٍ، والتَمِسوا رضا اللهِ بسَخَطهم، و تقرَّبوا إلى الله بالتباعُدِ منهم۔

---

[1] (کتاب الضعفاء الكبير (۱۲۳) احمد بن عمران الاخنسی مطبوعہ دار الكتب العلمیة بیروت ۱/۱۲۶)

[2] (کنز العمال الباب الثالث فی ذکر الصحابة الخ حدیث ۳۲۶۲۹ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت ۱۱/۵۴۰)

[3] (أبو داود (ت ٢٧٥)، سنن أبي داود ٤٨٣٢• الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٢٣٩٥• وأحمد (١١٣٥٥)• ابن حبان (ت ٣٥٤)، صحيح ابن حبان ٥٥٤• البغوي (ت ٥١٦)، شرح السنة ٦/٤٦٨• المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ٤/٨٦• محمد المناوي (ت ٨٠٣)، تخريج أحاديث المصابيح ٤/٣١٧• الهيثمي (ت ٨٠٧)، موارد الظمآن ٢/١١٣٤• السيوطي (ت ٩١١)، الجامع الصغير ٩٧٨٩• محمد جار الله الصعدي (ت ١١٨١)، النوافح العطرة ٤٥٥• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج صحيح ابن حبان ٥٥٤• شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج رياض الصالحين ٣٦٦•)

اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کرو فاسقوں کے بغض سے اور ان سے ترش رو ہو کر ملو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیکی ان کی دوری سے چاہو۔

حدیث شریف(۲۱)

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن أنس بن مالک :إذامُدِحَ الفاسقُ غضبَ الرَّبُّ واهتزَّ لذلِکَ العرشُ۔[1] رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی فی مسندہ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس بن مالک وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔

جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے اسے امام ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابویعلی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

عن سھل بن عبداللہ التستری قدس سرہ من صحح ایمانہ واخلص توحیدہ فانہ لایانس الی مبتدع ولایجالسہ ولایواکلہ ولایشاربہ ولایصاحبہ ویظھر من نفسہ العداوۃ والبغضاء انتھی۔[2]

تم ایسی قوم نہ پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالفوں سے محبت کریں، روح البیان میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا: اللہ ورسول کے مخالف، منافق، یہود، فساق، ظالم، بدعتی لوگ ہیں، اور "نہ پائیں" سے مراد محبت وتعلق کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اس سے بچنا لازم ہے، بہر حال اس سے بازرہے، ختم ہوا، اور اس میں ہے سہل بن عبد اللہ تستری قدس سرہ، سے منقول ہے کہ صحیح الایمان والاخالص توحید والا شخص نہ بدعتی لوگوں کی رغبت رکھے، نہ ان کے پاس بیٹھے، نہ ان کے ساتھ کھائے، نہ ان کی صحبت میں جائے اور ان سے عداوت وبغض کا مظاہرہ کرے، انتہی۔

---

[1] ابن حبان (ت ٣٥٤)، المجروحين ٢/٣٣٩• ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، معرفة التذكرة ٩٦• ابن القيسراني (ت ٥٠٨)، ذخيرة الحفاظ ١/٣٦٤• والخطيب في «تاريخ بغداد» (٨/٤٢٨) الذهبي (ت ٧٤٨)، ميزان الاعتدال ٢/١٠٩• العراقي (ت ٨٠٦)، تخريج الإحياء ٣/١٩٨• البوصيري (ت ٨٤٠)، إتحاف الخيرة المهرة ٦/٨٤• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، فتح الباري لابن حجر ١٠/٤٩٣• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، الإصابة ٤/٥٧• السخاوي (ت ٩٠٢)، المقاصد الحسنة ٤٨٢• السخاوي (ت ٩٠٢)، الأجوبة المرضية ٢/٨٨٣• محمد بن محمد الغزي (ت ١٠٦١)، إتقان ما يحسن ٢/٥٨٤• العجلوني (ت ١١٦٢)، كشف الخفاء ٢/٣٢٥• الألباني (ت ١٤٢٠)، تخريج مشكاة المصابيح ٤٧٨٧• أخرجه أبو يعلى في «معجمه» (١٧١) البيهقي في «شعب الإيمان» (٤٨٨٦) شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج منهاج القاصدين ١٧٦• (شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۳۰)

[2] (القرآن الکریم ۵۸/۲۲) (روح البیان (التفسیر) تحت آیۃ ۵۸/۲۲ المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/۴۱۲) (روح البیان للحقی (التفسیر) تحت آیۃ ۵۸/۲۲ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/۴۱۲)

ولا یدانیھم اھ۔

یعنی کسی بدمذہب وہابی کے نہ تو خود قریب جائیں اور نہ ان کو اپنے قریب چھوڑیں۔[1]

من تحبب الی مبتدع نزع نور الایمان من قلبہ۔اھ۔

جو مسلمان مؤحد وہابی بدمذہب سے محبت کرے گا اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیا جاتا ہے۔[2]

و اذا رأیت مبتدعا فی الطریق فخذ طریقا اخر۔

یعنی جس راستے سے وہابی بدمذہب کو آتے دیکھو اپنا راستہ تبدیل کرو۔[3]

کیونکہ یہ مغضوب ہے یعنی وہ انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا ہے۔راستہ اس لئے تبدیل کرلو کہ کہیں اس کی قربت سے تو بھی اللہ تعالیٰ کے غضب میں نہ آئے۔

---

1 (حقائق ثم یعقوب چرخی ص ۲۲)

2 (یعقوب چرخی ص ۲۲)

3 (المقاصد السنیۃ ص ۷۹)

(۸) باب نمبر آٹھ: اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کا بیان

بعض علماء اذان سے قبل اور بعد میں درود شریف، خصوصاً "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ یہ ایک جائز و مستحب عمل ہے، جس پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کے دلائل قرآن و احادیث اور فقہاء کرام کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ۵۶)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو یہاں نہ تو کسی خاص درود شریف کی قید ہے اور نہ زمان و مکان کی کوئی تخصیص و قید، بلکہ حکم مطلق ہے کہ کسی بھی فارغ وقت میں درود و سلام پڑھ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص بدعت یا ناجائز کہتا ہے کہ آذان سے پہلے یا بعد میں درود و سلام نہ پڑھے کیونکہ یہ بدعت ہے تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس مطلق حکم کی تقیید کے لئے کوئی دلیل شرعی پیش کرے کہ اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کی ممانعت قرآن، حدیث، اجماع امت یا قیاس سے ثابت ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرة ۱۱۱)

مخالف جواب نہ دے سکے تو ہم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ سے حکم علی الاطلاق ثابت ہے اور یہ قاعدہ علمیہ ہے کہ "**المطلق يجری علی اطلاقه**" کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے جب تک شارع سے کوئی تقیید موجود نہ ہو اور شارع سے قرآن و حدیث میں اذان سے پہلے یا بعد میں درود و سلام پڑھنے کے بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی۔

۱۔ مطلق (یعنی جس میں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی قید نہیں، ایسے حکم) پر عمل کرنے کے حوالے سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"عموم واطلاق سے اِستدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے آج تک علماء میں شائع وذائع، یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا، تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہو گی، ہمیشہ محمود رہے گی، تاوقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی مُمانعت خاص شرع سے نہ آجائے۔ مثلاً: مطلق ذکرِ الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت، توجب کبھی، کہیں، کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی، بہتر ہی ہو گی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں، مگر پاخانہ (ٹوائلٹ) میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع، کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت۔ غرض جس مطلق کی خوبی معلوم، اس کی خاص خاص صورتوں کی

جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں، کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں، جس کی بھلائی ثابت ہو چکی، بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔

مسلم الثبوت میں ہے:

"شاع وذاع احتجاجھم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غیر نکیر"۔

متقدمین اور متاخرین علماء کا عمومات سے استدلال کرنا، بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے۔

پس بحکمِ اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی، حسن و محمود ہی رہے گی اور مجلسِ میلاد و صلوٰۃ بعدِ اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لئے ثبوتِ مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہو گی، ہاں جو کوئی ان طُرُق کو ممنوع کہے، وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے۔"[1]

۲۔ جب تک شریعت کی طرف سے کسی چیز کی ممانعت کا حکم نہ ہو، تو اس وقت تک اشیاء میں اصل اباحت ہوتی ہے۔ جو کوئی کسی چیز کی حرمت یا کراہت ثابت کرے، تو اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے، ورنہ بغیر دلیلِ شرعی کے مباح چیز کو حرام کہہ کر اللہ تعالی کی ذات پر افتراء نہ باندھے اور اذان و اقامت سے پہلے اور بعد درود و سلام پڑھنے کی قرآن و حدیث میں کہیں ممانعت نہیں، لہذا یہ جائز ہے۔

اشیاء میں اصل اباحت ہے

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ"۔

ترجمہ: حلال وہ ہے، جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے، جو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حرام فرما دیا اور جس کے حلال و حرام ہونے کو بیان نہ فرمایا، تو وہ اللہ تعالی کی طرف سے معاف ہے۔[2]

فتاوی شامی میں ہے:

"لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل، بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل"۔

---

[1] (فتاوی رضویہ، ج26، ص528تا530، مطبوعہ، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

[2] (جامع ترمذی، باب ماجاء فی لبس الفراء، ج1، ص303، مطبوعہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: (بغیر دلیل کے) کسی چیز کو حرام یا مکروہ ثابت کر کے اللہ تعالی کی ذات پر افتراء باندھنے میں احتیاط نہیں، کہ حرمت اور کراہت کے لئے دلیل درکار ہے، بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے، جو (اشیاء میں) اصل ہے۔ [1]

۳۔ ہر اچھے کام سے پہلے ہمیں رب تعالی کی حمد اور درودِ پاک پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اذان بھی ہر کلمہ گو کے نزدیک ایک اچھا فعل ہے، لہذا اس سے پہلے بھی درود و سلام پڑھنا اسی حدیث پر عمل ہے۔

چنانچہ تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

"کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بحمد اللہ و الصلاۃ علی، فھو اقطع، ابتر، ممحوق من کل برکۃ"۔

ترجمہ: ہر وہ ذی مرتبہ کام، جس کی ابتداء اللہ تعالی کی حمد اور مجھ پر درودِ پاک بھیج کر نہ کی جائے، تو وہ ادھورا، نامکمل اور ہر طرح کی برکت سے خالی ہے۔ [2]

بلکہ حدیث شریف سے تو مسئلہ مذکورہ کی تائید ملتی ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ لیس من احد یصلی علی واحدۃ الاّ صلی اللہ علیہ بھا عشرا، ثم سلو اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ، لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ عز و جلّ و أرجو أن أکون أنا ھو فمن سألھا لی حلت لہ شفاعتی۔

"حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو پس جو بھی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو بے شک وسیلہ جنت میں ایک منزل ہے جو کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گی اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، پس جس نے اس وسیلہ کو میرے لئے طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔" [3]

فَائِدَۃٌ قد أَحدَثَ الْمُؤَذِّنُونَ الصَّلَاۃَ وَ السَّلَامَ علی رسول اللہِ عَقِبَ الْأَذَانِ لِلْفَرَائِضِ الْخَمْسِ إلَّا الصُّبحَ وَ الْجُمُعَۃَ فَإِنَّھُمْ یُقَدِّمُونَ ذلک فِیھِمَا علی الْأَذَانِ وَ إِلَّا الْمَغْرِبَ فَإِنَّھُمْ لَا یَفْعَلُونَہُ غَالِبًا لِضِیقِ وَقْتِھَا و کان ابْتِدَاءُ حُدُوثِ ذلک في أَیَّامِ السُّلْطَانِ النَّاصِرِ صَلَاحِ الدِّینِ بن أَیُّوبَ وَ بِأَمْرِہِ في مِصْرَ وَ أَعْمَالِھَا وَ سَبَبُ ذلک أَنَّ الْحَاکِمَ الْمَخْذُولَ لَمَّا قُتِلَ

---

[1] (فتاوی شامی، کتاب الاشربہ، ج10، ص50، مطبوعہ، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

[2] (تیسیر شرح جامع صغیر، ج2، ص211، مطبوعہ، مکتبہ امام شافعی، ریاض)

[3] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۸، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یسأل اللہ لہ ﷺ الوسیلۃ، رقم: ۳۸۴، نسائی السنن، ج ۲ ص ۲۵، کتاب الاذان، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد الاذان رقم ۶۷۷، ابن خزیمہ، الصحیح، ج ۱ ص ۲۱۸، باب فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد افطر سماع الاذان، رقم ۴۱۸، عبد بن حمید، المسند ج ۱ ص ۱۳۹، رقم ۳۵۴، ابو عوانہ المسند، ج ۱ ص ۲۸۱، رقم ۹۸۳، ابو نعیم المسند المستخرج، ج ۲ ص ۷ رقم ۸۴۲، نسائی عمل الیوم و اللیلۃ، ج ۱ ص ۱۵۸، رقم ۴۵، باب الترغیب فی الصلاۃ علی النبی ﷺ و مسئلۃ الوسیلۃ لہ ﷺ بین الاذان و الاقامۃ، طبرانی مسند الشامین ج ۱ ص ۱۵۳، رقم ۲۴۶)

أَمَرَتْ أُخْتُهُ الْمُؤَذِّنِينَ أَنْ يَقُولُوا فِي حَقِّ وَلَدِهِ السَّلَامُ على الْإِمَامِ الطَّاهِرِ ثُمَّ اسْتَمَرَّ السَّلَامُ على الْخُلَفَاءِ بَعْدَهُ إلَى أَنْ أَبْطَلَهُ صَلَاحُ الدِّينِ الْمَذْكُورُ وَجَعَلَ بَدَلَهُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ على النبي صلى اللهُ عليه وسلم فَنِعْمَ ما فَعَلَ فَجَزَاهُ اللهُ خَيْرًا وَلَقَدْ اُسْتُفْتِيَ مَشَايِخُنَا وَغَيْرُهُمْ في الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عليه صلى اللهُ عليه وسلم بَعْدَ الْأَذَانِ على الْكَيْفِيَّةِ التي يَفْعَلُهَا الْمُؤَذِّنُونَ فَأَفْتَوْا بِأَنَّ الْأَصْلَ سُنَّةٌ وَالْكَيْفِيَّةُ بِدْعَةٌ وهو ظَاهِرٌ كما عُلِمَ مِمَّا قَرَّرْته من الْأَحَادِيثِ۔

ترجمہ: اذان دینے والوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر اذان دینے کے بعد درود وسلام پڑھنا شروع کیا پانچ نمازوں میں ماسواء صبح اور جمعہ کی نماز کے اس میں اذان سے پہلے پڑھتے تھے اور اسی طرح مغرب کے۔ یہ درود وسلام نہیں پڑھا کرتے تھے غالباً وقت کی تنگی کی وجہ سے اور اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین بن ایوب کے زمانہ سے ہوئی۔ اور آپ کے ہی امر سے شہر میں اور دیگر قصبوں میں شروع ہوا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ حاکم مخذول جب اس کو قتل کیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو امر کیا کہ وہ اذان سے پہلے اور بعد میں السلام علی الامام الطاھر پڑھیں، پھر یہ سلسلہ ان کے بعد خلفاء کے ادوار میں بھی چلتا رہا، یہاں تک کہ سلطان ناصر صلاح الدین بن ایوب کی بادشاہت آئی اور آپ نے اس سلسلہ کو بند فرمایا اور اس کے بدلے میں آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس پر درود وسلام پڑھیں اور یہ کتنا اچھا کام ہے جو اس کو کرے پس اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ہمارے مشائخ سے استفتاء کیا گیا کہ اذان کے بعد اسی کیفیت پر کہ مؤذن اذان دینے کے بعد درود وسلام پڑھتا ہے یہ کیسا ہے؟ پس فتویٰ دیا کہ اس کی اصل سُنت ہے اور کیفیت بدعت ہے۔[1]

علامہ مفتی ہزاروی صاحب اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فکیف طلب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اکثار الصلوٰۃ علیہ حتیٰ فی کل اوقات الفراغ، فرضی وبشرہ بانھا تدفع عنہ الھموم وترد الاٰلام ومع ذلک تکفی لغفران الذنوب، وقبیل الاذان وقت الفراغ ففیہ ایضًا طلب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فمن ھذہ الجھۃ الصلوٰۃ والسلام قبل الاذان مطلوب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ومطلوب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اقلہ مندوب فثبت من ھذا ان الصلوٰۃ والسلام علیہ مندوب۔[2]

علامہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَمِن مَوَاطِنِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ عِنْدَ ذِكْرِهِ وَسَمَاعِ اسْمِهِ أَوْ كِتَابِهِ أَوْ عِنْدَ الْآذَانِ۔[3]

[1] (الفتاویٰ الکبریٰ الفقھیۃ، ج ا، ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[2] (العقائد والمسائل، ص۷۷)
[3] (شفاء شریف، ج ۲، ص ۵۲، درمختار، ای حیث لا مانع، شامی، ج ا، ص ۴۸۳)

اس عبارت میں عند الاذان کے الفاظ پر خوب نظر فرمایئے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

عند الاذان ای الاعلام الشامل للاقامۃ۔[1]

عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم صلوا علی و سلموا حیث ما کنتم فیبلغنی سلامکم و صلوٰتکم۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جہاں بھی ہو مجھ پر درود وسلام پڑھا کرو۔ پس تم لوگوں کا درود وسلام مجھے پہنچتا ہے۔[2]

كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه بحمد الله و الصلاة علي فهو أقطع، و أبتر ممحوق من كل بركة۔[3]

امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أحب كثرة الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - في كل حال۔[4]

امام علامہ عثمان بن محمد شطا الدمیاطی ثم المکی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و قال الشيخ الكبير البكري أنها تسن قبلهما۔

صلوٰۃ وسلام ان دونوں سے قبل پڑھنا مسنون ہے۔[5]

شرح میں فرماتے ہیں:

ای الصلوٰۃ و السلام علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ و اصحابہٖ وسلم قبل الاذان و الاقامۃ۔[6]

امام ابن حجر نے اسی مسئلہ کے متعلق سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"صبح وجمعہ کی نماز کے علاوہ اذان کے بعد درود وسلام پڑھا جاتا ہے"۔

إِلَّا الصُّبحَ وَ الْجُمُعَةَ فَإِنَّهُمْ يُقَدِّمُونَ ذَلِكَ فِيهِمَا عَلَى الْأَذَانِ ؛ وَ إِلَّا الْمَغْرِبَ فَإِنَّهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ غَالِبًا لِضِيقِ وَقْتِهَا۔[7]

---

1 (شرح شفاء، ج ۲، ص ۱۱۴، اذان سے پہلے درود وسلام للعلامہ ظاہر شاہ میاں قادری، ص ۵۷)
2 (خصائص الکبریٰ للعلامہ شعرانی، ج ۲، ص ۲۸۰)
3 (الجامع الصغیر، ج ۲، ص ۹۱)
4 (القول البدیع، ص ۱۹۳)
5 (فتح المعین، ج ۱، ص ۱۵۷، الناشر: دار بن حزم)
6 (اعانۃ الطالبین، ج ۱، ص ۲۲۳)
7 (فتاویٰ کبری، ج ۱، ص ۱۲۰، ۱۲۹)

اس کے بعد امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وَلَمْ نَرَ فِي شَيْءٍ مِنْهَا التَّعَرُّضَ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ قَبْلَ الْأَذَانِ، وَلَا إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ بَعْدَهُ وَلَمْ نَرَ أَيْضًا فِي كَلَامِ أَئِمَّتِنَا تَعَرُّضًا لِذَلِكَ۔[1]

ابن قیم نے زاد المعاد فی ھدی خیر العباد میں اذان کے آداب میں لکھا ہے:

الثالث: أن يُصلِّيَ على النبيِّ صلى الله عليه وسلم بعدَ فراغه من إجابة المؤذِّن، وأكْمَلُ ما يُصلَّى عليه بِهِ، ويصل إليه، هي الصلاة الإبراهيمية كما علَّمه أُمَّته أن يُصلُّوا عليه، فلا صلاةَ عليه أكملُ منها۔

اذان کے آداب میں تیسرا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر مؤذن کے اجابت کے بعد درود شریف پڑھے اور یہ درود شریف باقی درود و سلام سے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر پڑھے جاتے ہیں ان تمام میں کامل ہے اور بارگاہ نبوی میں پہنچتا ہے تو اس درود شریف سے کامل کوئی دوسرا درود شریف نہیں ہے۔[2]

اسی طرح مولوی محمد ذکریا مصنف "تبلیغی نصاب" لکھتے ہیں کہ درود شریف کے لئے مستحب اوقات میں سے ایک یہ ہے کہ اذان کے جواب کے بعد پڑھا جائے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب ضرورتیں پیش آئیں اور ہر حال میں درود شریف پڑھا جائے۔

آخر میں لکھتے ہیں کہ جن اوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے۔ بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔[3]

مولوی ذکریا دیوبندی فصل دوم کے تکملہ میں وہ مقامات ذکر کرتے ہیں کہ جن میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

سات اوقات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے:

۱۔ صحبت کے وقت ۲۔ پیشاب، پاخانہ کے وقت

۳۔ بیچنے کی چیز کی تشہیر کے لئے ۴۔ ٹھوکر کھانے کے وقت

۵۔ تعجب کے وقت ۶۔ جانور کے ذبح کرنے کے وقت

۷۔ چھینک کے وقت[4]

---

[1] (فتاویٰ کبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۱، بحوالۂ اذان سے پہلے درود و سلام، ص ۵۴)

[2] (زاد المعاد، ج ۲، ص ۳۵۷)

[3] (فضائل درود شریف، تبلیغی نصاب، ص ۷۸)

[4] (تبلیغی نصاب، فضائل درود شریف، ص ۷۹)

اب قارئین خود اندازہ لگائیں کہ اگر اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا مکروہ یا بدعت و ناجائز ہوتا تو مولوی ذکریا نے مکروہات میں ذکر کیوں نہ کیا۔ مگر اس سے معلوم ہوا کہ یہ ان کی گستاخیٔ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وجہ سے دل میں نفرت اور عداوت ہے۔ (العیاذ باللہ)

حدیث شریف میں ہے:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا۔[1]

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد یا قبل درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور حکم علی الاطلاق ہے کوئی قید نہیں کہ **الاقبل الاذان او بعدہ۔**

اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا مندرجہ ذیل کتب سے ثابت ہے: **(مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۶۴، صحیح مسلم، ص ۱۶۶، تفسیر معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۲۷، فتاویٰ نوریہ، ص ۱۸۲، بهشتی زیور للتهانوی، حصہ دوم، ص ۱۲۵، تبلیغی نصاب، شفا شریف، ج ۲، ص ۵۲، جامع الصغیر، ج ۲، ص ۹۱، القول البدیع، ص ۱۹۳، فتاویٰ کبریٰ، ج ۱، ص ۱۲۹، اعانۃ الطالبین، ج ۱، ص ۲۲۳، جواهر البحار، اوضح البیان فی تائید احسن البیان، ص ۲۲، کبیری، ص ۳۷۸، فتاویٰ ودودیۃ، ج ۱، ص ۱۱۱، انوار العرفان، ص ۷، احسن البیان، ص ۵۰، فتاویٰ جماعتیہ، ص ۲۱۵) اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔**

علامہ السید البکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وتسن الصلاۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قبل الإقامۃ علی ما قالہ النووی فی شرح الوسیط واعتمدہ شیخنا ابن زیاد وقال أما قبل الأذان فلم أر فی ذلک شیئا وقال الشیخ الکبیر البکری انھا تسن قبلھما ولا یسن محمد رسول اللہ بعدھما۔

ترجمہ: اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا سنت ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الوسیط میں فرمایا۔ اور ہمارے شیخ ابن زیاد نے اسی بات پر اعتماد فرمایا اور فرمایا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور الشیخ الکبیر البکری فرماتے ہیں کہ اذان سے پہلے اور اقامت سے پہلے پڑھنا سنت ہے لیکن اذان اور اقامت کے بعد محمد رسول اللہ نہ پڑھے۔[2]

[1] (الحدیث رواہ مسلم، تبلیغی نصاب، ص ۵۲، مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۲۰۷، الناشر: المکتب الإسلامي- بیروت)

[2] (اعانۃ الطالبین، ج ۱، ص ۲۳۳)

فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ومستحبة في كل أوقات الإمكان) أي حيث لا مانع. ونص العلماء على استحبابها في مواضع: يوم الجمعة وليلتها، وزيد يوم السبت والأحد والخميس، لما ورد في كل من الثلاثة، وعند الصباح والمساء، وعند دخول المسجد والخروج منه، وعند زيارة قبره الشريف —صلى الله عليه وسلم— وعند الصفا والمروة، وفي خطبة الجمعة وغيرها، وعقب إجابة المؤذن، وعند الإقامة، وأول الدعاء وأوسطه وآخره، وعقب دعاء القنوت، وعند الفراغ من التلبية، وعند الاجتماع والافتراق، وعند الوضوء، وعند طنين الأذن، وعند نسيان الشيء۔

اذان دینا تمام ممکنہ اوقات میں مستحب ہے، یعنی جب کوئی مانع نہ ہو۔ علمائے کرام نے ان مواضع پر اذان پڑھنا مستحب ہونے کی صراحت فرمائی ہے: جمعے کے دن اور شب جمعہ میں، ان میں ہفتہ، پیر اور جمعرات کا دن بھی شامل کیا گیا ہے، کیونکہ ان تینوں ایام کے بارے میں روایات آئی ہیں، صبح اور شام کے وقت، مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے وقت، صفا مروہ کے پاس، جمعے اور اس کے علاوہ دیگر خطبوں میں، موذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد، اقامت کے وقت، دعا کے آغاز، درمیان اور آخر میں، دعائے قنوت کے بعد، تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد، اکٹھے ہونے اور جدا ہونے کے وقت، وضو کرتے وقت، کان بجتے وقت اور کوئی چیز بھول جانے پر۔ [1]

[1] (ردالمحتار، جلد ۱، صفحہ ۵۱۸)

(۹) باب نمبر نو: اذان میں رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر رکھنا

بعض علماء اذان میں رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ﷺ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدًا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد قھستانی ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیہ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع اشھد ان محمدًا رسول اللہ ﷺ فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ وتمامہ فی حواشی البحر للرملی۔

یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اللّٰھمّ متّعنی بالسّمع والبصر کہے تو حضور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد للامام قہستانی میں اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور اکا ارشاد ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری تشریح اور بحث البحر الرائق کے حواشی رملی میں موجود ہے۔[1]

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلھما ثم سماع قول المؤذن: أشھدُ أن محمداً رسولُ اللہ، مع قولہ: أشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ، رضیت باللہ ربّاً، وبالاسلام دیناً، وبمحمد ﷺ نبیاً۔

رواہ الدیلمی عن أبی بکر: لما سمع قول المؤذن ((أشھد أن محمداً رسول اللہ)) قالہ وقبل باطن الانملتین السبابتین ومسح عینیہ فقال امن فعل فعل خلیلی فقد حلّت لہ شفاعتی قال فی المقاصد ولا یصح۔ وقال القاری واذا ثبت رفعہ الی الصدیق فیکفی العمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وقیل لا یفعل ولا ینھی وکذا لا یصح۔

ترجمہ: یعنی مؤذن سے اشھد ان محمداً رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کے باطن کو چوم کر آنکھوں پر ملنا اور یہ دعا پڑھنا اشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا۔

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے مؤذن کو **اشھد انّ محمداً رسول اللہ** کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا، اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی، جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔

اور کہا گیا کہ نہ یہ عمل کریں نہ اس سے منع کریں اسی طرح یہ صحیح نہیں۔[1]

اسی طرح حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی نے اپنی کتاب **"موجبات الرحمہ وعزائم المغفرۃ"** میں روایت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ اسلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ، مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ، ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم لم یرمد ابدا۔

ترجمہ: جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے **اشھد ان محمدا رسول اللہ** تو کہے **مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ ﷺ** کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔[2]

پھر ایک سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے۔

وانہ لما سمع المؤذن یقول اشھدان محمدا رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاۃ من فورہ۔ قال الرداد ھذا یسیر فی جنب فضائل رسول ﷺ۔

ترجمہ: جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا **اشھدان محمدا رسول اللہ** تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہو فورا کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے فضائل میں سے ہے۔[3]

---

[1] (کشف الخفاء ومنریل الالباس ج ۲ ص ۲۶۹۔ ۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (کشف الخفاء ومنریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[3] (کشف الخفاء ومنریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

فقیہ ابوالحسن علی بن محمد نے روایت کیا کہ

اور طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سنی کہ:

من قبل عند سماعه من المؤذن كلمة الشهادة ظفری ابهاميه و مسحهما علی عينيه و قال عند المس اللهم احفظ حدقتی و نورهما ببركة حدقتی محمد رسول الله ﷺ و نورهما لم يعم۔

ترجمہ: جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے **اللهم احفظ حدقتی و نورهما ببركة حدقتی محمد رسول الله ﷺ و نورهما لم يعم** (یااللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی چشمان مبارک اوران کے نور کی برکت سے میری آنکھوں کی حفاظت فرما اوران کو روشن فرما) وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[1]

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

و حكی عن البعض من صلی علی النبی ﷺ اذا سمع ذكره فی الاذان و جمع اصبعيه المسبحة و الابهام و مسح بهما عينيه لم يرمد ابدا و قال ابن صالح و سمعت بعض الشيوخ انه يقول عند ما يمسح عينيه صلی الله عليک يا سيدی يا رسول الله يا حبيب قلبی و يا نور بصری و يا قرة عينی قال و مذ فعلته لم ترمد عينی و قد جرب كل منهم ذالک و روی الحسن مثل ما روی عن الخضر عليه السلام بعينه انتهی۔

بعض علماء محدثین کرام سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملا کر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اور امام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں:

صلی الله عليک يا سيدی يا رسول الله يا حبيب قلبی و يا نور بصری و يا قرة عينی۔

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام (بھی اسی طرح مروی ہے اور) جیسے مروی ہے ایسے حضرت حسن رضی للہ عنہ سے مروی۔[2]

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے تحت لکھتے ہیں:

قال القهستاني فی شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولی من الشهادة الثانية (صلی الله عليک يا رسول الله) و عند سماع الثانية (قرة عينی بک يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعنی بالسمع و البصر) بعد وضع ظفر الابهامين علی العينين فانه صلی الله عليه و سلم يكون قائدا له الی الجنة انتهی۔

---

[1] (کشف الخفاء و منریل الالباس ج ۲ ص ۲۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ مطبوعہ ملتان)

ترجمہ: علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے فرماتے ہیں:

جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ** کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے **اللھم متعنی بالسمع و البصر** تو حضور ﷺ ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔[1]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

در محیط آوردہ کہ پیغمبر ﷺ بمسجد در آمد و نزدیک ستون بنشست و صدیق رضی اللہ تعالی عنہ در برابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چوں گفت اشھدان محمدا رسول اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ چوں بلال رضی اللہ تعالی عنہ فارغ شد حضرت رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند ایں چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید او را قدیم۔ اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

ترجمہ: محیط میں ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور اذان دینا شروع کی۔ جب کہا **اشھدان محمدا رسول اللہ** تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا۔ **قرۃ عینی بک یا رسول اللہ**۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

اے ابو بکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمھاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالی اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کیا ہو یا خطاً"[2]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رفع اللہ درجاتہ در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عیینہ رحمۃ اللہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد در آمد در دہ محرم و بعد از انکہ

[1] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گفت وابو بکر رضی اللہ عنہ، بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد وگفت قرۃ عینی بک یارسول اللہ وچوں بلال رضی اللہ عنہ، از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ ا فرمودہ کہ اے ابا بکر ہر کہ بگوئد آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من وبکند آنچہ تو کردی خدائے در گزار دگناہاں ویر آنچہ باشد نو دکہنہ خونہاں وآشکارا۔

ترجمہ: حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ابن عینیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دس محرم کو مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک ستون کے نزدیک جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا۔ اور قرۃ عینی بک یارسول للہ کہا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ نے فرمایا۔ اے ابو بکر جو شخص تمھاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پھر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالی اس کے تمام نئے اور پرانے ظاہر وباطن سب گناہوں سے در گزر فرمائے گا۔[1]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی قصص الأنبیاء وغیرھا ان آدم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالی الیہ ھو من صلبک ویظھر فی آخر الزمان فسأل لقاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالی الیہ فجعل اللہ النور المحمدي فی إصبعہ المسبحۃ من یدہ الیمنی فسبح ذلک النور فلذلک سمیت تلک الإصبع مسبحۃ کما فی الروض الفائق. او اظھر اللہ تعالی جمال حبیبہ فی صفاء ظفری ابھامیہ مثل المرآۃ فقبل آدم ظفری ابھامیہ ومسح علی عینیہ فصار أصلا لذریتہ فلما اخبر جبرائیل النبي صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ القصۃ قال علیہ السلام (من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابھامیہ ومسح علی عینیہ لم یعم ابدا)۔

ترجمہ: قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کہ جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالی کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے جمال محمد ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر

[1] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جبریل علیہ اسلام نے حضور ا کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔ [1]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حم السجدۃ پارہ ۲۴ آیت نمبر ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں:

ویستحب ان یقول عند سماع الاولی من الشہادۃ الثانیۃ صلی اللہ تعالی علیک یا رسول اللہ وعند سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الا بھامین علی العینین کما فی شرح القھستانی"۔

ترجمہ: پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر۔ [2]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشہادۃ الثانیۃ "صلی اللہ علیک یا رسول اللہ" وعند الثانیۃ منھا "قرۃ عینی بک یا رسول اللہ" ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ ﷺ یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد۔

ترجمہ: جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر تو حضور اایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔ [3]

علامہ محمد تجریم مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ من مسح بیدہ اسم محمد ثم قبل یدہ بشفتیہ ثم مسح علی عینیہ یری ربہ بما یراہ الصالحون وینال وشفاعتی ولو کان عاصیاً۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ سے اسم محمد کو چھوا پھر اپنے ہونٹوں سے اپنے ہاتھ کو چوما پھر اپنی آنکھوں پر ملا۔ تو اللہ تعالی کی زیارت کرے گا۔ جیسے صالحین کی زیارت کرتا ہے۔ اور میری شفاعت اس کے قریب ہو گی۔ اگر چہ وہ گنہگار ہو۔ [4]

---

[1] (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان ج۸ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[4] (النوافح العطریہ ص ۱۵ مطب)

شیخ المشائخ، رئیس محققین مولانا جمال الدین عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبیل الابہامین و وضعہما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان، ھل ھو جائز ام لا، اجبت بما نصہ نعم تقبیل الابہامین و وضعہما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب۔

ترجمہ: یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اکا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا اکا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے ہمارے مشائخ نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔[1]

پیر طریقت رہبر شریعت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری متوفی ۱۰۴۸ھ لکھتے ہیں:

''وچوں اشھدان محمدا رسول اللہ گوید سامع ہر دو انگشت ابہام را بر ہر دو چشم بنہد یعنی ناخن ایشان دیدہ بر وار دو بدان ناخن نظر کند حق تعالی چہار ہزار گناہ کبیرہ او را عفو کند۔

ترجمہ: جب **اشھدان محمدا رسول اللہ** کہا جائے تو سننے والا اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے یعنی ناخنوں کو دیکھے اللہ تعالی چار ہزار گناہ کبیرہ اس کا معاف فرمائے گا''۔[2]

یہی شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ودر قران خوانی مسطور است کہ این انگشت نہادن سنت است ترک نمی توان کرد و ہر کہ بجائے آرد در عرصات حضرت رسالت پناہ او را چنان طلب کند کہ کسی گم شدہ خود را بطلبد و بگوید قرۃ عینی بک سیدی و مولائی و یا این گوید صدق رسول اللہ''۔

ترجمہ: قرآن خوانی میں لکھا ہے کہ یہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور ﷺ اس کو قیامت کے دن اس طرح طلب کرے گا کہ جس طرح کسی سے کوئی گم ہو جائے اور اس کو تلاش کرتا ہے اور کہے اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یا یہ کہے صدق رسول اللہ (ﷺ)۔[3]

---

[1] (فتاوی جمال بن عبد اللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)
[2] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)
[3] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۸ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

مزید لکھتے ہیں:

"وبعضی گفتہ اند کہ سنت باباآدم است کہ روزے آرزوے کرد کہ اگر جمال محمد آخرالزمان میدید مے چہ خوش بودے فرمان حضرت عزت شد کہ بر ہر دو ناخن نظر کن چوں نظر نمود جمال جہاں آرائے حضرت دران دید ناخن را بر چشم نہاد وگفت صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی ومولائی"۔

ترجمہ: اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنت بابا آدم علیہ السلام ہے کہ ایک دن انہوں نے تمنا کی کہ اگر جمال محمد آخرزمان دیکھ لیتا کیا اچھا ہوتا اللہ تعالی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اپنے دونوں ناخنوں کو دیکھو جب حضور اکا جمال مبارک اس میں دیکھا تو ان ناخنوں کو آنکھوں پر رکھا اور کہا **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی**۔[1]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الاسلام والمسلمین اعلی حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط کتاب **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** کا مطالعہ فرمائیں۔ مخالفین کے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

و اخرج ابو نعیم فی (الحلیة) عن وھب قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ مائتی سنة ثم مات فاخذوہ فالقوہ علی مزبلة، فأوحی اللہ الی موسی ان اخرج فصل علیه، قال یارب: بنو اسرائیل شھدوا انه عصاک مائتی سنة، فأوحی اللہ الیه: ھکذا کان الا انه کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد ﷺ قبله و وضعه علی عینیه و صلی علیه، فشکرت له ذلک وغفرت ذنوبه وزوجته سبعین حوراء۔

ترجمہ: ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دو سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے دو سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاً وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی ﷺ پر نظر پڑتی تو "وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اپنی آنکھوں

[1] (ارشاد الطالبین ص ۳۲۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

سے لگاتا اور آپ پر ادرود بھیجتا تھا" تومیں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[1]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

ما رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن وھب بن منبہ رحمہ اللہ تعالی قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ تعالی مائۃ سنۃ ثم مات فاخذوہ فألقوہ علی مزبلۃ فاوحی اللہ تعالی الی موسی علیہ الصلوۃ والسلام: ان اخرج فصل علیہ، قال: یارب ان بنی اسرائیل یشھدون انہ عصاک مائۃ سنۃ، فاوحی اللہ تعالی الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ و نظر الی اسم محمد ﷺ قبلہ و وضعہ علی عینیہ فشکرت لہ ذلک و غفرت لہ و زوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاوہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی ﷺ پر نظر پڑتی تو "وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ ﷺ پر درود بھیجتا تھا" تومیں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[2]

---

[1] (خصائص الکبری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۰) باب نمبر دس: اقامت میں حی علی الفلاح تک بیٹھنے کا بیان

بعض علماء اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو برا کہتے ہیں حالانکہ امام جب مسجد کے اندر ہو یعنی محراب کے قریب ہو تو اس وقت حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارک، تابعین کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اور اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہیں۔ ترتیب وار دلائل حاضر ہیں۔

اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک ہے

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت عن علقمة عن أمه عن أم حبيبة ان رسول اللہ ﷺ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوة۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرماتھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوة کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[1]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حدثنا اسحاق بن ابراهیم الدبری عن عبد الرزاق عن ابن التیمی عن الصلت یعنی ابن دینار عن علقمه عن أمه عن أم حبيبة ان رسول اللہ کان فی بیتها فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلوة نهض رسول اللہ ﷺ الی الصلوة۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرماتھے اور مؤذن کے کلمات کا جواب اسی طرح دیا۔ جب مؤذن نے حی علی الصلوة کہا تو آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔[2]

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق عتیکی بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

اخبرنا محمد بن المثنی قال اخبرنا الحجاج بن فروخ عن العوام بن حوشب عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوة نهض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔

---

[1] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۱۹۵۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[2] (المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۴۸۵ مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی عراق)، (کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۲۳۲۷۳ مطبوعہ مؤسسة الرسالة بیروت)، (فتح الرحمن فی اثبات مذهب النعمان ج ۲ ص ۶۳ مطبوعہ بک لینڈ اردو بازار لاہور)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ "قدقامت الصلوۃ" کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوتے۔[1]

دیوبند مسلک کے مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

عن عبداللہ ابن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قدقامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ۔[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب قد قامت الصلوۃ کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔[3]

نیز محمد شفیع دیوبندی اس حدیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"چھٹی حدیث سے ایک خاص صورت یہ بھی معلوم ہوئی کہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے ہی مسجد میں تشریف فرماہوتے تھے تو آپ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوۃ پر پہنچتا تھا اس سے ظاہر یہ ہے کہ عام صحابہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی وقت کھڑے ہوتے ہوں گے۔[4]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

عن عبداللہ بن ابی اوفی قال اذا قال بلال قدقامت الصلوۃ نھض رسول اللہ ﷺ بالتکبیر (أی متلبسابہ ۱۲ منہ) رواہ البزار و فیہ الحجاج بن فروخ و ھو ضعیف (مجمع الزوائد) قلت ذکرہ ابن حبان فی الثقات کما فی اللسان (۲:۱۷۹) فھو حسن الحدیث۔

ترجمہ: نعیم احمد دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں "عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ جب بلال رضی اللہ عنہ قد قامت الصلوۃ کہتے تو رسول اللہ ﷺ تکبیر کے ساتھ کھڑے ہو جاتے (یعنی مصلی پر کھڑے ہو کر تکبیر کہتے)۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حجاج بن فروخ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے پس حدیث حسن ہے۔[5]

---

[1] (البحرالزخار، المعروف بمسند البزار ج ۸ ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۳۳۷۱ مطبوعہ مکتبة العلوم والحکم المدینة المنورة)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۶۵۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الکبری بیھقی ج ۲ ص ۳۵ رقم الحدیث ۲۲۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (ذکرہ فی مجمع الزوائد عن مسند عبدالرزاق)

[3] (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[4] (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

[5] (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)، (احیاء السنن ترجمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۶۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل مبارک

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

وروينا عن انس بن مالک انه اذا قيل قدقامت الصلوة وثب فقام وعن الحسين بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنهما انه كان يفعل ذلک وهو قول عطاء والحسن۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قد قامت الصلوۃ کہا جاتا تو وہ جلدی سے کھڑے ہو جاتے اور حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے اور یہی عطاء اور حسن بصری کا قول ہے۔[1]

حافظ ابو عمر و ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حدثنا عثمان بن ابی شيبة قال حدثنا ابن المبارک عن ابی يعلی قال رأيت انس بن مالک اذا قيل قدقامت الصلوة قام فوثب۔

ترجمہ: حضرت ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب قدقامت الصلوۃ کہا گیا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔[2]

تابعین رحمہم اللہ کا فرمان مبارک

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ لکھتے ہیں:

عبد الرزاق عن ابن جريج قال قلت لعطاء انه يقال اذا قال المؤذن قدقامت الصلوة فليقم الناس حينئذ؟ قال نعم۔

ترجمہ: ابن جریج فرماتے ہیں میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو لوگ اس وقت کھڑے ہو جائیں؟ تو فرمایا ہاں۔[3]

عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن علية عن خالد عن ابی معشر عن ابراهيم قال: كان اذا قال المؤذن حی علی الصلوة قام فاذا قال قدقامت الصلوة كبر۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن (اقامت میں) حی علی الصلوۃ کہتا تو آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور مؤذن جب قدقامت الصلوۃ کہتا تو تکبیر کہتے۔[4]

---

[1] (السنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (التمہید ابن عبد البر ج ۴ص ۱۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض ج ۲ ص ۵۵۷ مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

[3] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۰۵ رقم الحدیث ۱۹۳۶ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

[4] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۲ رقم الحدیث ۴۰۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابو عمر وابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

اخبر نا، عبداللہ، حدثنا، عبدالحمید، حدثنا، الخضر، حدثنا ابو بکر قال حدثنا سفیان بن عیینۃ عن ابن عجلان عن ابی عبید قال سمعتہ یقول سمعت عمر بن عبد العزیز بحناصرۃ یقول حین یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ قوموا قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: ابو عبید سے ابن عجلان بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید نے کہا میں نے عمر بن عبد العزیز کو مقام حناصرۃ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ جب موؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو۔[1]

تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے کہ جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو اور موؤذن حی علی الفلاح کہے تو سب لوگ صف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی پر تمام فقہاء احناف کا فتوی ہیں۔ چند حوالاجات ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ لکھتے ہیں:

عن ابیہ عن ابی حنیفۃ عن طلحۃ عن ابراھیم النخعی انہ قال اذا قال المؤذن حی علی الفلاح قام القوم فی الصف۔

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب موؤذن حی علی الفلاح کہے تو قوم صف میں کھڑی ہو۔[2]

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

محمد قال اخبر نا ابو حنیفۃ قال حدّثنا طلحۃ بن مصرف عن ابراھیم قال اذا قال المؤذن "حی علی الفلاح" فانہ ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا فاذا قال المؤذن "قد قامت الصلوۃ" کبر الامام قال محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ و بہ نأخذ و ھو قول أبی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالی علیہ۔[3]

ابو الفتح محمد صغیر الدین دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

طلحہ سے روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ جب موؤذن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو لائق ہے کہ اٹھ کھڑے ہوں اور صفیں باندھیں اور جب موؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو اس وقت امام تکبیر تحریمہ کہے امام محمد نے کہا کہ اس کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔[4]

---

[1] (التمہید ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (کتاب الاثار امام ابو یوسف ص ۱۹ مطبوعہ المعارف النعمانیہ قاھرہ)

[3] (کتاب الاثار امام محمد ص ۲۱ برقم ۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (کتاب الاثار مترجم ص ۳۵۔۳۶ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

استاد الفقیہ الشیخ ابو الوفا افغانی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قلت و الحدیث اخرجه الامام ابو یوسف فی آثار ص (۱۹) و فی کتاب الاصل للامام محمد قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح فاذا قال قد قامت الصلوة کبر الامام و کبر القوم معه۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ وہ حدیث جس کو امام ابو یوسف نے آثار ص (۱۹) میں اور امام محمد نے کتاب الاصل میں روایت کی میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں اور جب مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے تو امام اور قوم تکبیر کہیں۔[1]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قلت فمتی یجب علی القوم ان یقوموا فی الصف؟ قال اذا کان الامام معهم فی المسجد فانی احب لهم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: میں نے کہا قوم پر صف میں کھڑا ہونا کب واجب ہے؟ فرمایا جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لئے پسند کرتا ہوں کہ وہ صف میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہوں۔[2]

یہی امام محمد رضی اللہ عنہ اپنی تیسری کتاب میں لکھتے ہیں:

قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوة فیصفوا و یسووا الصفوف و یحاذوا بین المناکب۔[3]

دیوبندیوں کے استاد حدیث محمد حسن صدیقی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں۔[4]

علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

قال محمد رحمہ اللہ فی "الاصل" اذا کان الامام مع القوم فی المسجد فانه یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثة۔

---

[1] (حاشیہ کتاب الآثار ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ المعارف الشرقیۃ چھتہ بازار حیدر آباد دکن ھند)

[2] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط ج ۱ ص ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی)

[3] (مؤطا امام محمد ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[4] (مؤطا امام محمد مترجم ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ حسّان کراچی)

ترجمہ: فرمایا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کہ امام جب مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو کھڑے ہوں امام اور قوم حی علی الفلاح کے وقت۔ ہمارے تینوں علماء کے نزدیک۔[1]

علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

(والقیام) امام و مؤتم (حین قیل حی علی الفلاح)۔[2]

احسن نانوتوی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اور مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدی کو جب کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کہا جائے۔[3]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قولہ حین قیل حی علی الفلاح کذا فی الکنز و نور الایضاح و الاصلاح و الظھیریۃ و البدائع و غیرھا و الذی فی الدرر فی متنا و شرحا عند الحیعلہ الاولی یعنی حین یقال حی علی الصلوۃ و عزاہ الشیخ اسماعیل فی شرحہ الی عیون المذاھب و الفیض و الوقایہ و النقایہ و الحاوی و المختار اھ قلت و اعتمدہ فی متن الملتقی و حکی الاول بقیل لکن نقل ابن الکمال تصحیح الاول و نص عبارتہ قال فی الذخیرہ یقوم الامام و القوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا اس کو کنز، نور الایضاح، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور درر کی متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ پر قیام کریں۔ شیخ اسماعیل نے اپنی شرح عیون المذاہب اور فیض اور وقایہ اور نقایہ اور حاوی اور مختار میں نقل کیا میں کہتا ہوں کہ ملتقی کے متن میں اسی کو بیان کیا گیا ہے اور ابن کمال نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا اور ذخیرہ میں کہا گیا ہے کہ امام اور مقتدی حضرات جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ علمائے ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک۔[4]

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

ان کان المؤذن غیر الامام و کان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام و القوم اذا قال حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ و ھو الصحیح۔[5]

---

[1] (فتاوی تاتار خانیہ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[2] (الدر المختار ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[4] (فتاوی شامی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳۔۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سیّد امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اگر مؤذن امام کے سوا کوئی اور ہو اور نمازی مع امام کے مسجد کے اندر ہوں تو مؤذن جس وقت اقامت میں حی علی الفلاح کہے اس وقت ہمارے تینوں علماء کے نزدیک امام اور مقتدی کھڑے ہو جاویں۔ یہی صحیح ہے۔[1]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا حضور ﷺ کی سنت مبارک، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی سنت مبارک اور تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک مستحب ہیں۔ اس لئے اس کے بعد کسی حنفی کو اس مسئلہ میں اختلاف کرنے کا حق نہیں۔

فقیہ اعظم مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ مسئلہ حاضرہ ایسا ہے کہ خود امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالی کے اقوال اس کے متعلق موجود ہیں۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق فرما رہے ہیں کہ امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح کہے۔ شروع سے کھڑے ہو جانا نہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول۔ پس حنفی کو چون وچرا کی اصلاً گنجائش نہیں"۔[2]

اقامت کے شروع میں کھڑا ہونا مکروہ ہے

اب رہا اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کا مسئلہ تو اس کو بھی تمام فقہاء احناف رحمہم اللہ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عبدالرزاق عن التیمی، عن ابی عامر، عن معاویۃ ابن قرۃ قالوا: کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلوۃ حین یاخذ المؤذن فی اقامته۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرہ (تابعی) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ و تابعین) اس کو مکروہ جانتے تھے کہ نماز میں مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔[3]

---

[1] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[2] (فتاوی امجدیہ ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

[3] (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۱۔۴۸۲ رقم الحدیث ۱۸۵۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عطیة قال کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامة قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلوۃ فقوموا۔

ترجمہ: عطیہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہنا شروع کر دی تو ہم کھڑے ہو گئے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ جب وہ قد قامت الصلوۃ کہے تو کھڑے ہونا۔[1]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مبارک

عن الحسن انه کرہ ان یقوم الامام حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ آپ مکروہ سمجھتے تھے کہ امام مؤذن کے قد قامت الصلوۃ کہنے سے پہلے کھڑا ہو۔[2]

امام عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

و کان عمر رضی اللہ عنه یقول لا تقوموا للصلوۃ حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤذن جب تک قد قامت الصلوۃ نہ کہے نماز کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔[3]

امام بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

کرہ هشام یعنی ابن عروۃ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوۃ۔

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوۃ کہے۔[4]

امام شمس الدین بخاری متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

و فی الکلام ایماء الی انه لو دخل المسجد احد عند الاقامة یقعد لکراهة القیام و الانتظار کما فی المضمرات۔

[1] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۰۶ رقم الحدیث ۱۹۴۰ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر للسیوطی ج ۲۰ ص ۳۹۱ رقم الحدیث ۱۷۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۴۳ رقم الحدیث ۴۰۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[3] (کشف الغمہ امام شعرانی ص ۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: اور اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کے دوران مسجد میں داخل ہو اتو وہ بیٹھ جائے اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔[1]

علامہ سیّد محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: آدمی کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے تو کھڑا ہو جائے۔[2]

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذا فی المضمرات۔[3]

مولوی امیر علی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اقامت کے وقت (مسجد میں) داخل ہو جائے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح تک پہنچے تو پھر کھڑا ہو جائے۔[4]

علامہ سیّد احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

و اذا اخذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد و لا ینتظر قائما فانه مکروہ کما فی المضمرات قهستانی ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة و الناس عنه غافلون۔

ترجمہ: جب مؤذن اقامت شروع کرے اور کوئی شخص مسجد میں داخل ہو جائے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ اس سے اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہونے کا مکروہ ہونا ثابت ہوا حالانکہ لوگ اس (مسئلے) سے غافل ہیں۔[5]

---

[1] (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)
[2] (ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۲۹۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
[3] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[4] (فتاوی عالمگیری مترجم ج ۱ ص ۸۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)
[5] (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۲۵ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

ان دلائل سے اظہر من الشمس کی طرح واضح ہوا کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونا مکروہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین کرام رحمہم اللہ کسی چیز سے منع کرے اور فقہاء احناف رحمہم اللہ بھی اس منع کرے اور اس کو مطلق مکروہ کہے تو اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

(۱۱) باب نمبر گیارہ: فجر کی جماعت کے وقت فجر کی سنتیں ادا کرنے کا بیان

بعض غیر مقلد فجر کی دو رکعت سنت اس صورت میں چھوڑ دیتے ہیں جبکہ فجر کی فرض جماعت شروع ہو چکی ہو، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھنے سے منع کرتے ہیں حالانکہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ ہے۔

جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت اس وقت تک ضرور پڑھنا چاہیئے جب تک کہ یہ گمان ہو کہ سنت پڑھ کر کم از کم ایک رکعت امام کے ساتھ ضرور پا جاؤں گا۔ کیونکہ ایک رکعت پانے والے کو بھی جماعت کا ثواب ملتا ہے لہذا جب تک جماعت مل جانے کی امید ہو تو سنتِ فجر پڑھے، لیکن اگر ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے اور پھر سورج نکلنے کے بعد ان کی قضا کرے۔

سنتِ فجر کا استثنیٰ اس لئے ہے کہ نہ تو کسی اور سنت کی اتنی تاکید آئی اور نہ ہی اتنی فضیلت آئی ہے جتنی فجر کی دو رکعات سنت کی آئی ہے۔ یہ اگرچہ سنتِ مؤکدہ ہیں، لیکن احادیث مبارکہ میں ان کی بہت اہمیت وارد ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنها ان النبی ﷺ لم يكن على شئ من النوافل أشد معاهدة منه على ركعتين قبل الصبح۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی نہیں فرماتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے۔[1]

عن عائشة رضی اللہ عنها عن النبی ﷺ قال ركعتا الفجر خير من الدنيا و ما فيها و فی رواية عنها لهما احب الی من الدنيا جميعا۔

ترجمہ: امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا صبح کی دو رکعات سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ یہ دو رکعات مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔[2]

عن ابی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ لا تدعوهما و ان طردتكم الخيل۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی دو رکعات سنت کو نہ چھوڑو خواہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔[3]

وضاحت: اگر صبح کی جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور فجر کی سنتیں بھی ادا کرنی ہوں تو دونوں فضیلتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جماعت کی صفوں سے ہٹ کر سنتیں ادا کر کے جماعت میں شرکت کی جائے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ سنتیں

---

1 (بخاری ج ۱ ص ۱۵۶، مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

2 (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱)

3 (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۶)

پڑھنے سے جماعت فوت ہو جائے گی تو پھر جماعت میں شامل ہو جائے اور سنتیں سورج نکلنے کے بعد ادا کرے۔ اس تفصیل کے لئے ذیل کی آثار صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ملاحظہ ہوں۔

انہ کان یدخل المسجد و الناس صفوف فی صلاۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے جب کہ لوگ صبح کی نماز کی صف بندی کر چکے ہوتے، تو آپ مسجد کے ایک کونے میں سنتیں پڑھتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[1]

عن عبد اللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال جاءنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ و الامام یصلی الصبح فصلی رکعتین الی ساریۃ و لم یکن صلی رکعتی الفجر۔

حضرت عبد اللہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں تشریف لائے جب کہ امام صاحب صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صبح کی سنتیں رہتی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ستون کے پاس ان کو ادا کیا۔ اس کے راوی ثقہ، لائق الاعتماد ہیں۔[2]

عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبد اللہ بن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی عبد اللہ بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔

ترجمہ: حضرت ابو عثمان انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لئے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا اور آپؓ نے دو رکعات (سنت) نہیں پڑھی تھیں، چنانچہ آپؓ نے دو رکعات سنت امام کے پیچھے ادا کی اس کے بعد لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔[3]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہئیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت

---

1 (طحاوی ج ا ص ۲۵۶ ا اسناد حسن)

2 (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۷۷، قال الحدیث الھیثمی فی مجمع الزوائد رجالہ موثقون)

3 (طحاوی ج ا ص ۲۵۸)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابیه حین دعاهم سعید ابن العاص دعا ابا موسی و حذیفة و عبدالله ابن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده و قد اقیمت الصلوة فجلس عبدالله الی اسطوانة من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلوة۔

ترجمہ: وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ حضرت حذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔[1]

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فقیہہ صحابی ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی:

قال دخلت المسجد فی صلوة الغداة مع ابن عمر و ابن عباس و الامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف و اما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانه حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعت نفل پڑھیں۔[2]

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوة الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوة الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرات ابو عثمان انصاری سے روایت کی:

قال جاء عبداللہ ابن عباس و الامام فی صلوۃ الغداۃ و لم یکن صلی الرکعتین فصلی ابن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔

ترجمہ: کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔[1]

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال خرج ابن عمر من بیتہ فاقیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد و ھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔[2]

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن ابی الدرداء انہ کان یدخل المسجد و الناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ۔

ترجمہ: کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔[3]

(٦) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان مہدی سے روایت کی:

قال کنا ناتی عمر ابن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح و ھو فی الصلوۃ فنصلی رکعتین فی اخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔[1]

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی:

قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔[2]

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

یقول ایقظت ابن عمر لصلوۃ الفجر و قد اقیمت الصلوۃ فقام فصلی الرکعتین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔[3]

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

کان مسروق یجئی الی القوم وھم فی الصلوۃ و لم یکن رکع رکعتی الفجر فیصلی الرکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔[4]

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انہ دخل المسجد و الامام فی الصلوۃ فصلی رکعتی الفجر۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔[5]

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا: بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابو داؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی:

(۱۱ تا ۱۵) لم یکن النبی اعلی شیئی من النوافل اشد تعاھداً منه علی رکعتی الفجر۔

ترجمہ: حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔[1]

احمد، طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ لاتدعوا رکعتی الفجر وان طردتکم الخیل۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے روند ڈالیں۔[2]

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں سورج نکلنے کے بعد قضاء کرسکتے ہیں اگر چاہے۔ تو سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑدے تو واجب کا تارک ہوا اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑدے تو اتنی اہم سنت موکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے۔ پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں جمع کرنا بہتر ہے ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل ہونا معلوم نہ ہو مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں موکدہ ہیں مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء موکدہ نہیں غیر موکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکے سنت فجر موکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑدے کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

---

[1] (صحیح مسلم باب استحباب رکعتی ج ۱ ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۲۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[2] (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۰ رقم الحدیث ۱۲۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کرسکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگر آیندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاءاللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کردیں گے۔

اعتراض نمبر ا:

طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

ترجمہ: آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہئیے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جارہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کرسکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

[1] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۷۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر۔

ترجمہ: جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے۔[1]

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ موکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲:

طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی:

قال اقیمت صلوۃ الفجر فاتی رسول اللہ ﷺ علی رجل یصلی رکعتی الفجر فقام علیہ و لاث بہ الناس فقال اتصلیھا اربعاً ثلث مرات۔

ترجمہ: کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔[2]

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب: یہ صاحب مالک ابن بحینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا۔

[1] (سنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۴۸۳ رقم الحدیث ۴۲۲۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

[2] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد و الامام فی صلوۃ الفجر و لم یکن رکع ایرکع او لا یرکع ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے:

عن محمد ابن عبدالرحمن ان رسول اللہ امر بعبد اللہ ابن مالک ابن بحینۃ وھو منتصب ثمہ بین یدی نداء الصبح فقال لاتجعلوا ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا و اجعلوا بینھما فصلاً۔

ترجمہ: محمد ابن عبد الرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔[1]

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہً جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہئیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل در پیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے آج سائنس کا زور ہے ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو تو مصیبت آجاوے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

[1] (شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولایرکع ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض نمبر ۴:

جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب: یہ مخالفت جب ہو گی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو گا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہو گی مگر ضرورتاً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۲) باب نمبر بارہ: فجر کی نماز روشن کر کے پڑھنے کا بیان

بعض علماء کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے حالانکہ حنفیوں کے نزدیک صبح کی نماز کا وقت اسفار ہے۔

صبح کی نماز کا مستحب وقت اسفار ہے یعنی روشنی اور اجالا میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے، اگر اس وقت کے دو حصے کیے جائیں تو اصطلاح شریعت میں پہلا نصف حصہ غلس اور دوسرا حصہ اسفار کہلاتا ہے۔

اکثر و بیشتر نبی اکرم ﷺ اسفار میں نماز پڑھتے تھے نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ دیکھئے:

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے:

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، أَسْفِرُوا بِالفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔[1]

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر فرماتے ہیں:

و صححه غير واحد۔

کہ بہت سے محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[2]

اسفار سے مراد یہ ہے کہ صبح کا اجالا خوب پھیل جائے۔

حدیث: عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًا، يَقُولُ لِمُؤَذِّنِهِ أَسْفِرْ أَسْفِرْ يَعْنِي صَلَاةَ الصُّبْحِ۔

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ رضی اللہ عنہ اپنے موٴذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اجالا کر، خوب اجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔[3]

---

1 (سنن الترمذی ماجآء فی الاسفار بالفجر، ص ۲۲ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۶۱، ابو داؤد نحوہ ج ۱ باب فی وقت الصبح، سنن النسائی ج ۱ ص ۹۴ باب الاسفار)

2 (فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۵)

3 (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۳)

حدیث: عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ بِالْأَجْرِ۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا روشن کروگے تم فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہو گا۔ اس کی سند صحیح ہے۔[1]

حدیث: رافع بن خديج يقول: قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لبلال: " يا بلال! نور صلاة الصبح حتى يُبصر القوم مَواقع نَبلهم من الإسفار ". ورواه ابن أبي حاتم في "علله"۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔[2]

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میری امت فطرت پر قائم رہے گی، جب تک کہ وہ صبح کی نماز اسفار میں ادا کرتی رہے گی"۔

اس مضمون کی مرفوع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[3]

اسفار کی مرفوع حدیثیں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (طبرانی)، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ (طبرانی، مسند البزار)، حضرت حوا انصاریہ رضی اللہ عنہا (طبرانی)۔

ان احادیث کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الْغَدَاةِ۔

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے"۔[4]

---

[1] (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۳۸)
[2] (شرح ابو داود للعینی ج ۲ ص ۲۹۹، آثار السنن ص ۵۸)
[3] (طبرانی) (المعجم الاوسط ج ۴ ص ۶۴، مسند البزار)
[4] (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۵۶۸، معجم طبرانی کبیر ج ۱ ص ۲۵۸)

حدیث: حضرت ابراہیم نخعی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا أَجْمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا أَجْمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ بِالْفَجْرِ۔

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس قدر صبح کے اسفار پر اجماع فرمایا ہے اس قدر اجماع واتفاق کسی اور چیز پر نہیں کیا"۔[1]

یہ حدیث صحیح سند سے طحاوی جلد ا صفحہ ۱۳۶ میں بھی مروی ہے۔[2]

نوٹ: حضرت محدث سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الازھار المتناثرۃ میں لکھتے ہیں کہ اسفار کی حدیثیں متواتر ہیں۔

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ ذَوُو الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ طَلَعَتْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ: فَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَقُلْتُ: أَيَّ شَيْءٍ قَالَ: فَقَالُوا: قَالَ: "لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"۔

بیہقی نے سنن کبری میں ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سورج نکلنے ہی والا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔[3]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: " صَلَّى بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا: كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ: "لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"۔

بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورۂ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔[4]

قَالَ: " مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ فَأَخْبَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَى ذَلِكَ فَلَا يَجُوزُ، عِنْدَنَا وَاللهُ أَعْلَمُ، اجْتِمَاعُهُمْ عَلَى خِلَافِ مَا قَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

طحاوی اور ملا خسرو محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ

---

[1] (طحاوی شریف ج ا ص ۱۳۶)

[2] (نصب الرایہ ج ا ص ۲۳۹)

[3] (السنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۵۵۸ باب الدلیل علی انها لا تبطل بطلوع الشمس فیها)

[4] (السنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۵۵۷ باب الدلیل علی انها لا تبطل بطلوع الشمس فیها)

ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے اورامام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔[1]

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھااور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جائے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: يَا قَنْبَرُ أَسْفِرْ أَسْفِرْ.

طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے، اے قنبر اجالا کرو اجالا کرو۔[2]

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفر دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ احادیث مبارکہ بطور نمونہ پیش کی ہیں، اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البھاری شریف کا مطالعہ فرمائیں۔

بہر حال پتہ لگا کہ اجالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عمل ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اجالے میں پڑھی جائے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اجالا اور روشنی لہذا نماز فجر اجالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہو گا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اجالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء، بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت میں فجر کی جماعت کر لینے سے بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اجالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں۔ دیکھو نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دراز قرأت سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جائے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی

---

[1] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۸۴ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟)

[2] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۸۰ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟)

زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ ،لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہو گا۔ اجالے میں آسان، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اندھیرے میں عین زیادتی نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فجر میں بہت اجالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو طحاوی شریف، صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے فجر کاروبار کھلنے کا وقت، مغرب نیند کا، فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہو گا اتنا ہی فجر کا، جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی تو جیسے نماز مغرب اجالے میں پڑھنا افضل ہے ایسے ہی نماز فجر اجالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

(۱۳) باب نمبر تیرہ: نماز میں رفع الیدین نہ کرنے کا بیان

بعض علماء غیر مقلدین رفع یدین پر بہت زور دیتے ہیں حالانکہ رفع یدین کرنا منع ہے۔

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں، اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع میں جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴: ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیر الافتتاح وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی ا والتابعین۔

ترجمہ: ایک دفعہ ہم سے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ وعلماء تابعین کا عمل ہے۔[1]

---

1 (سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الافی اول مرۃ ج ۲ص ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک ذلک ج ۲ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند احمد ج ۱ص ۳۸۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۳۵۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۹ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۹۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵: ابن ابی شیبہ نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال کان النبی اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ ثم لا یرفعھا حتی یفرغ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔[1]

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء۔

حدیث نمبر ۶: ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال رایت رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ حین افتتح الصلوۃ ثم لم یرفعھما حتی انصرف۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔[2]

حدیث نمبر ۷: طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

عن النبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود۔

ترجمہ: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔[3]

---

1 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2 (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

3 (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴: حاکم و بیہقی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی:

قال قال رسول اللہ ﷺ ترفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوۃ و استقبال المیت و الصفا و المروۃ و الموقفین و الجمرتین۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ ہیں اور دونوں جمروں کے سامنے۔[1]

یہ حدیث ۱۰۔ بزار (کشف الاستارج ۱ ص ۲۵۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔

۱۱۔ ابن ابی شیبہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی ۱۲۔ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱۳۔ طبرانی (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۰۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل) نے اور ۱۴۔ بخاری نے کتاب المفرد میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا:

ان کان وائل راہ یفعل ذلک فقد راہ عبد اللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک۔

ترجمہ: اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور ﷺ سے قریب تک کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

---

1 (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۰۷ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۳ ص ۲۳۸ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (کتاب الآثار امام ابو یوسف ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

2 (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷: طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی من الصلوة۔

ترجمہ: کہ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[1]

حاشیہ ...☆

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا الحمیدی قال ثنا سفیان ثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعدما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔[2]

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا وکیع عن ابی بکر بن عبد الله بن قطاف النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلاة ثم لا یعود۔

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں نہیں اٹھاتے تھے۔[3]

حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیه اول ما یدخل فی الصلوة ثم لا یرفعهما۔

ترجمہ: حضرت اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام قیس رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔[4]

---

1 (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لاج ا ص ۲۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

2 (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۶۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

3 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

4 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا وکیع و اسامۃ عن شعبۃ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبد اللہ و اصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوۃ۔

ترجمہ: امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ [1]

حاشیہ... ☆

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابن مبارک عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لا یرفعھما۔

ترجمہ: اشعث فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ [2]

حدثنا یحیی بن آدم عن حسن بن عیاش عن عبد الملک بن ابجر عن الزبیر بن عدی عن ابراھیم عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیہ فی شئی من صلاتہ الا حین افتتح الصلاۃ قال عبد الملک و رایت الشعبی و ابراھیم و ابا اسحاق لا یرفعون ایدیھم الا حین یفتتحون الصلاۃ۔

ترجمہ: اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کیا اور عبد الملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابو اسحاق کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ سب صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ [3]

حدثنا وکیع عن مسعر عن ابی معشر عن ابراھیم عن عبد اللہ انہ کان یرفع یدیہ فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعھما۔ [4]

حدثنا وکیع عن شریک عن جابر عن الاسود و علقمۃ انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان۔

ترجمہ: اسود اور علقمہ رحمہا اللہ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔ [5]

---

1 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

2 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

3 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

4 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

5 (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنی ابن ابی داود قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابو بکر بن عیاش قال ما رایت فقیہا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی۔

ترجمہ: امام احمد بن یونس نے کہا بیان کیا ہم سے ابو بکر بن عیاش نے کہا میں نے کوئی ایسا فقیہ نہیں دیکھا جو کہ رفع یدین کرتا ہو سوائے تکبیر افتتاح۔

امام عبد الرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شئی من تکبیر الصلاۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلاۃ۔

ترجمہ: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کسی رفع یدین کو نہیں پہچانتا نماز تکبیر میں نہ جھکتے وقت اور نہ ہی اٹھتے ہوئے سوائے تکبیر افتتاح کے۔[1]

مزید فرماتے ہیں:

کان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام۔

ترجمہ: یعنی امام ابن القاسم نے فرمایا کہ تکبیر افتتاح کے بغیر باقی رفع یدین امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک ضعیف ہے۔[2]

حدیث نمبر ١٨: عینی شرح بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن زبیر سے روایت کی:

انہ رای رجلاً یرفع یدیہ فی الصلوۃ عند الرکوع وعند رفع راسہ من الرکوع فقال لہ لا تفعل فانہ شئی فعلہ رسول ا ثم ترکہ۔

ترجمہ: کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔[3]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ٢٠،١٩: بیہقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ ثم لا یرفع فی شیئی منہا۔

ترجمہ: کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔[4]

---

1 (مدونۃ الکبری ج١ ص٦٨ مطبوعہ مصر)

2 (مدونۃ الکبری ج١ ص٦٨ مطبوعہ مصر)

3 (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی مع الافتتاح تحت رقم الحدیث ٧٣٥ ج٥ ص ٤٠٥ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

4 (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج١ ص ٢٢٢ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۱: طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال راءیت عمر ابن الخطاب رفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لایعود و قال حدیث صحیح۔

ترجمہ: میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1]

حدیث نمبر ۲۲: ابو داؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی:

حدثنا سفیان اسناده بهذا۔ قال فرفع یدیه فی اول مرة و قال بعضهم مرة واحدة۔

ترجمہ: حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلی بات ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔[2]

حدیث نمبر ۲۳: دار قطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انه رای النبی ا حین افتتح الصلوة رفع یدیه حتی حاذی بهما اذنیه ثم لم یعد الی شئی من ذالک حتی فرع من صلوته۔

ترجمہ: کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔[3]

حدیث نمبر ۲۴: امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی:

انه قال لاترفع الایدی فی شیئی من صلوتک بعد المرة الاولی۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔[4]

حدیث نمبر ۲۵: ابو داؤد نے براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لایعود۔

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔[5]

---

1 (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لاج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

2 (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

3 (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

4 (جامع الرضوی بصحیح البھاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

5 (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد، طحاوی شریف، صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔

ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالحناطیں میں ملاقات ہوگئی۔ تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی: آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ: اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی: آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ۔

ترجمہ: مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم: میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی: اچھا فوراً پیش فرمایئے۔

امام اعظم: لیجئے سنئے۔

حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ والاسود عن عبد اللہ ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوۃ ثم لا یعود لشئی من ذالک۔

ترجمہ: ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسود رضی اللہ عنہ سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی: آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم: اس لئے کہ حماد زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم وفقیہہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبد اللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ وافضل ہیں، عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقہ میں، قراۃ میں حضور ﷺ کی صحبت میں حضور ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی: خاموش۔[1]

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمانے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔[2]

---

1 (مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۵۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (جامع الرضوی بصحیح البھاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

2 (از طحاوی۔ شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لاج ۱ ص ۲۲۷،۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

خلاصہ: یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور نا قابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہو گا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہئیے۔ بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلاضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلاضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱: رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ (وہی پرانا سبق)

جواب: جی ہاں صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سروآنکھوں پر ہوتیں جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کرچکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲: ابوداؤد کی براء ابن عازب رضی اللہ عنہ والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا:

هذاالحديث ليس بصحيح۔

ترجمہ: یہ حدیث صحیح نہیں۔[1]

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

1 (سنن ابوداؤد ج۱ص۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ حسن لغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابو داؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳: ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر بھول کی بیماری ہوگئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثم لا یعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابو داؤد کی اس روایت میں ہیں مگر امام صاحب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہو گا۔ ۲ دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے کہ یہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سواء مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدق دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔

سرکار فرماتے ہیں:

مارا اہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: جسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔[1]

اور فرماتے ہیں ﷺ:

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔

ترجمہ: میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائے گا۔[2]

خیال رہے کہ شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہیں۔ اعمال میں بھی جدا گانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴: تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ا جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف فرمایا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث نا قابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایم لائق وہابی)۔

جواب: جناب یہ حدیث مجمل نہیں، مطلق نہیں، عام نہیں، مشترک لفظی، یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان متکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان: دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق، عام، مشترک معنوی، مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

---

1 (امام حاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۸۳۔ ۸۴ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۵ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳ رقم الحدیث ۱۸۱۶ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (مسند احمد ج ا ص ۶۲۶ رقم الحدیث ۳۵۸۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ۳۷۵ رقم الحدیث مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (اعلام الموقعین ابن جوزی ج ا ص ۶۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (مسند الطیالسی ص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ا ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (کتاب الاثار امام محمد حاشیۃ ابو الوفاء افغانی ج ۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ا ص ۱۸۶۔ ۱۸۷ رقم الحدیث ۱۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۴۵ رقم الحدیث ۲۲۱۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (المقاصد حسنہ امام سخاوی ص ۱۳۴ رقم الحدیث ۹۵۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

2 (حاکم للمستدرک کتاب العلم ج ا ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہو گا۔ تو دھونس جمانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵: ابو داؤد، ترمذی، دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی۔

جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے:

ثم یکبر ویرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یرکع ویضع راحتیہ علی رکبتیہ ثم یرفع راسہ فیقول سمع اللہ لمن حمدہ ثم یرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ الخ۔

ترجمہ: پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے **سمع اللہ لمن حمدہ** پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔[1]

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی۔ جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہئے۔

(نوٹ: یہ حدیث وہابی غیر مقلد کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے)۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک ایہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابو داؤد وغیرہ میں یہ ہے:

حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ وھذا حدیث احمد قال حدثنا عبد الحمید یعنی ابن جعفر اخبرنی محمد ابن عمرو ابن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرۃ الخ۔

ترجمہ: ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحیٰی نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔[2]

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ

---

1 (سنن ابو داؤد باب افتتاح الصلوۃ ج اص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

2 (سنن ابو داؤد باب افتتاح الصلوۃ ج اص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

گیا۔ جو مجہول ہے (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لاج اص ۲۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) ان دونقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثم اذاقام من الرکعتین کبر رفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ کما کبر عندافتتاح الصلوۃ۔

ترجمہ: پھر جب دور کعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہوجاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔[1]

فرماؤ آپ دور کعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے:

قالوا فلما فواللہ ماکنت باکثرنالہ تبعۃ واقدمنالہ صحبۃ قال بلیٰ۔

ترجمہ: انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہوگئے نہ توتم ہم سے زیادہ حضور کے ساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحمید بولے بے شک ایسا ہی ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ ابوحمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ وعالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبداللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور ﷺ کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقینا ابوحمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا۔ صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

---

[1] (سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج اص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

[2] (سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج اص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

الوضوءمما مستہ النار۔

ترجمہ: آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔[1]

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں۔ جنہیں یحیٰی ابن سعید فرماتے ہیں۔**ھو امام الناس فی ھذا الباب** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمر ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہر گز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے ان سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسنادیں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہ ہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب صفۃ الصلوۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہر گز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے بھی توجہ کے قابل نہیں۔

---

1 (سنن ابو داؤد باب فی ترک الوضوء مما مست النار ج ا ص ۵۰ رقم الحدیث ۱۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیو نکے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ ان کی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑگئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے۔

خیال رہے ک وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیو نکے لئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو سمجھو کہ ان کے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔

رب فرماتا ہے:

وَمَنۡ یُضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُرۡشِدًا (الکہف ۱۷)

ترجمہ: جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔

نیز رب فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا (النساء ۵۲)

ترجمہ: جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقیہہ کا دارومدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الائمہ کاشف الغمہ سراج امہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری وعام محدثین کے استادوں کا استاد ہے۔ جس کے زیر دامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔ جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور ﷺ سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال: دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بیدھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزارہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزارہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش

قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنی ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح وقدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح وقدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور ﷺ سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر جن جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر ٦: بخاری و مسلم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی:

ان رسول اللہ ا کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوة و اذا کبر للرکوع و اذا رفع راسه من الرکوع رفعهما کذلک و قال سمع اللہ لمن حمده ربنا لک الحمد و کان لا یفعل ذالک فی السجود۔

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے **سمع اللہ لمن حمده ربنا لک الحمد** اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔[1]

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے، اور بعد رکوع بھی۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔

چنانچہ دار قطنی میں صفحہ ۱۱۱ پر سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال صلیت مع النبی او مع ابی بکر و مع عمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔[2]

---

1 (صحیح البخاری ج ا ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

2 (سنن الدار قطنی ج ا ص ۲۹۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مسند ابو یعلی ج ۸ ص ۴۵۳، رقم الحدیث ۵۰۳۹ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۷۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہو گا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو قلابہ ہے جو خارجی المذہب یعنی ناجی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیف ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷: بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر کان اذا اخل فی الصلوۃ کبر رفع یدیہ و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ و اذا قام من الرکعتین رفع یدیہ و رفع ذالک ابن عمر الی النبی ا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔[1]

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نسخ کی خبر کے

1 (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔

چنانچہ طحاوی شریف میں ہے:

فقد یجوز ان یکون ابن عمر فعل ما راہ طاوس قبل ان تقوم الحجة عندہ بنسخه ثم قامت الحجة عندہ بنسخه وترکه وفعل ماذکرہ عنه مجاھد۔

ترجمہ: جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہمانے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہوگئی تو چھوڑدیااور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔(رفع یدین نہ کرنا)[1]

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر۸: مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیه فلما سجد سجد بین کفیه۔

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے **سمع اللہ لمن حمدہ** فرمایاتو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیاتو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدناعبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم وفقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صف اول میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور ﷺ کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار ﷺ نے حکم دیاتھاکہ:

لیلنی منکم اولو الاحکام والنھی۔

---

[1] (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع الامام ج اص ۲۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم و عقل والا ہو۔

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے نفیس جواب دیا:

فقال اعرابی لایعرف شرائع الاسلام ولم یصل مع النبی اا لاصلوۃ واحدۃ وقد حدثنی من لا احصی عن عبداللہ ابن مسعود انہ کان یرفع یدیہ فی بدء الصلوۃ فقط وحکاہ عن النبی او عبداللہ عالم بشرائع الاسلام وحدودہ متفقد احوال النبی املازم لہ فی اقامتہ واسفارہ وقد صلی مع النبی امالا یحصی۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نقل فرماتے تھے۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبر دار حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔[1]

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہہ اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹: اگر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہیئے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)۔

جواب: اس سوال آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی لئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اے وہابیو ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

---

1 (مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۴۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

اعتراض نمبر ۱۰...: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل علیہ السلام نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

اذا تحرمت للصلوۃ ان ترفع یدیک اذا کبرت و اذا رکعت و اذا رفعت راسک من الرکوع فانہا صلوتنا و صلوۃ الملئکۃ الذین فی السموت السبع۔

ترجمہ: جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فصل ربک وانحر۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور ﷺ کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری: ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب ولہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب: وہابی جی تم نے تمہارے کسی ہم نوانے جھوٹی حدیث گھڑ تو لی۔ مگر گھڑنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے نحر کے معنی کئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنے یہ بتا گئے پھر نبی ﷺ اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اے جبریل علیہ السلام نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لئے گئے۔ اور کیسے لئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہوگئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چارپائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرلو۔ چلو اسلام کے پانچواں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسری یہ کہ یہاں نحر، صلوۃ پر معطوف ہے۔اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔توچاہئیے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جز ہے۔نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہئیے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔یہ کہہ کر رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کرلو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کیا۔امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کی انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق۔عمر فاروق۔علی مرتضیٰ۔عبد اللہ ابن عباس۔عبد اللہ ابن عمر۔عبد اللہ ابن مسعود۔عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرف فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہئیے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے منکروں پر فرمایا۔ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہئیے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے تکی حدیثیں گھڑ لینے میں خوف خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اذاثبت حدیث فهو مذهبی۔

ترجمہ: جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے تو وہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرات خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب: جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔ جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔

امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے:

اذاثبت حدیث فهو مذهبی۔

ترجمہ: جب کوئی حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے۔

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث تمحیص کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرما گرم جرح وقدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔ لہٰذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے اٹکل پچو بیان کر دیئے ہیں۔ اے ناسمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب

بغیر تحقیق اور بغیر سوچے سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کرکے بغیر قرآن وحدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

(بحوالہ سعید الحق فی تخریج جاء الحق)

(۱۴) باب نمبر چودہ: نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا بیان

بعض علماء غیر مقلدین نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر (۱): **عن وائل ابن حجر قال رایت رسول اللہ ﷺ وضع یمینه علی شماله تحت السرة۔ رواه ابن ابی شیبة بسند صحیح و رجاله ثقات۔**

ترجمہ: حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔[1]

حدیث نمبر (۲): ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الکف علی الکف تحت السرة۔

ترجمہ: تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر سے کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔[2]

حدیث نمبر (۳): ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال ابو وائل اخذ الکف علی الکف فی الصلوة تحت السرة۔

ترجمہ: ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہئیے۔[3]

حدیث نمبر (۴ تا ۵): دار قطنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

ان من السنة فی الصلوة وضع الکف و فی روایة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔[4]

حدیث نمبر (۶ تا ۹): ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی، احمد، دار قطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

قال السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[2] (الجوہر النقی عن انس ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

[3] (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

[4] (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ترجمہ: ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔[1]

حدیث نمبر (۱۰): رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

ان علیاً قال السنة وضع الکف فی الصلوة ویضعهما تحت السرة۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔[2]

حدیث نمبر (۱۱): امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار شریف میں امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

انه کان یضع یده الیمنی علی یده الیسری تحت السرة۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[3]

حدیث نمبر (۱۲): امام ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی:

قال یضع یمینه علی شماله تحت السرة۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔[4]

حدیث نمبر (۱۳): ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

انه قال من اخلاق النبوة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔[5]

حدیث نمبر (۱۴): ابو بکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی:

قال سمعت ابا مجلز و سالته قلته کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة۔ اسناد جید و رواته کلهم ثقات۔

ترجمہ: میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔ اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔[6]

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں، اس کی تحقیق دیکھو، صحیح البخاری اور فتح القدیر میں۔

---

[1] (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۰ مطبوعہ موسسة قرطبة مصر)، (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۶۸ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)

[2] (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۰ مطبوعہ مکتبة دار الباز مکة المکرمة)

[3] (جامع الرضوی المعروف بصحیح البهاری ج ۲ ص ۳۸۵ طبع سنه ۱۹۹۲ء)

[4] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

[5] (المحلی لابن حرم ج ۲ ص ۳۰)، (خلافیات للبیهقی ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ ظاهریہ دمشق شام)

[6] (مصنف ابن ابی شیبه ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۲ مطبوعہ مکتبة الرشد الریاض)

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

(۱۵) باب نمبر پندرہ: سجدہ میں تکلفاً پیشانی رگڑ کر اس پر کالا داغ بنانے کا بیان

بعض علماء و عوام اپنی پیشانیوں اور ناک پر کباب کی طرح مضبوط کالا نشان بناتے ہیں، تاکہ لوگوں پر اپنی پرہیز گاری ظاہر کریں۔ حالانکہ یہ خوارج کی علامت ہے۔

تفسیر الصاوی علی الجلالین میں اس آیت کریمہ: سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ کے تحت لکھا ہے:

اختلف فی تلک السیما فقیل انّ مواضع سجودھم یوم القیمۃ تری کالقمر لیلۃ البدر وقیل ھو صفرۃ الوجوہ من سھر اللّیل وقیل الخشوع الذی یظھر علیٰ الاعضاء حتّٰی یتوأی انّھم مرضیٰ ولیسوا بمرضیٰ ولیس المراد بہ مایصنعہ بعض الجھلۃ المرائین من العلامۃ فی الجبھۃ فانّہ من فعل الخوارج۔ وفی الحدیث انّی لأبغض الرّجل واکرھہ اذا رأیت بین عینیہ اثر السجود۔

ترجمہ: اختلاف کیا گیا ہے اسی علامت کے بارے میں پس بعض نے کہا ہے کہ ان کے سجدے کی جگہ قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ علامت چہرے کی زردی ہے۔ شب بیداری کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ خشوع جو ان کے اعضاء پر ظاہر ہو اور وہ مریض دکھائی دے۔ حالانکہ وہ مریض نہیں ہوتے۔ اور اس علامت (سِیمَا) سے مراد وہ نہیں ہے جو بعض جاہل ریاکار کرتے ہیں، جیسے کہ پیشانی پر نشانی بنادیتے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی پیشانی پر سجدے کا اثر ظاہر کرنے کے لئے نشان بنانا خوارج کا فعل ہے۔[1]

اور حدیث میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) میں ناپسند کرتا ہوں اور مکروہ جانتا ہوں اس شخص کو جس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا اثر دیکھتا ہوں۔

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ پیشانی پر یہ نشان خوارج کی علامت ہے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ کے تحت مفسر قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں:

سیما کا معنی علامت ہے۔ یعنی قدوسیوں کی اس جماعت کو پہچاننا مشکل نہیں۔ ان کے چہروں پر نور ایمان کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھنے والا انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے کہ یہ آغوشِ نبوت کے پروردہ ہیں، یہ نگاہِ رسالت کے فیض یافتہ ہیں۔ ان کے حسین اعمال کا نکھار اور ان کے قلوب کی پاکیزگی اور روح کی طہارت دلوں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔

---

[1] (تفسیر الصاوی علی الجلالین ج۴ ص ۸۹ مکتبہ نوریہ رضویہ)

سِیۡمٰی سے مراد وہ گٹا نہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: سِیمَاهُمۡ فِیۡ جِبَاهِهِمۡ۔ ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نورِ باطن ہے جو اُن کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس سِیۡمَا سے مراد وہ نشان ہے جو پیشانی پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ بسا اوقات اونٹ کے گھٹنے کے برابر یہ نشان کسی شخص کے ماتھے پر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

عبد العزیز مکی سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ لاغری اور زردی بھی نہیں بلکہ اس سے وہ نور مراد ہے جو عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں کے باطن سے ان کے چہروں پر جھلکتا ہے خواہ وہ عابد زنگی اور حبشی کیوں نہ ہو، **ولكنه نور يظهر على وجوه العابدين يبدو من باطنهم على ظاهرهم۔۔۔۔ ولو كان في زنجي أو حبشي۔**[1]

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے:

قال بعض السلف: من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه۔

کہ بعض بزرگوں نے فرمایا جو رات کے وقت بکثرت نماز پڑھتا ہے، دن کے وقت اس کا چہرہ بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔[2]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں لیکن ابن کثیر کہتے ہیں:

والصحيح أنه موقوف. وقال بعضهم: إن للحسنة نوراً في القلب وضياء في الوجه وسعة في الرزق ومحبة في قلوب الناس۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے دل میں ایک نور، چہرے میں چمک، رزق میں فراخی اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔[3]

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

ما اسر احد سريرة الا ابداها الله تعالىٰ على صفحات وجهه وفلقات لسانه۔

یعنی جو شخص کوئی کام چھپ کر بڑی رازداری سے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس کے چہرے اور اس کے کلام میں زیادہ نمایاں کر دیتا ہے۔

---

[1] (روح المعانی، ج ۱۳، ص ۲۷۸، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

[2] (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۴۶، الناشر: دار الفکر)

[3] (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۴۷، دار الفکر)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب نصاری نے ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا جنہوں نے شام کا ملک فتح کیا تو وہ کہہ اٹھے: واللہ لھؤلآء خیر من الحواریین۔ خدا کی قسم یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بندہ کو فرمایا جس کی ناک پر کالا نشان بنا ہوا تھا کہ نہ اپنی صورت کو عیب والا بناؤ۔ یعنی اپنی صورت سے کھیلا مت کرو۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے وہ کالا نشان مراد نہیں جو آپ لوگ خوارج کی پیشانیوں میں دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ اس سے اسلامی نشانیاں اور جلد کی نرمی اور عاجزی مراد ہے۔[3]

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے ماتھے پر بھڑ کے گھٹنے کی طرح نشان تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر آپ کی پیشانی پر یہ نشان نہ ہوتا تو بہت اچھا ہوتا یعنی کاش کہ آپ کی پیشانی پر یہ کالا نشان نہ ہوتا۔[4]

سنن الکبری میں ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ جَنَاحُ بْنُ نَذِيرِ بْنِ جَنَاحٍ الْمُحَارِبِيّ بِالْكُوفَةِ أنبأ أَبُو جَعْفَرِ بْنُ دُحَيْمٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ حَازِمٍ، أنبأ أَبُو نُعَيْمٍ، ثنا الْعُمَرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عُمَرَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا حَاضِنُكَ فُلَانٌ، وَرَأَى بَيْنَ عَيْنَيْهِ سَجْدَةً مَا هَذَا الْأَثَرُ بَيْنَ عَيْنَيْكَ فَقَدْ صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَهَلْ تَرَى هَاهُنَا مِنْ شَيْءٍ؟۔

ترجمہ: ایک شخص آیا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سلام کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں بچپن میں تمہارا خادم تھا اور فلاں میرا نام ہے اور اس شخص کی پیشانی میں کالا نشان تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری دونوں آنکھوں کے درمیان یہ نشان یعنی یہ کالا نشان کس وجہ سے ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] (تفسیر ضیاء القرآن، ج4، ص569، 570)

[2] (تہذیب الآثار للطبری، ج5، ص339)

[3] (تفسیر طبری، ج22، ص264، تفسیر بغوی، ج7، ص324، زاد المسیر، ج5، ص394، تفسیر الخازن، ج5، ص454، الکشف والبیان، ج12، ص243)

[4] (سنن البیهقی، ج2، ص286، مصنف ابن ابی شیبہ، ج1، ص273)

عنہم کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ کیا تو میری پیشانی پر کچھ نشان وغیرہ دیکھ رہا ہے؟ یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعجب کر رہے ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ان کے خلفاء کی پیشانیوں میں نہیں ہے تو تمہاری پیشانی میں کیوں ہے؟ جس کی وجہ سے تم نے اپنے چہرے کو خراب کیا ہے۔ تو اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیشانیوں میں یہ کالے نشان نہیں تھے۔ جب کسی ایک کو دیکھ لیا کہ اس کی پیشانی میں یہ کالا نشان ہے تو فوراً ابرا جانا اور رد کیا اور فرمایا: مَا هَذَا الْأَثَرُ بَيْنَ عَيْنَيْكَ؟ یہ پیشانی میں کیسے نشانات ہیں؟ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ وقت گزارا، کیا میری پیشانی میں تم لوگوں کو کچھ نظر آرہا ہے؟ یہ ایک عجیب رد ہے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کی پیشانی میں کالا نشان دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے چہرے کو بدنما اور عیب والا نہ بناؤ۔ اس لئے کہ چہرہ کالے نشان کے ساتھ چہرہ عیب والا ہو جاتا ہے۔[2]

امام بیہقی سنن الکبری للبیہقی میں ایک اور روایت ذکر کرتے ہیں:

عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ رَأَى أَثَرًا، فَقَالَ: "يَا عَبْدَ اللهِ إِنَّ صُورَةَ الرَّجُلِ وَجْهُهُ فَلَا تَشِنْ صُورَتَكَ۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کسی شخص کی پیشانی پر نشان دیکھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! بندے کی خوبصورتی تو اس چہرے میں ہے۔ چہرے کو عیب والا اور بدنما مت بناؤ۔[3]

ابن شیبہ کی روایت درج ذیل ہے:

عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ، فَرَأَى رَجُلًا قَدْ أَثَّرَ السُّجُودُ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ: «إِنَّ صُورَةَ الرَّجُلِ وَجْهُهُ، فَلَا يَشِينُ أَحَدُكُمْ صُورَتَهُ۔[4]

معجم الکبیر میں لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُزَيْقِ بْنِ جَامِعٍ الْبَصْرِيُّ، ثنا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْمَرْوَزِيُّ، ثنا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى السَّيْنَائِيُّ، عَنِ الْجُعَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ إِذْ جَاءَهُ الزُّبَيْرُ بْنُ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، وَفِي وَجْهِهِ

---

1 (السنن الکبری للبیہقی، ج ۲، ص ۲۸۶)

2 (مسند ابن الجعد، ج ۱، ص ۹۵)

3 (السنن الکبری للبیہقی، ج ۲، ص ۲۸۶، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱، ص ۲۷۳)

4 (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۲۷۳)

أَثَرُ السُّجُودِ. فَلَمَّا رَآهُ قَالَ: «مَنْ هَذَا؟» قِيلَ: الزُّبَيْرُ قَالَ: «لَقَدْ أَفْسَدَ هَذَا وَجْهَهُ، أَمَا وَاللهِ مَا هِيَ السِّيمَاءُ الَّتِي سَمَّاهَا اللهُ، وَلَقَدْ صَلَّيْتُ عَلَى وَجْهِي ثَمَانِينَ سَنَةً مَا أَثَّرَ السُّجُودُ بَيْنَ عَيْنَيَّ.

حضرت جعید بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں حضرت سائب بن یزید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت زبیر بن سہیل بن عبد الرحمٰن بن عوف یعنی کہ آپ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ آئے اور آپ کی پیشانی میں کچھ سجدوں کے نشانات تھے تو جب حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے کہ پیشانی میں نشان بنائے ہوئے ہیں؟ کسی نے کہا کہ زبیر بن سہیل ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انہوں نے اس کالے نشان کی وجہ سے اپنے چہرے کو فاسد کیا ہوا ہے، پھر فرمایا خبردار اللہ کی قسم! یہ وہ سیما نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصف بیان کیا ہے۔

دیکھو صحابی ہے قسم کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ وہ سیما نہیں ہے جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔ [1]

حضرت امام اہلسنت قامع بدعت ناصرِ ملت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی حاجی قاری شاہ احمد رضا خان صاحب قدس اللہ اسرارہم نے فتاویٰ افریقیہ میں ایک سوال کے جواب میں کالے نشان کی مکمل تشریح کی ہے۔ [2]

فقیر سید احمد علی شاہ کہتے ہیں کہ اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور خود آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے شمائل کا بغور مطالعہ کریں تو انہوں نے سخت پتھروں اور گرم ریت پر سجدے کیئے لیکن ان کی جبینوں پر کالا نشان نہیں تھا۔ آج کل نرم نرم قالینوں پر سجدے کرنے، تبلیغی جماعت کے ساتھ سہ روزہ اور ایک مہینہ رہنے کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو ان کے ماتھوں پر کالے کالے نشان ہوتے ہیں۔

اس وجہ سے اعلیٰ حضرت نے اپنے فتاویٰ افریقہ میں لکھا ہے:

قال البقاعي ولا يظن أن من السيما ما يصنعه بعض المرائين من هيئة أثر السجود في جبهته، فإذا ذلک من سيما الخوارج، وفي نهاية ابن الأثير في تفسير الثفن، ومنه حديث أبي الدرداء رضي الله عنه: رأى رجلا بين عينيه مثل ثفنة العنز، فقال: لو لم يكن هذا لكان خيا يعني كان على جبهته أثر السجود، وإنما كرهها خوفا من الرياء بها، وقد روى صاحب الفردوس عن أنس رضي الله عنه عن النبي (صلى الله عليه وسلم) أنه قال: إني لأبغض الرجل وأكرهه إذا رأيت بين عينيه أثر السجود۔ [3]

---

[1] (المعجم الکبیر، ج۷، ص۱۷۸، مجمع الزوائد، ج۷، ص۱۱)

[2] (السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ، ص۷۰، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی)

[3] (نظم الدرر، ج۷، ص۲۱۶)

یعنی یہ نشانِ سجدہ جو بعض ریاکار اپنے ماتھے پر بنا لیتے ہیں یہ اس نشانی سے نہیں، یہ خوارج کی نشانی ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت مرفوع آئی ہے کہ میں آدمی کو دشمن و مکروہ رکھتا ہوں جب اس کے ماتھے پر سجدہ کا اثر دیکھتا ہوں۔

پس وہ لوگ جن کے ماتھوں پر یہ کالے داغ ہیں ان کو چاہیئے کہ کثرت کے ساتھ استغفار پڑھیں اور کسی جلد کے اچھے اور قابل ڈاکٹر کے پاس جا کر اس نشان کا علاج کروائیں۔ واضح رہے کہ بعض سنی علماء کرام کے ماتھوں پر نشان ہوتا ہے تو وہ سرخ ہوتا ہے نہ کہ سیاہ نشان۔ یہاں پر یہ نشان بنانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی لانے کے مترادف ہے۔

(۱۶) باب نمبر سولہ: مسئلة الاشارة بالسبابة

حمد و صلوٰۃ کے بعد اولیاء کرام کا خادم فقیر سید احمد علی شاہ عرض پرداز ہے کہ استدلال کرنے والا مجتہد ہو گا یا مقلد اگر مجتہد ہو گا تو وہ استدلال کرے گا قرآن مقدس سے یا سنت رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصول فقہ شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہو گی۔

جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے ص ۱۱ میں اپنے اس قول میں کہا ہے:

"واماالمقلدفمستندہ قول مجتھدہ۔الخ۔"

ترجمہ: اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہو گا۔

شرح طریقہ محمدیہ ج ۲، ص ۶۵ کے مؤلف لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلدھو قول المجتھد الخ ایضا۔

ترجمہ: اورس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔[1]

میں بھی ایسا ہی ذکر ہے۔

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے پس جاننا چاہئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا قول وہ نص سے ہو گا اور وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کا دوسرا نص معارض ہو گا کہ یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہو گی یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہو گا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا ہو گا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے۔

جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلدھو قول المجتھد لاالنصوص اذا استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء اذا یحتمل کون النص اجتھادیا ولہ معارض قوی وتاویل وتخصیص وناسخ وغیرھا ممایختص بمعرفتہ المجتھد وان ذالک کالرائی فی مقابلة النص الخ۔

[1] (ج ۱، ص ۲۵۴، ج ۱، ۱۴۷، ج ۲ ۱۰۱۲)

ترجمہ: اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابلہ نص میں واقع ہو۔"[1]

اور اسی موئلف بریقہ نے ذکر کیا ہے:

وکان احتجاج المعترض بالحدیث کان رایا فی مقابلۃ النص وترجیح المرجوح علی الراجح وقد کان دلیل المقلدھو قول من قلدہ لاغیر وان الاحتجاج ھو منصب الاجتھاد۔ الخ۔

"اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور رائے نص کے مقابل میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہوگی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج اجتہاد کے قبیلہ سے ہے"۔[2]

آگے لکھتے ہیں:

"وان ادلۃ المقلد لیست الا قول المجتھد ولھذا اذا ظھر التعارض بین اقوال الفقھاء وبین آیات وحدیث فیقدم قول الفقھاء لان معرفۃ علی وجہ التحقیق لمجتھد فلعل لتلک الآیۃ مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخًا اطلع علیہ المجتھد ولم تطلع انت الخ۔

اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہو سکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیت وحدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھو گے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہ آیت معارض ہوگی یا مخصص یا اس میں تاویل ہوگی یا اس کے لئے ناسخ ہوگی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہوگی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو"۔[3]

اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا۔

جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"ومن شان المقلد ان لایخرج عن قول امامہ الخ"۔

مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

---

[1] (بریقۃ، ج ۱، ص ۶۵)
[2] (بریقۃ، ج ۲، ص ۱۰۱) وایضا، ج ۱ ۹۱، ۱۴۷، ۱)
[3] (بریقہ ص ۲۵۴ ج ۱)

اور اسی بات کو امام شعرانی اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھتے ہیں:

"فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتهد الی ان قال و کذالک یجب علیه الاعتقاد الجازم بان ذالک الامام علی هدی من ربه فی ذالک"۔

تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے اور اس طرح اس پر پختہ یقین واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[1]

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے:

"فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک الخ"۔

تو اے میرے بھائی ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تو واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے۔

اور اسی بات کو مؤلف تفسیر احمدی لکھتے ہیں:

"ولیس للمقلد ان ینازع المجتهد فی حکمه الخ۔

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے اور کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولو الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے شارع علیہ السلام کی طرف خطا کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔[2]

اور اسی بات کو صاحب میزان شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" میں یوں لکھا ہے:

"لا ینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتهد اا و یطعن فی کلامه لان الشرع الذی هو حکم الله تعالیٰ قد قرر حکم المجتهد فصار شرع الله تعالیٰ بتقریر الله تعالیٰ ایاه فکل من خطأ مجتهد ابعینه فکانه خطأ الشارع فیما قرره حکماً الخ"۔

کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرع اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے شرع اللہ کا ہوا خاص اس کے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاءوار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔[3]

---

[1] (میزان الکبریٰ ص ۵۹ ج ۱)

[2] (تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۹)

[3] (میزان الکبری ص ۲۶)

اشارہ بسبابہ تشہد میں تحقیق

جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک کے علماء کرام اس مسئلہ ''اشارہ'' میں مختلف ہیں بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اشارہ سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس وجہ سے دونوں میں افراط و تفریط ہوئی ہے وہ ایسا ہے کہ اشارہ شہادت کی انگلی سے بہت سی احادیث اور بے شمار روایات میں مختلف کیفیات کے ساتھ وارد ہے تو اس وجہ سے مذاہب ثلاثہ کے علماء اس کی سنت کی طرف گئے ہیں لیکن امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی سنت اشارہ منقول نہیں نہ قولاً اور نہ فعلاً یا ان احادیث کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یا بوجہ اختلاف جو کہ متن میں واقع ہے جو موجب ہوا اضطراب کا جو توقف کو مؤجب بناتا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ منسوخ ہو چکی ہیں تو کتب ستہ (للامام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) جو مسمی ہیں ظاہر المذہب اور ظاہر الروایۃ کے ساتھ تو یہ اشارہ شہادت کی انگلی کے ساتھ تعرض سے خالی ہیں اور متون جو وضع کئے گئے ہیں مذہب کے نقل کرنے میں وہ سبھی خالی ہیں اور اس بات سے کہ اشارہ سنت ہے۔ یہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ ظاہر الروایت کی کتابیں جب ساکت ہیں اشارہ شہادت کی انگلی سے تو یہ نفی اشارہ کے لئے دلیل کس طرح ہو سکتی ہیں؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ علماء اصول فقہ نے اقسام بیانات میں ذکر کیا ہے کہ حاجت کی جگہ سکوت بیان کے لئے بیان ہے۔ جیسا کہ شفیع کا ساکت ہونا علم البیع کے وقت شفع کی طلب سے تو یہ دلیل تسلیم کی ہے اور صاحب شرع کا ساکت ہونا جس وقت وہ دیکھے اور اس کی طاقت اس کے منع پر بھی ہو اور یا حکم بھی دے سکتا ہو تو یہ دلیل ہے کہ وہ کام جائز ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ثبوت اشارہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول نہیں ہے لیکن ثابت ہوا صاحب اشارہ سے تو مؤمن کے لئے جائز ہے کہ وہ اعتراض کرے عما ثبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو یہ کام مجتہد کا ہے اور ہمیں اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے استخراج کی طرف ان کی طرح اور مجتہد کی دلیل کتاب و سنت اجماع صحابہ اور قیاس ہے۔ اور جو مقلد ہے دلیل اس کی مجتہد کا قول ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ایک حدیث حضور معلم و مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام محمد رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے اشارہ تشہد میں ثابت ہوتا ہے۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ فرمایا ہے:

وبصنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناخذ ھذا قولی و قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

کہ ہم حضور ﷺ کے کرنے سے اس پر عمل کرتے ہیں یہ میرا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

لیکن یہ روایت ظاہر الروایت میں مندرج نہیں ہے تو انکی کتب کا مقابلہ ظاہر الروایات کے ساتھ روایت مع المذھب کا ہے پس لازم ہے مفتی مقلد پر کہ وہ مذہب پر فتویٰ دے نہ کہ روایت پر۔

محقق ابن عابدین شامی نے فرمایاہے:

"کل ما یخالف ظاهر الروایة فهو دلیل رجوع الامام عنه فلا ینبغی ان یفتی به وان العمل والافتاء بالاقوال الضعیفة والروایات المرجوحة جهل وخرق الاجماع"۔

جو روایت ظاہر الروایت کی مخالف ہو تو وہ امام کے اس سے رجوع کی دلیل ہے تو اس کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ اس پر فتویٰ دے کیونکہ عمل اور افتاء دینا اقوال ضعیفہ اور مرجوحہ روایات پر اجماع کو توڑنا ہے تو احناف کے معمولات میں سے یہ ہے کہ وہ عدم اشارہ پر فتویٰ دے کیونکہ مقلدین کی کتب مختلف ہیں اشارہ کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں لیکن اشارہ کی ممانعت فتویٰ مضبوط کے ساتھ پیوست ہے۔

دیکھو فتاویٰ عالمگیری وہ لکھتے ہیں:

"نقلاًعن الخلاصة وعلیه الفتویٰ کذافی المضمرات ناقلاًعن الکبریٰ وکثیر من المشائخ لایرون الاشارہ۔

خلاصۃ الفتاوی سے نقل کرتے ہیں اور اس پر فتویٰ ہے ایسا ہی مضمرات میں ہے وہ کبریٰ سے نقل کرتے ہیں اور زیادہ مشائخ اشارہ نہیں کرتے تھے۔[1]

وقال فی در المختار "الاعتماد علی ماعلیه الجم الغفیر المختار انه لایشیر وهو المختار"۔

اور شامی میں ہے کہ جم غفیر کا اعتماد اس پر ہے کہ وہ اشارہ نہیں کرتے تھے اور یہ بات انہوں نے پسند کی ہے۔[2]

ایسا ہی فتویٰ غوثیہ میں اشارہ کے نہ کرنے کو مختار کہا ہے۔ وہ کتابیں جن میں اشارہ سبابہ (انگلی) سے منع لکھا ہے وہ یہ ہیں۔[3]

فتاویٰ قاضی خان سراجیہ ص ۱۱ نے مکروہ کہا ہے اور شیخ بدالدین سرہندی نے اس کو مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں حرام اور منع لکھا ہے۔

اگر ان دونوں روایتوں کو برابر تسلیم کیا جائے تو بھی اشارہ کا ترک کرنا بہتر ہے۔[4] کے اس قول کے مطابق اذتردد الحکم بین السنة والبدعة کان ترک السنة اولیٰ۔ جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے اور بہتر بیان مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ربانی کا ہے۔[5]

---

[1] (فتاوی عالمگیری ص ۴۷ ج ۱)
[2] (خلاصة ص ۵۵ در المختار، ص ۸۰ ج ۲)
[3] (شرح الیاس ص ۱۲۸، ج ۱)
[4] (در المختار ج ۱ ص ۴۵۰)
[5] (ج ۲ ص ۱۲۶ مکتوبات)

نوٹ: حدیث اشارہ خبر واحد ہے اور خبر واحد علماء اصول کے نزدیک مشروط ہے دس شرائط پر پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عام حادثہ کے مخالف نہ ہوگی اور اشارہ کے اثبات والی حدیث عام حادثہ کے مخالف ہے پانچ وقت نماز کے لئے ہر وقت حاضر ہونا ضروری ہے اور دوسرے ساتھی بھی حاضر ہوتے ہیں تو وہ کچھ نہیں کہتے اور صرف ایک صاحب کہتا ہے یہی بات شرح العقائد نے لکھی ہے۔[1] اور اشارہ اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ تمام احادیث اشارہ کے اثبات والی وہ تمام کی تمام مضطرب ہیں بغیر امکان توفیق کے اور مضطرب کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہ احادیث موقوف العمل ہیں تو ایسا ہوا کہ اس دنیا میں یہ احادیث موجود نہیں ہیں۔

"وان وقع فی الاسناد او المتن اختلاف من الرواة بتقديم وتاخير او زيادة ونقصان او ابدال راوٍ مكان راوٍ آخر او متن مكان متن او تصحيف فی اسماء السندا و اجزاء المتن او باختصار او حذف ومثل ذالک فالحديث مضطرب الخ"۔

ترجمہ: اگر اسناد یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو یا اس کی تقدیم یا تاخیر یا زیادت و کمی یا ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی یا متن کی جگہ متن یا اسماء السند میں تصحیف یا متن کے اجزاء میں یا اختصار و حذف میں یا ان جیسا تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے۔

مقدمة المشكوة لشيخ عبدالحق الدهلوی (ص ۲) فان امكن الجمع فبها و الا فالتوقف۔

مقدمہ مشکوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہی بات لکھی ہے اور اگر دونوں کا اکٹھا ہونا مناسب ہو تو ٹھیک ہے اگر دونوں کو اکٹھا کرنا مناسب نہ ہو تو پھر اس میں توقف ہے۔[2]

اضطراب کی وجوہات

پہلی وجہ: **قبض اصابعه كلها (الحديث)**[3] تمام انگلیوں کو بند رکھے۔

دوسری وجہ: **و قبض ثنتين و حلقه (الحديث)**[4] یعنی دو انگلیوں کو بند رکھے اور باقی انگلیوں سے حلقہ بنائے۔

تیسری وجہ: ترپین کا عقد بنائے۔[5]

چوتھی وجہ: تیئیس کا عقد بنائے۔[6]

---

[1] (ص ۴۴، ۸۱)

[2] (مقدمة الشيخ المذكور)

[3] (حديث ابن عمر موطاء امام مالک ص ۹۶ و موطاء محمد ص ۱۰۸)

[4] (ابو داؤد، دارمی ثم مشکوۃ ص ۷۷)

[5] (حديث ابن عمر و مسلم ثم المشکوۃ ص ۷۷)

[6] (حديث ابن زبير مسلم ثم المشکوۃ ص ۷۷)

پانچویں وجہ: مد مرفقه الایمن علی فخذه الیمنیٰ۔ دائیں کف کو کھینچے دائیں ران پر۔[1]
وضع کفه الیمنیٰ علی فخذه الیمنیٰ۔ دائیں کف کو دائیں ران پر رکھنا۔[2]
چھٹی وجہ یہ ہے وضع ابهامه علی اصبعه الوسطی۔ انگوٹھے کو درمیان والی انگلی پر رکھنا۔[3]
ساتویں وجہ یہ ہے یحرکھا کہ اس سبابہ انگلی کو ہلائے۔[4]
اس میں اثبات دوام تجددی حرکت ہے۔ لا یحرکھا۔ کہ اس انگلی کو نہ ہلائے۔[5]
اس حدیث میں نفی دوام تجددی حرکت ہے اور ان وجوہات کی بنا پر ان روایات کی موافقت ممکن نہیں ہے۔ مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حکم کیا ہے کہ اشارہ بسبابہ کی تمام احادیث مضطرب ہیں۔[6]

مولانا بحر العلوم عبد الجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تنبیہہ الاخوان میں لکھا ہے کہ اشارہ کے بارے میں احادیث تشہد میں مشکوٰۃ شریف ص ۸۵ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور وائل بن حجر اور پھر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فصل ثانی اور نافع سے مختلف روایات ذکر ہیں اور کیفیت اس کی پانچ یا سات طور ہیں تو تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ میں فرمایا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں: قال الحمیدی قوله و انما یوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم هذا لفظ البخاری و کذا فی البخاری (ص ۹۶) حمیدی نے فرمایا اس کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے آخری فعل سے اخذ کیا جاتا ہے اور وہ آخری فعل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

تو حاصل یہ ہوا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے:
"ان الذی یجب به العمل هو ما استقر علیه آخر الامر من النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و ما کان قبله من ذالک مرفوع الحکم و هو الذی ذهب الیه ابو حنیفه و الشافعی و الثوری و جمهور السلف رحمۃ اللہ علهیم اجمعین۔[7]
"و عمل کرده نمی شود مگر بہ آخر پس از فعل پیغمبر کہ ناسخ فعل اول است"۔

---

[1] (الحدیث حدیث وائل بن حجر ابو داؤد، دارمی، مشکوٰۃ ص ۷۷)
[2] (موطاء امام مالک ص ۹۶ و موطاء امام محمد ص ۱۰۸)
[3] (حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما) ابن ماجه و المشکوٰۃ ص ۷۷)
[4] (حدیث وائل بن حجر ابو داؤد دارمی مشکوٰۃ)
[5] (ابن زبیر ابو داؤد، نسائی مشکوٰۃ ص ۷۷)
[6] (مکتوبات ص ۳۱۲)
[7] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۲۶ حاشیہ ص ۲) و کذا قال اشعۃ اللمعات (ترجمہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۸۸)

"و کذا ص ۲۱۹ عمدة القاری للعینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الجزء الخامس"۔ وہ جس پر عمل واجب ہے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری حکم ہے اور اس سے جو پہلا حکم ہو اس کا حکم اٹھایا جاتا ہے اور اس بات کی طرف امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام ثوری اور جمہور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم گئے ہیں اور اشعۃ اللمعات میں بھی ایسا ہی فرمایا گیا ہے کہ عمل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل پر ہو گا اور وہ فعل اول کا ناسخ ہے ایسا ہی عمدۃ القاری میں ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری فعل سے اشارہ کے متعلق معلومات کسی کو حاصل نہیں ہیں تو اس وجہ سے فقہاء اور اکابرین کے درمیان اشارہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اس کو مکروہ کہتے اور بعض اس کو حرام کہتے ہیں جیسا کہ ظہیری اور خلاصۃ الفتاویٰ اور عتابیہ وبزازیہ وتارتارخانیہ وجامع المضمرات وغیرہ میں ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"والمختار انہ لا یشیر وعلیہ الفتویٰ وکثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ وکرھھا کذا فی التبیین"۔

مختار یہ ہے کہ اشارہ نہیں کرنا چاہئے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت نہیں جانتے تھے اور اس کو مکروہ جانتے تھے ایسا ہی تبیین میں لکھا ہے۔[1]

تو یہ اختلاف کیفیت اشارہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ہے اور ایسا ہی اختلاف اکابر علماء سے کیفیت کے بارے میں ہے تو تحقیق اس بارے میں یہ ہے کہ اشارہ نہ کرے اس لئے کہ صلوۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عام ہے اور حادثہ بھی عام ہے اور ہر صحابی کی روایت میں کیفیت کی خصوصیت نہیں ہے مگر یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

قال فی فصول الشاشی "ومن صور مخالفتہ الظاھر عدم اشتھار الخبر فیما یعم بہ البلویٰ فی الصدور الاول والثانی فاذا لم یشتھر الخبر مع شھرۃ الحاجۃ وعموم البلویٰ کان ذالک علامۃ عدم صحۃ (ص ۷۷) فصول الشاشی وھو مختار ابی حسن الکرخی من اصحابنا المتقدمین وھو مختار المتاخرین منھم۔

فصول شاشی میں ہے ظاہر کی مخالفت کی شکل یہ ہے کہ جہاں عام بلویٰ ہو اور خبر کی شہرت نہ ہو پہلے اور دوسرے زمانوں میں اور جب سخت حاجت اور بلویٰ کے ساتھ بھی خبر کی شہرت نہ ہو تو یہ عدم صحت کی علامت ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ ابی الحسن کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی متقدمین میں سے مختار روایت ہے۔ اور متاخرین میں سے بھی یہ اختیار کیا گیا ہے۔[2]

---

[1] (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۸)

[2] (فصول الشاشی ص ۲۷۲)

اور ایسا ہی مولوی علی الحسامی میں ہے:

"حتی لو کان ورودہ فیما یعم بہ البلوی یعنی ورود الخبر الواحد لا یقبل لان خبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیما بہ البلویٰ لو یقتصر علی مخاطبۃ الاحاد بل یلقیہ الی عددٍ قد یحمل بہ التواتر فی الشیاعۃ یشتہر علم انہ سہو اومنسوخ"۔

یہاں تک کہ عموم بلویٰ میں وہ وارد ہو یعنی خبر واحد کا ورود ہو تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث اس معاملہ میں جہاں بلویٰ ہو تو خبر واحد پر اقتصار نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ کئی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ جن کے شائع ہونے میں تواتر حاصل ہو اور انکا جاننا مشہور ہو تو وہ یا سہو میں سے ہو گا یا منسوخ ہو گا۔[1]

اختلاف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اشارہ کی کیفیت کے بارے میں ثبوت ہوا خبر واحد کے لئے اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے اگر بعض صاحبان یہ کہیں کہ تعدد خبر واحد میں نقل کے طریقہ سے یہ شہرت پیدا کر دیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ خبر واحد میں تعدد خبر کو مشہور بنا دیتا ہے لیکن جب کیفیت واحدہ میں ہو اور جب کیفیت مختلف ہو اور وہ احادیث مذکورہ کیفیت میں مختلف ہو تو ہر ایک کیفیت اپنے ہاں الگ الگ خبر واحد بنا اور خبر واحد حادثہ عامہ میں غیر مقبول ہے تو ثابت ہوا اشارہ کا ترک ہونا۔

تو مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات حصہ اول میں لکھا ہے:

"بحث الاشارۃ فعلی المنکرین ان یطالعھا"۔

اشارہ سبابہ انگلی سے مذہب حنفی میں حرام ہے۔

جیسا کہ قول خلاصہ کیدانی ہوا:

"والاشارۃ بالسبابۃ ای حرام"۔

یعنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرنا حرام ہے۔

"کاھل الحدیث الذین لا یفرقون بین الناسخ والمنسوخ والراجح والرجوح ویغفلون من المعنی الفقھی فیقع لھم الغلط کثیرا"۔

یعنی اہل حدیث وہ ہیں جو فرق نہیں کرتے ناسخ اور منسوخ کے درمیان یعنی اشارہ کی احادیث منسوخ ہیں یا مرجوح ہیں اور عمل مرجوح یا منسوخ پر حرام ہے جیسا کہ علامہ شامی نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے۔ اور دوسرا معنیٰ اہل حدیث کا یہ ہے کہ وہ فقہ کے معنیٰ سے غافل ہیں یعنی علت کو نہیں جانتے اور اشارہ کی علت ابتداء اسلام میں یہ تھی کہ اعتقاد کے ساتھ اور زبان سے اور اعضاء سے توحید کی طرف اشارہ کیا جائے اب اسلام مضبوط ہے تو اس کی حاجت نہیں اور ابتداء اسلام میں نماز کے اندر سلام اور کلام

[1] (مولوی شرح حسامی ص ۲۹۰ حاشیہ ۱، وکذا ص ۹۱)

جائز تھا تو اشارہ بھی ثابت تھا اب سلام کلام منسوخ ہے تو اشارہ بھی منسوخ ہے تو ضد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم حق کو دیکھیں گے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ملا علی قاری نے خلاصہ کیدانی پر رد کیا ہے اور کہا کہ صاحب خلاصہ کیدانی نے اپنی کتاب میں ایک بات ذکر کی ہے جیسا کہ ڈھول میں آواز پیدا ہو جائے، اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کو حرام کہنا نا جائز ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صاحب خلاصہ کیدانی کی بے ادبی ہے اگر خلاصہ کیدانی معتمد کتاب نہ ہوتی تو میر سید السند الجرجانی اس پر شرح کیوں لکھ دیتے اور دوسری کتاب یعنی شرح علامہ تفتازانی کی نہ ہوتی اس لئے کہ وہ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور اس نے خلاصہ کیدانی کی شرح لکھی ہے کہ اس کا نام سعدیہ شرح خلاصہ کیدانی ہے اور ان دونوں علماء نے اس مسئلہ کارد نہیں لکھا ہے اور دوسری بات حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو حرام کہنا نسخ کے بعد ہے اور یا ترجیح کے بعد ہے نہ کہ مطلق اگر آیت منسوخ ہو جائے تو اس پر بھی عمل کرنا حرام ہے اور فقہ کی بہت سی کتابوں میں مکروہ اور حرام بھی کہا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ذکر کیا ہے:

"قیل یشیر و قیل لایشیر و المختار لایشیر"۔

کسی نے کہا ہے کہ اشارہ کیا جائے اور کسی نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے لیکن مختار یہ ہے کہ اشارہ سبابہ انگلی سے نہ کیا جائے۔ اور فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء نے اتفاق سے مرتب کیا ہے اور آٹھ سال میں مرتب ہوئی اور اس وقت اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور بہت سے فقہاء نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ اشارہ نہ کرے جیسا کہ صاحب تنویر الابصار نے لکھا ہے:

"و لا یشیر بالسبابة عند التشهد و علیه الفتوىٰ"۔

تشہد کے وقت سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کریں اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1]

جامع الرموز میں بھی لکھا ہے کہ: "اشارہ نہیں کرنا چاہئے اسی پر فتویٰ ہے۔"

صاحب واقعات نے لکھا ہے: **"ان الاشارة حرام"**۔ بے شک اشارہ حرام ہے۔ وعلیہ الفتویٰ اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب غرائب نے بھی لکھا ہے: **"و الصحیح ان الاشارة حرام"**۔ کہ صحیح یہ ہے کہ بے شک اشارہ حرام ہے۔

محیط میں بھی لکھا ہے کہ "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ" خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے **"المختار انه لا یشیر"** مختار یہ ہے کہ اشارہ نہ کیا جائے۔

---

[1] (تنویر الابصار والدر المختار ج ۱ ص ۲۴۲ ھندیه ج ۱ ص ۱۵۰، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۴، شبلی ج ۱ ص ۱۲۱)

فتاویٰ غیاثیہ میں بھی لکھا ہے:

"ولا یشیر بالسبابة عند التشهد وهو المختار وعليه الفتوىٰ"۔

تشہد میں سبابہ انگلی سے اشارہ نہ کرے یہ قول مختار ہے۔

تار تار خانیہ میں لکھا ہے کہ: "اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

زاھدی میں لکھا ہے: "لا یشیر و علیه الفتوىٰ"

مفاتیح الجنان میں بھی لکھا ہے: "لا یشیر و علیه الفتوىٰ"

منظومہ نامی کتاب میں لکھا ہے: "ولا شک فی تحریمه" کہ اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں۔

تو معلوم ہوا کہ اشارہ کرنا نماز میں منع ہے مذہب حنفی میں اب اگر کوئی امام صاحب کا مذہب چھوڑدے تو امام صاحب قیامت کے دن اس کو گلے سے پکڑیں گے کہ تم نے میرا مسلک کیوں چھوڑ دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

"من اشار بالسبابة فهو مِن الخاطئين"۔

جس نے سبابہ انگلی سے اشارہ کیا تو وہ خطا کاروں میں سے ہے۔[1]

دوسری بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفاء حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔

ان مقدس حضرات سے بھی اشارہ منقول نہیں ہے کہ ان حضرات نے بھی اشارہ کیا ہے اگر یہ زیادہ ضروری ہوتا تو یہ حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ قریب تھے اور دوست تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اشارہ نہیں فرمایا ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ شیطان اس پر خفا ہوتا ہے تو شیطان منسوخ کام کے چھوڑنے پر خفا ہوتا ہے نہ کہ منسوخ کام کے کرنے پر اور شیطان کو اس پر بھی خفا کیجئے کہ اشارہ کو ترک کردو اور تہجد سے بھی اس کو خفا کیا جائے نماز اشراق پر نماز ضحیٰ پر اور کم کھانے پر بھی خفا کرو اور سنت کے بعد دعاء پر بھی اس کو خفا کرو۔ اس طرح نماز جنازہ کے بعد دعاء اور عمامہ پر اس کو خفا کرو تو ان میں سے کوئی بھی کام نہ کریں گے اور منکر کے زعم میں کہ شیطان اس کے کرنے پر خفا ہوتا ہے یہ پہلے کی بات ہے کہ ابتدا اسلام میں وہ خفا ہوتا تھا لیکن جب اشارہ منسوخ ہوا تو اب اس کے کرنے پر خوش ہوتا ہے۔

---

[1] (بحوالہ مفتاح القلوب فی بیان السلوک ص ۳۴)

تو میرے بھائی جب امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کوئی کام نہیں کیا ہو اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی چھوڑ دیا ہو تو اگر یہ اشارہ سنت ہوتا تو یہ حضرات کرتے اور یہ بھی کسی کو گمان نہیں کرنا چاہئے کہ میں مانکی خیل ہوں یا مانکی شریف کے ماننے والوں میں سے نہیں ہوں ہم تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں اس مسئلہ میں میں نے بہت تحقیق کی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ اشارہ منع ہے۔ اس کے علاوہ مولانا نظام الدین بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اشارہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کئی دلائل نقل کئے ہیں۔[1]

فقہ شریف کی کتابوں میں درج ہے کہ تمام اعضاء کعبہ شریف کی طرف کرنے چاہئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"قد اَفلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون ای ساکنون بالجوارح خائفون بالقلب"۔

تحقیق کامیاب ہیں مومنین جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرتے ہیں۔ تفسیر مدارک میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اعضاء کو آرام سے رکھتے ہیں اور دل سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ کے بہت سے دوستوں نے اشارہ نہیں کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے جیسا کہ یہ قول ہے:

"کثیر من المشائخ لا یرون الاشارۃ الخ"۔

بہت سے مشائخ نے اشارہ کو پسند نہیں فرمایا ہے۔[3]

"فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین الخ"۔

اگر وہ اختلاف کریں تو اکثر علماء کے قول پر عمل کیا جائے گا۔[4]

اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن الاسلام میں باب الحرمات میں فرمایا ہے کہ "اشارہ سبابہ سے یہ مذہب شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے اور یہ فعل حنفیوں پر حرام ہے"۔

فوائد شریعت ص۹۶ میں ہے کہ: "**اشھد ان لا الہ الا اللہ** کے وقت اشارہ کرنا سبابہ انگلی سے حرام ہے اور یہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے "تو میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بہت بسط اور تفصیل کی ضرورت ہے لیکن میں اس کا خلاصہ ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ **خیر الکلام ما قل ودل ولم یمل** اشارہ کی حرمت کے

---

[1] (جامع الفتاویٰ ج۲ ص۱۱۳ حصہ چہارم المعروف انوار شریعت)

[2] (تفسیر مدارک)

[3] (عالمگیری ج۱ ص۱۰۴)

[4] (شامی ج۱ ص۴۸ ص۴۹ ومکتوبات مجدد الف ثانی ص۲۱۲، زیلعی ج۱ ص۱۲۱ فتح القدیر ج۱ ص۱۲۹ شبلی ج۱ ص۱۲۰ رسالہ فتح الترددص ۱۲۱، ص۱۲۴ ص۱۲۵، ص۱۴۲)

بارے میں صرف خلاصہ کیدانی نے اکیلے نہیں لکھا ہے بلکہ تقریباً ایکسو بیس ۱۲۰ کتابوں میں حرمت و کراہت کا بیان موجود ہے اور جن کتابوں میں مستحب لکھا ہے تو انہوں نے روایت کو لیا ہے اور روایت میں مستحب لکھا ہے اور جو حرام کہتے ہیں تو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے اس لئے کہ مذہب حنفی میں نہیں ہے۔

شرع وقایہ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

"**ومثل هذا جاء عن علمائنا ايضا عند الشافعي الخ**"۔ عن روایت کے لئے آتا ہے اور عند مذہب کے لئے آتا ہے تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ موطاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہے جو اس نے ذکر کی ہے "وھو قول ابی حنیفۃ" اس لئے کہ قول اور روایت مذہب کے مقابل ہے۔

خلاصہ کیدانی میں لکھا ہے: "**والاشارة باالسبابة كاهل الحديث**" یعنی کاف علت کے لئے ہے معنیٰ یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے اس لئے کہ اہلحدیث اس منسوخ روایت پر عمل کرتے ہیں اور کاف تشبیہی نہیں اور یہ معنیٰ خلاصہ کیدانی کی شروح جیسا کہ بدریہ اور میر سید السند سے معلوم ہوتا ہے یہ حضرات اہل حدیث کی تشریح کرتے ہیں: "**الذين يعملون بظاهر الحديث ولا يفرقون بين الناسخ والمنسوخ فيقع لهم الغلط كثيراً**" تو اس قول کی بنا پر جو اشارہ کرتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور مجتہد کی طرف نہیں جاتے۔

مولانا شیخ القرآن حمد اللہ صاحب نے البصائر میں ذکر کیا ہے:

"**الاخذ بظواهر الكتب والسنة من اصول الكفر**"۔[1]

کتاب اور سنت کے ظاہر سے مسائل اخذ کرنا اصول کفر سے ہے۔ تو جب احادیث اشارے کی منسوخ یا مرجوح ہو گئیں بنا بر قول میر سید السند تو منسوخ یا مرجوح پر عمل کرنا حرام ہے تو اس لئے صاحب خلاصہ کیدانی نے حرام کہا ہے۔

اب اگر کوئی اپنے آپ کو حنفی کہے اور اشارہ کرے تو اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض بغض اور حسد ہے۔ (**نعوذ بالله**)

ابو داؤد شریف میں یہ حدیث ہے:

"**من اشار اشارة فى الصلوة تفهم منها فليعدها**۔"

جس نے نماز میں اشارہ کیا جس سے کوئی معنی سمجھ میں آجائے تو اس نماز کو وہ دوبارہ پڑھے۔

---

[1] (البصائر ص ۵۲، صاوی تنویر الایمان)

اور اس میں شک نہیں کہ اشارہ میں نفی، اثبات کی طرف اشارہ ہے یعنی انگلیوں کے اٹھانے میں نفی کی طرف اشارہ ہے کہ ''لا الہ'' ہے اور نیچے کرنے میں اثبات کی طرف اشارہ ہے جو ''الا اللہ'' ہے تو یہ معنٰی سمجھ میں آسکتا ہے تو پھر اعادہ کرنا چاہئے تو اس لئے حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات میں ذکر کیا ہے کہ تیرہ قسم کی کیفیات کا احادیث میں ذکر ہے اور ترجیح ایک کی دوسرے پر نہیں تو حدیث مضطرب ہوئی تو اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور ہدایہ میں بھی اشارہ نہیں ہے اور ہدایہ معتمد کتاب ہے اب ہم چند کتابیں بطور حوالہ ذکر کرتے ہیں جن میں اشارہ کو حرام یا مکروہ کہا ہے۔[1]

مولانا شیخ القرآن والحدیث مفتی اعظم پاکستان شائستہ گل صاحب نوراللہ مرقدہ اپنی کتاب **الحجة المنذرہ فی الاسئلة المبتدرہ** میں ص ۲ تا ۵ کہ اشارہ کرنا نماز میں شرعاً منع ہے بہت سی وجوہات کی بناپر، پہلی وجہ یہ ہے کہ معتبر کتابوں کے متون میں اشارہ کو منع کہا گیا ہے صراحتاً جیسا کہ خلاصہ کیدانی، تنویر الابصار یا تبادراً جیسا کہ کنز کا قول اور ہدایہ، قدوری و مختصر والوقایہ وغیرہ کا ''**وبسط اصابعه الخ**'' انگلیوں کو کھولنا ''**والمتبادر منها انه يسبط اصابعه من اول التشهد الى آخره بدون عقد واشارة عند التلفظ بالشهادة الخ**''[2] ونهر ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۵ **المشهور فی المذهب بسط الاصابع بدون اشارة الخ**''[3] **والمذهب ما فی المتون لانه ظاهر الرواية الخ**''[4] **فالا شارة خلاف المتون فيكون خلاف المذهب فظهران البسط حقيقة فيه لان التبادر الى الفهم من اقوىٰ امارات الحقيقة الخ**''[5] **فلا يجوز العدول منه**''۔ متبادر ان میں سے یہ ہے کہ وہ تشہد کے ابتداء سے آخر تک انگلیوں کو کھلا رکھے اور اشارہ شہادت کے لفظ کے وقت کرنا چاہئے۔ یہی بات رفع التردد اور جامع الرموز و نہر میں نقل ہے۔

پھر رسالہ رفع التردد میں لکھا ہے مذہب میں یہ مشہور ہے کہ اشارہ کے بغیر انگلیوں کو کھلا رکھے۔

شامی ولباب القدوری میں بھی اسی طرح نقل ہے مذہب وہ ہے جو متون میں ہو کیونکہ وہ ظاہر الروایۃ ہوتا ہے۔[6]

---

[1] (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۴) برجندی ج ۱ ص ۱۰۹، فتاویٰ سراجیہ ج ۱ ص ۵۸، زیلعی ج ۱ ص ۱۲۱، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۹، شبلی ص ۱۲۰، رسالہ رفع الترددص ۱۲۱، ص ۱۲۴، ص ۱۲۵، ص ۳۴۲، بحرالرائق ج ۱ ص ۳۲۴، مجموعہ خانی ص ۶۵، تنویر الابصار ص ۲۴۲، مکتوبات شریف مکتوب ص ۳۱۲، شامی ج ۱ ص ۳۴۲، ولباب القدوری ص ۵۴، فتویٰ مالا بدمنہ ص ۴۶، خلاصہ کیدانی حرام کی بحث میں، خلاصہ مذیل الشبہات فی تبطیل الاشارات ص ۲، فتاویٰ برہنہ ص ۱۷ تنبیہ الضمائر علی ردالذخائر ص ۸)

[2] (رسالة رفع الترددص ۱۲۰ جامع الرموز ج ۱ ص ۱۷)

[3] (شامی ج ۱ ص ۳۴۲ ولباب القدوری ج ۱ ص ۵۴)

[4] (ردالمحتار ج ۱، بحث ستر العورة)

[5] (مختصر المعانی۔ بحث الام ص ۲۳۴)

[6] (شامی بحث ستر العورة)

تو اشارہ متون کے خلاف ہے جو خلاف مذہب ہوا تو ظاہر ہوا کہ حقیقت میں بسط ہے کیونکہ تبادر فہم امارات حقیقت کے جاننے کے لئے بہت قوی ذریعہ ہے۔ تو عدول اس سے جائز نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ۔

لا یشیر بالسبابة عند الشهادة و علیه الفتویٰ۔

(التحیات میں) شہادت کی انگلی سے اشارہ نہیں کریں گے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[1]

لفظ المتون اکد من جمیع علامات الفتویٰ الخ اذا دلت روایته بلفظ علیه الفتویٰ لم یفت بمخالفه الخ۔

متون کے لفظ میں زیادہ تاکید ہے تمام فتاویٰ کی علامات سے، جب روایت دلالت کرے علیہ الفتویٰ کے لفظ کے ساتھ تو اس کے مخالف فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔[2]

تیسری وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لایشیر کے لفظ سے ہے وہ ظاہر الروایت ہے۔[3]

چوتھی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ "**لا یشیر**" ہے "**وهو ظاهر اصول اصحابنا الخ**"۔[4] وہ ہمارے اصحاب یعنی حنفیوں کے ظاہری اصول ہیں۔

ثم رساله رفع التردد ص ۱۲۴ "هذا اللفظ مرادف بلفظ ظاهر الروایة فثبتهما یکون واحداً۔ فی البحر باب المصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایة والرجوع الیها الخ۔[5]

پانچویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا لفظ **مشهور فی المذهب فی بسط الاصابع بدون اشارة الخ۔**[6]

اقول فالاشارة خلاف المذهب الذی هو ظاهر الروایة و خرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لیس قولاً له و فیه من التوشیح ان ما وجع عنه المجتهد لا یجوز الاخذ به الخ"۔[7]

چھٹی وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ لفظ لایشیر سے ہے اور وھو المختار وہ مختار قول ہے۔[8]

و اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوه و صححوه الخ"۔[9]

---

[1] (تنویر الابصار و مضمرات و فتاوی کبریٰ ثم عالمگیری ج ا ص ۱۰۵ والمنیه والواقعات ثم شبلی ج ا ص ۱۲۱ والوالجیه ثم جامع الرموز وابو المکارم ج ا ص ۶۱ مجموعه سلطانی ص ۵۶ مجموعه خانی ص ۶۵ رساله رفع التردد ص ۱۲۰ ص ۱۲۴ ص ۱۲۵ وغیرها)

[2] (درمختار ج ا رسم المفتی ص ۵۰ و شرح رسم المفتی ص ۳۸)

[3] (لباب القدوری ص ۵۴ و ذخیره ثم کاکی ثم شبلی ج ا ص ۱۲۱ معراج الدرایه ثم رساله رفع التردد ص ۳۳ ص ۱۲۷ وعینی الهدایه و شرح سفر السعادت و کفایه و مکتوبات المجدد الف ثانی وغیره)

[4] (جامع الرموز ج ا ص ۱۷)

[5] (شامی جلد ا ص ۴۹)

[6] (شامی ج ا ص ۳۴۲ و لباب القدوری ص ۵۴ و فتاویٰ مالا بدمنه ص ۴۶)

[7] (بحر ثم شامی ج ا، ص ۴۶ و شرح رسم المفتی)

[8] (خلاصه ج ا ص ۵۹، عالمگیری ص ۱۰۴، برجندی ج ا ص ۱۰۹، ابو الکلام فصل المکروه ص ۵۸)

[9] (درمختار و شامی جلد ا رسم المفتی ص ۵۲)

ساتویں وجہ یہ ہے کہ اشارہ کی ممانعت ثابت ہے لفظ **كثير من المشائخ لا يرون الاشارة الخ** سے کہ بہت سے مشائخ اشارہ کو سنت خیال نہیں کرتے تھے۔[1]

”**فان اختلفوا يوخذ بقول الاكثيرين الخ**“۔

اگر اختلاف دونوں اقوال میں موجود ہو تو اکثر علما کے قول پر عمل کیا جائے۔[2]

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ:

”**منع الاشارة وكرهها في منية المفتي كذا في التبيين**“۔

منیۃ المفتی میں اشارہ کو مکروہ لکھا ہے ایسا ہی تبیین میں ہے۔[3]

مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہو یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اسکو سنت کہا ہو۔

نویں وجہ یہ ہے کہ منع اشارہ کا سبب حکم ”**نسخ الاشارة الخ الامام كرخي مبسوط، محيط، قاعدي والكرماني وسراج الهداية ثم دلائل الانارة ص ١٢ ومكتوبات المجدد الف ثاني ومولوي عبد الحكيم في شرح المراح وصاحب كل كتاب حكم بحرمة الاشارة او كراهتها والمراد بالمنسوخية عدم المعمولية ولا يصح الحكم بالحرمة والكراهة مع معمولية تلك الاحاديث ومن المعلومات ان العمل بالمنسوخ حرام**“ ہر اس کتاب میں جس میں اشارہ کی حرمت یا کراہت کا حکم دیا گیا ہے تو ان کی مراد اشارہ والی احادیث کی منسوخیت ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ معمولیت کی وجہ سے ان احادیث پر حرمت یا کراہت کا حکم صحیح نہیں اور یہ معلومات سے ہے کہ منسوخ پر عمل حرام ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ:

”**منع الاشارة لفظ كان القول بعدمها الاقوىٰ من حيث النقل عن اهل المذهب الخ**“۔[4]

کہ عدم والا قول قوی ہے اہل مذاہب کی نقل سے۔

”**ولا يشير بسبابة عند الشهادة وعليه الفتوىٰ كما في الولوالجية والتجنيس وعمدة المفتي وعامة الفتوىٰ الخ**“۔

سبابہ انگلی سے شہادۃ کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے۔[5]

---

[1] (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴ تبیین ج ۱ ص ۱۲۱، ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۱ ص ۱۲۴، ص ۱۲۵)

[2] (شامی ج ۱، رسم المفتی ص ۴۸، ص ۴۹ ورسالہ رسم المفتی ص ۴۳)

[3] (ثم عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۴، ومعراج الدرایہ ثم رسالہ رفع التردد ص ۱۲۳، ص ۱۲۴، فتاوی سراجیہ فصل المکروہ ص ۵۸، بحر الرائق، نہر فائق، ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ اہ در مختار باب ادراک الفریضۃ ص ۴۸۱)

[4] (رسالہ رفع التردد ص ۱۲۸)

[5] (تنویر الابصار و در مختار ج ۱ ص ۳۴۱)

ولا یخفیٰ ان مسائل ھٰذا الکتاب (ای تنویر الابصار)
مذکورۃ علی الوجہ الحق وثابتۃ بدلائلھا عند المجتھد ولا یلزم من اثبات الشیٔ بدلیلہ ان یکتب دلیلہ معہ حتی یردانہ لم یذکر فی المتن الادلۃ الخ"[1]

فانی ارویہ عن شیخنا عبد النبی الخلیلی عن المصنف عن ابن نجیم المصری بسندہ الی صاحب المذھب ابی حنیفۃ بسندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عن جبرئیل عن اللہ الواحد القھار کما ھو مبسوط فی اجازاتنا بطرق عدیدۃ الخ۔[2]

اقول فلما ثبت ان منع الاشارۃ حدیث ومذھب فلا مفر منہ فلا یجوز للمقلد خلافہ لان منع الاشارۃ متعین للمقلد الحنفی۔

کسی پر پوشیدہ نہیں کہ اس کتاب (تنویر الابصار) میں جو مسائل مذکور ہیں وہ حق ہیں مجتہدین کے نزدیک وہ دلائل سے ثابت ہیں کسی چیز کے اثبات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شے کے اثبات کے دلائل بھی اس کے ساتھ لکھے جائیں اور جاننا چاہیے کہ متن میں دلائل کا ذکر نہیں ہے (شامی) تو میں نے روایت کی ہے اپنے استاد عبد الغنی خلیلی سے اس نے مصنف سے اس نے ابن نجیم مصری سے اپنی سند سے صاحب مسلک ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس نے اپنی سند سے حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے انہوں نے اللہ تعالیٰ واحد قہار سے یہ ہماری اجازتوں میں بسط سے مختلف طریقوں سے نقل ہے۔[3]

میں کہتا ہوں کہ جب ثابت ہوا کہ اشارہ منع حدیث ومذہب سے تو اس سے بھاگنا نہیں چاہئے اور مقلد کے لئے اس کے خلاف جائز نہیں کیونکہ اشارہ کی ممانعت مقلد حنفی کے لئے متعین ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

---

[1](شامی ج ا ص ۱۳۱)
[2](درمختار ج ا ص ۱۴)
[3](درمختار ج ا ص ۱۴)

(١٧) باب نمبر سترہ: فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرنے کا بیان

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلا ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

کمافی الاحادیث و الفقه۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد عا کرنا اسی طرح تسبیحات پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ:

و المختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة ويكره ان يشتغل بالدعاء و التسبيح۔

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔[1]

اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے:

و عند الحنفية يكره المكث قاعدا يشتغل بالدعاء و الصلوة على النبی ﷺ قبل ان يصلی السنة اه۔

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔[2]

و فی قطب الارشاد ص ٢٥٢ ويستحب فی حق المقتدی و المنفرد وصل السنة بالمكتوبة الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی يؤدی تاخيره الی الكراهة روی ان جلوس الامام فی مصلاه بعد الفراغ من الصلٰوة مستقبل القبلة بدعة۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلیٰ (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ **اللهم انت السلام الخ** پڑھ کر فورا کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور ﷺ سلام پھیرتے تو اللہم انت السلام الخ کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے:

قال الطحطاوی ص ١٨٦ فی باب الاذكار اللهم انت السلام الخ ليس بدعاء بل ثناء۔

[1] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ٢٧ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ٢، ص ٢٣٦ باب يستقبل الامام الناس اذا سلم)

[2] (قسطلانی باب يستقبل الامام الناس اذا سلم ٢، ص ١٣٦ نقال عن فتح الباری بحوالہ اثبات الاغراض ص ١٤٠)

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اللھم انت السلام الخ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ مولانا عبد المتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و العلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر و العصر عقیب الفرض و فی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ۔

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرنا مستحب طریقہ ہے۔[1]

و القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون۔

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے یعنی اللھم انت السلام الخ سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہئے۔[2]

بحر الرائق میں ہے:

عندنا السنۃ مقدمۃ علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔[3]

قطب الارشاد ص ۲۵۲، شامی ص ۳۵۶ میں ہے وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن موکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ آثار واخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ واذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق وتابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔

فاسقنا (ذیل المدعا، ص ۱۸) اللہ تعالی و رسولہ الاعلی اعلم بالصواب!

و الظاھر ان الدعاء لیس بین السنۃ و الفرض لان الفصل بین السنۃ و الفرض بما زاد علی اللھم انت السلام مکروہ قال العلامۃ الشامی فی ج ۱، ص ۴۷۷ و کذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنتہ لا فی محلھا المسنون۔[4]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا ان الدعاء بین الفرض و السنۃ مکروہ (البصائر ص ۱۲۳)۔

---

[1] (الرسائل الستۃ)

[2] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

[3] (بحر الرائق ص ۱۳۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

[4] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمد اللہ دیوبندی)

علامہ ابوعبد الرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔ لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ ﷺ سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔ اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس کی بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتویٰ دیا:

مسئلة: اذا دعا الامام و الماموم عقیب صلوۃ الفرض جائز ام لا؟ الجواب: دعاء الامام و المأمومین جمیعا عقیب الصلوۃ فھو بدعة لم یکن علی عھد النبی ﷺ۔ [1]

عن مجاھد قال قال عمر رضی اللہ عنہ جلوس الامام بعد التسلیم بدعة۔ [2]

فاما فی صلوۃ الظھر و المغرب و العشاء یکرہ له المکث قاعدا لانه مندوب الی التنفل بعد ھذہ الصلوۃ و السنن لجبر نقصان ما یمکن فی الفرائض فیشتغل بھا و کراھیة القعود فی مکانه مروی عن علی و عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنھم۔ [3]

قال قال العلامة ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی و ان کانت صلوۃ بعدھا سنة یکرہ له المکث قاعدا و کراھیة المکث مرویة عن الصحابة روی عن ابی بکر و عمر و انھما کانا اذا فرغا من الصلوۃ قاما کانھما علی الرضف۔ [4]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللھم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت مؤخر کرنا مکروہ ہے امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰۃ ان یقعد فی مکانه الذی یصلی فیه او یقوم قال اذا کانت صلوٰۃ الظھر او المغرب او العشاء فانی اکرہ له ان یقعد فی مقعدہ حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔ [5]

عبد الرحمن (جزری) فرماتے ہیں:

الحنفیة قالوا یکرہ تنزیھا ان یفصل بین الصلوٰۃ و السنة الا بمقدار اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔ [6]

---

[1] (زاد المعاد ج ۱، ص ۲۶، الفتاوی الکبری لابن تیمیہ ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)
[2] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)
[3] (مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)
[4] (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۶۰)
[5] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)
[6] (الفقه علی المذاھب الاربعة ج ۱، ص ۳۳۰)

صاحب کبیری فرماتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یمکث فی مکانہ الذی صلی فیہ بعد ما سلم فی صلوٰۃ بعدھا سنۃ کالظہر و الجمعۃ و المغرب و العشاء الا قدر ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔[1]

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ الدعاء عند الختم بجماعۃ بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[2]

علامہ عبد المتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص ۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

و استنبط من مجموع الادلۃ ان الامام لہ احوال لان الصلوۃ اما ان تکون مما یتنفل بعدھا او لا فان کان الاول ھل یشتغل قبل التنفل بالذکر الماثور ثم یتنفل و بذاک اخذ الاکثرون و عند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء و الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قبل ان یصلی السد الخ۔[3]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج ۲، ص ۴۹ میں ہے:

القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون و کان النبی ﷺ اذا سلم لم یمکث الا مقدار اللھم انت السلام الخ۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

و اما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[4]

مولوی زکریا لکھتے ہیں:

و السنۃ ما تؤدی متصلا بالمکتوبۃ۔[5]

صاحب کبیری لکھتے ہیں:

فان کان بعد المکتوبۃ تطوع یقوم الی التطوع بلا فصل الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام الخ ویکرہ تاخیر السنۃ عن حال اداء الفریضۃ با کثر من نحو ذالک المقدار لما روی مسلم عن عائشۃ (کبیری ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ویکرہ تاخیر السنۃ الا مقدار اللھم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فی ج ۱، ص ۳۹۱ قولہ اللھم انت السلام الخ لما رواہ مسلم و الترمذی عن عائشۃ قالت کان کان رسول اللہ ﷺ لا یقعد الا بمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ۔[6]

---

[1] (کبیری شرح منیہ ص ۳۱۹)

[2] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۰۵)

[3] (الرسائل الستہ ص ۶۸)

[4] (الکوکب الدری ج ۱، ص ۱۹۳)

[5] (الغابر ج ۱، ص ۱۹۳)

[6] (نفائس مطلوبہ ص ۲۹)

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال فی الاختیار کل صلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کیلا یفصل بین السنۃ والفرض اھ۔[1]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا:

بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[2]

قسطلانی فرماتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ لہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوٰۃ۔[3]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض وسنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔

اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ان المسنون عدم الفصل بین الفریضۃ والسنن الا قدر ما یقول اللھم انت السلام کما فی حدیث عائشۃ عند مسلم والترمذی وھو الذی ذکرہ فی شرح الحاکم الشھید۔[4]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[5]

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں:

وکذا ذکر فی عقائد النسفیۃ والمختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاء والتسبیح۔[6]

مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبد الہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا ان یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوۃ۔[7]

---

[1](ثم المراقی اذکار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

[2](خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۵)

[3](ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[4](فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۱۳)

[5](طحطاوی ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الکبیر ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، ھکذا فی الفتاوی الھندیۃ والدر المختار مراقی الفلاح ص ۱۷۱، حاشیۃ الغرغشتوی ج ۱، ص ۹۴، نور الایضاح، الاشباہ والنظائر ص ۸۴، خلاصۃ الفتاوی ج ۱، ص ۹۵، منھاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، رد المحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

[6](معارف السنن، جامع الکمالات، مقالات غازی ص ۱۸، ۱۷)

[7](ارشاد الساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ کمالات الحقانی علی مقالات الغازی ص ۱۷)

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا: کراھۃ الدعاء بین الفرض و السنۃ۔ اور دوسرا رسالہ بنام "توضیح المرام فی کراھۃ الدعاء بعد السلام" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔ علامہ عبد الجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا و الدعاء (تنبیہ الاخوان ص ۴) حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر اللھم انت السلام الخ کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[1]

اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں:

وفی شرح صدر الشہید ان القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وفی تاتار خانی الاشتغال بالسنۃ بعد اداء الفرائض اولی من الاشتغال بالورد و ان اخذ بالدعاء یکرہ۔[2]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اذا سلم الامام من الظہر او المغرب او العشاء کرھت لہ المکث قاعدا لکنہ یقوم الی التطوع۔[3]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دار العلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "**السیف المبیر علی اتباع ملا فنجفیر**" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

دلیل و المختار عند الحنفیۃ ان یشتغل بعد اداء المکتوبۃ بالسنۃ و یکرہ ان یشتغل بالدعاء و التسبیح الخ۔[4]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن و فرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وکذا لو فصل بقرأۃ الاوراد لان السنۃ الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنۃ لا فی محلھا المسنون۔[5]

عمدۃ القاری میں ہے:

و النص ان التاخیر مکروہ۔[6]

---

[1] (اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[2] (شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضا فی فتح القدیر ص ۲۱۶ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرۃ النیرۃ ص ۲۷، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمہ ص ۹۰، عقائد سنیہ ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

[3] (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

[4] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۳۷ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶؛ السیف المبیر ص ۷۰)

[5] (شامی ج ۱، ص ۱۷۰)

[6] (عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۲۲)

فتاوی برھنہ میں ہے:

وبعد از سلام فرض زود برخیزد ودرنگ نکند مگر بقدر اللھم انت السلام الخ زیادہ ازین کراھت ست وبدعت۔

فتاوی ھندیہ میں ہے:

وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التاتار خانیہ (ھندیہ ج ۱، ص ۷۷) لان الاوراد تکون بعد السنۃ لانھا بین الفرض والسنۃ مکروہ۔[1]

علامہ ظاہر شاہ نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف (چند) فتاویٰ ذکر کئے ہیں۔ مفتی فضل سبحان قادری نے فتوی دے کر فرمایا نیز امام ابن ہمام وبقالی ودیگر علماء کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہو اور ان فرائض کے بعد صرف اللھم انت السلام الخ فصل بین الفرائض والسنن کرنا چاہئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے۔[2]

حضرت علامہ مفتی ابو عیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتوی دیتے ہوئے فرمایا: نماز فرض سنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہیں۔[3]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے اللھم انت السلام الخ کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد ودعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے اللھم انت السلام کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔[4]

علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال صاحب خلاصۃ الفتاوی بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء ج ۱، ص ۹۵۔ وفی الاشباہ والنظائر والاشتغال بالسنۃ عقب الفرض افضل من الدعاء ص ۱۲۷۔[5]

---

[1] (اطفاء الفتن ص ۷)۔ (دعا بعد السنن والنوافل ص ۱۴، ۱۳)

[2] (فتوی دار العلوم قادریہ، مردان ۳۱ جنوری، ۱۹۸۱ء)

[3] (شامی ج ۱، ص ۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰، فتاوی برھنہ وغیرہ) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

[4] (فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو)

[5] (فتوی مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی)

علامہ مفتی عبد السبحان قادری فرماتے ہیں:

عندنا السنة مقدمة على الدعاء الذى هو عقب الفراغ اه۔[1]

قوله ليس بدعاء الخ۔

یعنی فرض کے بعد جو اللهم انت السلام الخ پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔

علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ:

اللهم انت السلام الخ ليس بدعاء بل ثناء وقوله حَيِّنَا الخ لا اصل له بل مختلق بعض الناس۔[2]

اسی وجہ سے مسلم وترمذی ومشکوٰۃ وغیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں نقل کئے ہیں۔ لہٰذا اللهم انت السلام کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[3]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

قال الفقهاء ان اللهم انت السلام كما هو وارد فى الاحاديث ليس بدعاء بل ذكر كما قال العلامة الطحطاوى فى شرح المراقى ص ۱۷۱ قوله والدعاء هذا لا ينافى الاتيان باللهم انت السلام اه لانه ليس بالدعاء بل ثناء۔

آگے فرماتے ہیں:

فعلم من هذا الكلام ان انت السلام كما هو الماثور فى الروايات ليس بدعاء۔[4]

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر اللهم انت السلام الخ پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں: **ان هم الا يخرصون۔ کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں: كقوله لانه ليس بدعاء بل ثناء، طحطاوى ص ۱۷۱۔**

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ان ادعية النبى ﷺ قد اخذت مأخذ الاذكار وليس فى الاذكار رفع الايدى۔[5]

---

[1] (بحر الرائق صفة الصلوة ج ۱، ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی) (دعا بعد السنن والنوافل ظاہر شاہ میاں قادری)

[2] (القصاص) شرح المشکوٰۃ ثم طحطاوی ص ۱۸٦، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰٦، واشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۴۴۸ وفتح القدیر نوافل ج ۱، ص ۱۸٦ وغیرھا)

[3] (کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ ص ٦)

[4] (البصائر ص ۱۲۲)

[5] (فیض الباری ج ۲، ص ۴۳۱)

مولوی یوسف بنوری لکھتے ہیں:

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار و اکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[1]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں: نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب وعشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہئے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[2]

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے۔[3]

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد و وظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[4]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت موکدہ ہیں ان کے بعد صرف **اللھم انت السلام تا یا ذاالجلال والاکرام** یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[5]

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعا کرنا چھوڑ دیں اور مختصر دعا مانگیں۔

اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

[1] (معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۴)۔ (مخزن الدلائل ص ۸۵، ۸۴)
[2] (ردالمحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)
[3] (بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)
[4] (فتاوی دار العلوم دیوبند)
[5] (وقار الفتاوی، ص ۱۲۲، ج ۲)